Marfat.com

ارشاد ربّانی

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

تقریر اُردو

بخاری شریف

حصّہ اوّل

مِنْ افادات

العلامۃ المحدث الکبیر برکۃ العصر ریحانۃ الھند صاحب الفضیلۃ
الشیخ مُحمّد زکریّا لا زالت شموس فیوضھم بازغۃ
شیخ الحدیث بالجامعۃ الشھیرۃ فی الآفاق مظاہر العلوم سہارنپور

ناشر فی الھند

کُتب خانہ اشاعت العُلوم

محلہ مفتی سہارن پور

پاکستان میں ملنے کا پتہ

محمد یحیٰی مدنی مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی ۵

Marfat.com

86229

تقریر اُردو بخاری شریف	حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ
جامع و مرتب	مولوی محمد شاہد سہارن پوری زاد مجدہ
بار اول (ہندوستان میں)	سنہ ۱۳۹۲ھ
بار دوم (پاکستان میں)	سنہ ۱۳۹۳ھ
تعداد طباعت	ایک ہزار
کتابت	صغیر احمد خاں رامپوری

ہندوستان میں ملنے کا پتہ

کُتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپور

پاکستان میں ملنے کا پتہ

محمد یحییٰ مدنی مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن۔ کراچی

ھدیہ :- پانچ روپے

نوٹ :- بذریعہ ڈاک منگوانے والے حضرات ایک روپیہ مزید ڈاک خرچ ارسال فرمائیں۔

مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی

Marfat.com

فہرست مضامین

کلمات دُعائیہ (از حضرت شیخ الحدیث مدظلہ) ۹
کلماتِ طیبات ۱۰
مقدمہ از مولانا تقی الدین صاحب ۱۳
مقدمہ تقریر بخاری ۲۲
ہمارے اکابر کا طریق تدریس حدیث ۲۲
ابتداءِ درس کی بیس۲۰ اہم ابحاث ۲۳
مقدمۃ العلم وغیرہ
بحث اول علم حدیث کی تعریف میں علماء کے اقوال نیز منشاءِ اختلاف ۲۳
بحث ثانی حدیث پاک کا موضوع ۲۴
بحث ثالث غرض وغایت ۲۵
پہلی غرض ۲۵
دوسری غرض ۲۶
تیسری غرض ۲۶
میری اپنی ذاتی آراء کے بارے میں ایک اصطلاح ۲۶
ایک جاہل پیر کے دو واقعے ۲۶
یحییٰ اندلسی کا شوقِ علم ۲۶
حدیث کی غرض وغایت کے بارے میں حضرت کی رائے عالی ۲۷
بحث رابع وجہ تسمیہ ۲۸
پہلا قول ۲۸
فقہ درحقیقت قرآن وحدیث کی شرح ہے ۲۸
دوسری وجہ تسمیہ ۲۸
حدیث وخبر کے درمیان فرق ۲۹
بحث خامس مؤلف کے بارے میں ۲۹
عہدِ نبوی میں کتابتِ حدیث ۲۹
علم حدیث تاریخی حیثیت سے ۳۰
حضرت عمر بن عبدالعزیز اور تدوین حدیث ۳۰
عہدِ صحابہ میں عدمِ تدوین کی وجوہ ۳۱
کتابتِ حدیث کے متعلق تین مذاہب ۳۲
مدونِ اول وطبقاتِ مدونین ۳۳
الفیۂ سیوطی اور اُسکے حفظ کا اہتمام ۳۳
دنیائے حدیث پر حافظ کے احسانات ۳۳
بحث سادس اجناس کے بارے میں ۳۳
بحث سابع مرتبۂ حدیث ۳۴
بحث ثامن قسمۃ وتبویب اور حدیث کے ابواب ثمانیہ ۳۴
بحث تاسع حکم شرعی ۳۴
مقدمۃ الکتاب ۳۵
بحث اول مقصودِ بخاری ۳۵
امام بخاری کا ایک خواب ۳۵
فقہ البخاری فی تراجمہ ۳۵
بخاری شریف کے فضائل ۳۵
بحث ثانی سمہ ۳۶
بحث ثالث مؤلف کتاب احوالِ امام بخاریؒ ۳۶
محدث داخلی کی مجلس اور امام بخاریؒ ۳۷
سفرِ حجاز اور امام بخاری کی بعض تصانیف ۳۸
امام بخاری کی قوتِ یادداشت ۳۸
مسئلہ خلقِ قرآن ۳۹
واقعۂ امیرِ خالد اور حادثۂ فاجعہ ۴۰
امام بخاری کو ابوحفص کبیر کا ایک پیغام ۴۰
تاریخ وفات اور تدفین ۴۰
تمنائے موت ۴۰
مذاہب ارباب صحاح ستہ ۴۱
زمانِ تالیف ۴۲
سببِ تالیف ۴۲
جامع صحیح کی تالیف میں امام بخاری کا اہتمام ۴۲
تعدادِ روایاتِ بخاری ۴۳
تخریجِ روایات میں شیخین کی شرائط ۴۳
ایک ضروری تنبیہ
حدیث کے علی شرطِ البخاری ہونے کا مطلب ۴۴
ثلاثیاتِ بخاری ۴۴
فقہ حنفی ثنائی ہے ۴۴
امام اعظم کا تابعی ہونا ۴۴
بخاری کی بائیس۲۲ ثلاثیات میں بیس۲۰ کے اساتذہ حنفی ہیں ۴۴
بحث رابع انواعِ کتبِ حدیث ۴۵

Marfat.com

جامع	۴۵	بخاری کے چند مشہور نسخ	۵۲	احناف پر حدیث سے بیگانگی کا الزام	۶۰
سُنن	۴۵	فربری کے حالاتِ زندگی	۵۲	ایک اہم تنبیہ	۶۰
مسند	۴۵	فربری کے نسخوں میں اختلاف کی وجوہ	۵۲	مراتب محدثین	۶۱
معجم	۴۶	حضرت سہارنپوری کا سنت سے عشق	۵۳	امام ابوداؤد کی احادیث منتخبہ	۶۲
اطراف	۴۶	بحث تاسع مراتب کتب حدیث	۵۳	باب کیف کان بدؤ الوحی	۶۳
علل	۴۶	پہلا طبقہ . دوسرا طبقہ	۵۳	بسملہ پر نحوی تحقیق	۶۳
مستدرک	۴۶	تیسرا طبقہ . چوتھا طبقہ . پانچواں طبقہ	۵۴	ترک خطبہ کی بارہ وجوہات	۶۳
مستخرج	۴۷	بحث عاشر سند	۵۵	ایک مبارک خواب	۶۴
اربعینہ	۴۷	اُمت اسلامیہ کا ایک خصوصی امتیاز	۵۵	باب	۶۴
اجزاء ورسائل	۴۷	میرا ابتدائی دور	۵۵	لفظ باب کی صرفی تحقیق	۶۴
مشیخہ	۴۷	پہلی سند	۵۵	کیف کان	۶۵
تراجم	۴۷	دوسری سند	۵۶	ترجمۃ الباب کی غرض میں مشائخ وشراح کی آراء	۶۵
افراد وغرائب	۴۷	والد صاحب کا حادثۂ انتقال	۵۶	بدؤ	۶۶
تخاریج	۴۸	بذل کی تالیف کا آغاز	۵۶	وحی کی تعریف اور اس کے اقسام	۶۶
تعالیق	۴۸	مظاہر میں تقرر	۵۶	الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۶۷
زوائد	۴۸	تیسری سند	۵۷	اصل کتاب میں اصلاح خلاف اصول ہے	۶۸
بحث خامس مرتبہ کتب حدیث	۴۸	تذکرہ مولانا عنایت الٰہی	۵۷	محدثین کی احتیاط	۶۸
حضرت گنگوہی کی مدت تدریس حدیث	۴۸	میرا چھ ماہ تک مدرسہ قدیم سے باہر نہ نکلنا	۵۷	قول اللہ عزوجل انا اوحینا الیک	۶۹
اغراض مصنفین صحاح ستہ	۴۸	علمی انہماک	۵۷	ترجمۃ الباب سے آیۃ کی وجہ مناسبت	۶۹
صحاح ستہ کی ترتیب باعتبار تعلیم	۴۹	مولانا احمد علی صاحب کا واقعہ	۵۸	آیۃ شریف میں بطور خاص حضرت نوح کا ذکر اور اس کی چند وجہات	۶۹
صحاح ستہ کی ترتیب باعتبار صحت	۴۹	نقشہ اسانید ثلاثہ (حاشیہ میں)	۵۸		
بخاری ومسلم کی متکلم فیہ احادیث	۴۹	سلسلہ اسناد اور حضرت شاہ صاحب	۵۹	حدثنا، اخبرنا، انبانا اور ان میں باہمی فرق	۷۰
صحاح ستہ کا مصداق اور سادس ستہ کی تعیین	۵۰	بحث حادی عشر آداب طالب	۵۹	سند حدیث میں ایک نکتہ کی طرف اشارہ	۷۱
		میرے والد صاحب کا درس حدیث میں اہتمام	۵۹	قال حدثنا سفیان	۷۱
بحث سادس قسمۃ وتبویب	۵۱	میرا درس حدیث میں اہتمام	۵۹	سند اول میں تحدیث کے طرق اربعہ	۷۱
بحث سابع حکم شرعی	۵۱	الرفقہ کی شان میں بے ادبی سے احتراز ضروری ہے	۶۰	بخاری کی پہلی حدیث اور اس کی وجہ غرابت	۷۲
بحث ثامن وجہ اختلاف وتعدد نسخ	۵۱				

Marfat.com

صلوۃ وسلام اور ترضی کا فرق اور اس میں ائمہ کا اختلاف علی المنبر	۷۲	صوفیہ کا ارشاد	۸۱
		کیا چلہ کشی شریعت کے خلاف ہے؟	۸۱
انما الاعمال بالنیات	۷۳	شیخین کی افضلیت	۸۲
حدیث بالا سے احناف وشوافع کا استدلال		اہل تبلیغ کے تین چلوں کا ماخذ	۸۲
	۷۳	اعطاء نبوت سے پہلے کی عبادت	۸۲
ایک اشکال اور اس کا حل	۷۴	فقال اقرأ جب آپؐ امی تھے تو قرأت کا حکم کیوں دیا گیا؟	۸۳
فمن کانت ہجرتہ الی دنیا الخ	۷۴	غطات ثلثہ کے متعلق علمائے باطن کی رائے	۸۳
اختصار روایت کے بارے میں حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ کا ایک اشکال اور اس کا جواب	۷۴	نسبت کی اقسام اربعہ	۸۴
		خواجہ باقی باللہ اور ایک طباخ کا قصہ	۸۵
		خلافت بلافصل کی حکمتیں	۸۵
اخلاص کی قدر اور اس پر دو واقعے	۷۵	خلافت ثلثہ کے متعلق حضرت اقدس کی رائے	۸۶
حدیث پاک کا شان ورود	۷۶	اول مانزل کا مصداق	۸۶
حدیث پاک کے ترجمہ میں وجوہ مطابقت	۷۶	علم وقلم میں باہمی جوڑ	۸۷
سند کا ایک لطیفہ	۷۷	فرجع بہا الخ	۸۷
ازواج مطہرات کے ام المؤمنین ہونے کی تحقیق وتوضیح	۷۸	تعدد ازواج کی مصلحت	۸۷
		التعارض بین قولہ زملونی زملونی وبین قولہ وان جبینہ لیتفصد عرقا	۸۸
کیف یاتیک الوحی الخ	۷۸	لقد خشیت علی نفسی	۸۸
وحی کی دو قسموں کے ذکر پر اکتفا	۷۸	وجوہ خشیہ	۸۸
حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت	۷۸	مایخزیک اللہ ابدا	۸۹
صلصلۃ الجرس کی تحقیق میں علماء کے اقوال	۷۸	انک لتصل الرحم	۸۹
حفاظت رعد کی دعا اور ایک لطیفہ	۷۹	وتحمل الکل	۸۹
فرشتہ کا دحیہ کلبی کی شکل میں آنا	۸۰	وتکسب المعدوم	۸۹
حدیث کی باب سے مناسبت	۸۰	تعین علی نوائب الحق	۸۹
ایک اشکال بابت رویائے صالحہ اور اس کا جواب	۸۰	ورقہ بن نوفل	۹۰
ثم حبب الیہ الخلاء	۸۱	فیکتب من الانجیل بالعبرانیۃ اختلاف نسخ	۹۰
		اسمع من ابن اخیک	۹۰
		نزل اللہ علی موسیٰ کتب سماویہ میں آپؐ کے اوصاف کا مذکور ہونا	۹۰
		یالیتنی فیہا جذعا	۹۱
		او مخرجی ہم	۹۱
		لم یات رجل قط بمثل ما جئت بہ الا عودی	۹۱
		ایمان ورقہ	۹۱
		اصابہ کی ترتیب	۹۲
		انتقال ورقہ بن نوفل	۹۲
		مدت فترۃ اور اس کی حکمتیں	۹۲
		ہمیں ثقل وحی کا احساس کیوں نہیں ہوتا	۹۲
		صوفیاء کا ایک معمول	۹۲
		قال ابن شہاب	۹۳
		وہو یحدث	۹۳
		فرعبت	۹۳
		والرجز فاہجر اور اس پر ایک اشکال وجواب	۹۳
		تابعہ عبداللہ بن یوسف	۹۳
		متابعۃ کی قسمیں اور اس کا فائدہ	۹۳
		وقال یونس ومعمر بوادرہ	۹۳
		حدیث کی باب سے مطابقت	۹۳
		لاتحرک بہ لسانک اور حدیث کی باب سے مناسبت	۹۴
		یعالج من التنزیل شدۃ	۹۴
		عظمت وحی کا اندازہ	۹۴
		وکان مما یحرک شفتیہ	۹۴
		قال ابن عباس فانا احرکہما	۹۵
		ان علینا بیانہ اور اس میں تفسیری اختلاف	۹۵

Marfat.com

حاتحویل میں علماء کے مختلف اقوال ۹۵
ومعمر نحوہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر وفاقہ
غایت درجہ سخاوت کی وجہ سے تھا ۹۶
حضرت بلال کی طویل حدیث سے حضور
کی معیشت معلوم ہونا ۹۷
فیدارسہ القرآن ۹۷
ترجمہ مرسلہ کے ساتھ تشبیہ ۹۸
ترجمہ کے ساتھ وجوہ مناسبت ۹۸
حدثنا ابوالیمان حدیث ہرقل ۹۸
نبی زندگی کے مصائب وآلام ۹۸
صلح حدیبیہ اور نزول سورہ فتح ۹۹
مکتوبات نبوی کی ابتداء ۱۰۰
ہرقل اور ملک فارس کی باہمی منازعت ۱۰۰
دعا بترجمانہ ۱۰۱
قیصر کے دس سوالات ۱۰۲
لفظ قط کا استعمال ۱۰۳
جوابات کا غیر مرتب ہونا ۱۰۴
نواں سوال اور اس کا جواب
جو ترقی ضعفار سے شروع ہوکر اقویاء
کی طرف جاتی ہے۔ وہی معتبر ہے ۱۰۴
حضرت نانوتوی کا ایک ملفوظ (حاشیہ میں) ۱۰۴
مکتوب سلیمانی پر ایک اشکال اور
اس کے دو جواب ۱۰۵
دربار ہرقل میں مکتوب نبوی
کافروں کو سلام کرنے کا طریقہ ۱۰۶
موافقات عمر ۱۰۶

وجہ ارتداد عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ۱۰۷
لقد امرامر ابن ابی کبشہ ۱۰۷
ابن ابی کبشہ سے تعبیر کرنے کی وجوہات ۱۰۷
ایک اشکال اور چکی کا پاٹے ۱۰۸
ضغاطر کا مشرف باسلام ہونا ۱۰۹
فکان ذلک اخرشان ہرقل ۱۰۹
اسلام ہرقل ۱۰۹
براعۃ اختتام ۱۱۰
حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ۱۱۱
کتاب الایمان ۱۱۱
غیر محل میں بسم اللہ کا مذکور ہونا ۱۱۱
کتاب الایمان سے ابتداء کرنے کی وجہ
اور کتاب الوحی کی تقدیم کا سبب ۱۱۱
تحقیق الایمان ۱۱۲
ایمان کے بارے میں اہل سنت کا
اختلاف صرف لفظی ہے ۱۱۳
امام بخاری کے یہ تراجم احناف پر رد
کرنے کے لئے نہیں ہیں ۱۱۳
مرجیہ پر قوت سے تنقید کرنے کی وجہ ۱۱۳
باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم
بنی الاسلام علی خمس الخ ۱۱۴
خیمہ کے ساتھ تشبیہ اور وجہ شبہ ۱۱۴
اجزاء ترجمہ ۱۱۴
اہل حدیث کا تجاہل ۱۱۴
مختلف آیات قرآنیہ سے استدلال ۱۱۵
امام بخاری کی ایک عادت ۱۱۵
ایک بزرگ کی حکایت ۱۱۵

وکتب عمر بن عبدالعزیز ۱۱۵
ولکن لیطمئن قلبی ۱۱۶
آیۃ کریمہ کو مستقل ذکر کرنے کی وجہ ۱۱۶
وقال معاذ اجلس بنا الخ ۱۱۶
اوصیناک یا محمد وایاہ الخ ۱۱۷
ایک اشکال اور حافظ کی طرف سے
اُس کا جواب ۱۱۷
آیتین کے درمیان رفع تنازع ۱۱۷
ودعائکم ایمانکم اور اختلاف نسخ ۱۱۸
باب امور الایمان ۱۱۸
اغراض ترجمہ ۱۱۸
آیات کریمہ سے استدلال ۱۱۸
بضع وستون شعبہ اور اختلاف روایات ۱۱۹
واد نا ہا اماطۃ الاذی ۱۱۹
اذی کی تفسیر ۱۱۹
الحیاء شعبۃ من الایمان ۱۱۹
حیا کا تعلق شعب ایمانیہ سے ۱۱۹
حیا جزء ایمان کس طرح ہے ۱۲۰
باب المسلم من سلم المسلمون ۱۲۰
اجزاء حدیث کی تشریح ۱۲۰
باب ای الاسلام افضل ۱۲۱
کتاب الایمان میں اسلام دین
کو ذکر فرمانے کی وجہ ۱۲۱
ایمان اسلام کے لغوی معنے ۱۲۱
باب اطعام الطعام ۱۲۲
باب من الایمان ان یحب لاخیہ ۱۲۲
حدیث پاک اور دعائے سلیمانی کے درمیان تعارض ۱۲۲

Marfat.com

عن الحسین المعلم الخ ۱۲۲
سند پر اشکال اور اس کا جواب ۱۲۲
باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲۳
محبت کے اقسام ۱۲۳
میرے والد صاحب کا ارشاد ۱۲۳
تقدیم والد کی وجوہات ۱۲۳
باب حلاوۃ الایمان ۱۲۴
شراح کی رائے ۱۲۴
میرے والد صاحب کا ارشاد ۱۲۴
معیار محبت ۱۲۴
باب علامۃ الایمان حب الانصار ۱۲۴
انصار کی محبت پر تحریص ۱۲۴
باب (بلا ترجمہ) ۱۲۵
باب بلا ترجمہ کی مختلف توجیہات ۱۲۵
مرجئہ وخوارج پر رد ۱۲۶
حضرت شاہ ولی اللہ کا فرمان ۱۲۶
فضائل شرکاء بدر ۱۲۶
وہو احد النقباء الخ ۱۲۷
ہجرت سے قبل کی ایک عادت مبارکہ ۱۲۷
ایام حج میں آپ کا قبائل پر اسلام پیش فرمانا۔ ۱۲۷
عقبۂ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ ۱۲۷
حدیث کی باب سے مناسبت ۱۲۷
بایعونی علیٰ ان لا تشرکوا الخ ۱۲۷
حدیث سے بیعت السلوک کا ثبوت ۱۲۸
ولا تاتوا ببہتان الخ ۱۲۸
اس جملہ حدیث کے متعدد مطالب ۱۲۸
فہو کفارۃ لہ ۱۲۸
حدود کفارہ ہیں یا نہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ۱۲۹
احناف کے نزدیک اوفق بالقرآن کا راجح ہونا اور اس سلسلہ میں دیگر ائمہ کے مسلک ۱۲۹
باب من الدین الفرار من الفتن ۱۳۰
دین، اسلام، ایمان تینوں معناً متحد ہیں ۱۳۰
باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم ۱۳۰
باب کی کتاب العلم سے مناسبت اور شارحین کے مختلف اقوال ۱۳۰
معرفت فعل قلب ہے ۱۳۰
مقصد باب ۱۳۱
باب من کرہ ان یعود الخ ۱۳۱
کتاب الایمان سے مناسبت ۱۳۱
باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال ۱۳۲
حنفیہ کی تائید ۱۳۲
مرجئہ وخوارج پر رد ۱۳۲
باب الحیاء من الایمان ۱۳۳
باب فان تابوا الخ ۱۳۳
غرض ترجمہ میں شراح ومشائخ کے مختلف اقوال ۱۳۳
باب من قال ان الایمان ۱۳۳
تکرار ترجمہ ۱۳۳
باب اذا لم یکن الاسلام الخ ۱۳۴
ایمان واسلام کا اتحاد اور دفع تعارض ۱۳۴
جملہ حدیث الانصاف من نفسک کی شرح ۱۳۴
انصاف نبوی کی ایک مثال ۱۳۵
والانفاق من الاقتار ۱۳۵
سخاوت صدیقی ۱۳۶
باب کفران العشیر ۱۳۶
باب کی مناسبت کتاب الایمان سے ۱۳۶
اکثر اہلہا النساء اور دفع تعارض ۱۳۶
انبیاء اور اولیاء کے کشوف کا فرق اور اس کی وجہ ۱۳۷
باب المعاصی من امر الجاہلیۃ ۱۳۷
ترجمہ کا ثبوت ۱۳۷
ولا یکفر صاحبہا اور خوارج پر رد ۱۳۷
ذہبت لانصر ہذا الرجل ۱۳۸
القاتل والمقتول فی النار ۱۳۸
زہد ابوذر ۱۳۸
انک امرء فیک جاہلیۃ ۱۳۹
باب ظلم دون ظلم ۱۳۹
غرض الباب ۱۳۹
انما لم یظلم ۱۳۹
باب علامۃ المنافق ۱۳۹
آیۃ المنافق ثلث اور ایک اشکال وجواب ۱۳۹
باب قیام لیلۃ القدر ۱۴۰
غرض ترجمہ ۱۴۰
باب الجہاد من الایمان ۱۴۰
ثم احیی ثم اقتل ۱۴۱
باب تطوع قیام رمضان ۱۴۱
باب صوم رمضان ۱۴۱

Marfat.com

احتساب کا مطلب اور اُس کی اہمیت	۱۴۱
باب الدین یسر	۱۴۱
خوارج کی تنگ نظری	۱۴۲
ملت حنفیہ کا مصداق	۱۴۲
ولن یشاد الدین احد الخ	۱۴۲
باب الصلوٰۃ من الایمان	۱۴۲
تحویل قبلہ پر یہود کا اعتراض	۱۴۳
مدت نسخ قبلہ	۱۴۳
تحویل قبلہ کہاں ہوا اور کب ہوا	۱۴۴
مولانا محمد حسن مکی کا تعارف	۱۴۴
فداروا کما ہم	۱۴۵
خبر واحد سے تحویل قبلہ ہونا	۱۴۵
باب حسن اسلام المرء	۱۴۵
مقصود امام بخاری	۱۴۵
حالت کفر کے اعمال حسنہ	۱۴۵
باب احب الدین الی اللہ	۱۴۵
باب زیادۃ الایمان	۱۴۶
تکرار باب	۱۴۶
الیوم اکملت لکم	۱۴۶
اکمال کا مطلب	۱۴۶
قد عرفنا ذلک الیوم	۱۴۶
سوال وجواب میں تطبیق	۱۴۷
باب الزکوٰۃ من الاسلام	۱۴۷

مقصود باب	۱۴۷
نسمع دوی صوتہ	۱۴۷
دوی کے معنی وتشریح	۱۴۷
ہل علی غیرہا قال لا	۱۴۸
احناف پر ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۴۸
الا ان تطوع	۱۴۸
مسئلہ خلافیہ	۱۴۸
واللہ لا ازید علی ہذا پر ایک اشکال اور اُس کا جواب	۱۴۹
ہماری نمازوں کی حالت	۱۴۹
باب اتباع الجنائز من الایمان	۱۴۹
شعب ایمانیہ کو اتباع جنائز پر ختم کرنے کی حکمت	۱۴۹
باب خوف المومن ان یحبط عملہ	۱۴۲
فرقہ احباطیہ پر رد	۱۵۰
حضرت حنظلہ کا نفاق سے خوف	۱۵۰
ما منہم احد یقول	۱۵۰
ایمانی کا ایمان جبرئیل کا مفہوم ومطلب	۱۵۰
اصرار علی المعاصی کفر تک پہنچا دیتا ہے	۱۵۱
شاہ عبدالعزیز کا فرمان	۱۵۱
باہمی رنجش کا نتیجہ	۱۵۱
باب سوال جبرئیل الخ	۱۵۱

مقصود امام بخاری کی وضاحت	۱۵۱
ان تعبد اللہ کانک تراہ اور اسکی شرح	۱۵۲
اذا ولدت الامۃ ربتہا	۱۵۲
باب (بلا ترجمہ)	۱۵۲
باب فضل من استبرأ لدینہ	۱۵۳
غرض ترجمہ	۱۵۳
ضربات ذکر اور اُس کی حکمتیں	۱۵۴
باب اداء الخمس	۱۵۴
ابو جمرہ کا خواب	۱۵۴
وفادۃ عبد القیس دو مرتبہ ہے	۱۵۵
غیر خزایا ولا ندامی	۱۵۵
فامرہم باربع۔ اشکال وجواب	۱۵۶
باب ماجاء ان الاعمال الخ	۱۵۷
غرض ترجمہ	۱۵۷
حدیث سے شوافع کا ایک استدلال اور اُس کا جواب	۱۵۷
باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ	۱۵۷
حدیث پاک کے بارے میں امام نووی کی رائے	۱۵۸
بیعت صوفیہ پر اعتراض جہالت ہے	۱۵۸
مرید کے احوال کے مطابق بیعت	۱۵۸
براعت اختتام	۱۵۹
معروضات	۱۶۰

Marfat.com

کلماتِ دُعائیہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اِس ناکارہ کی بخاری شریف کی تقریر کا حصہ اوّل عزیز شاہد سلمہ نے دو سال قبل طبع کیا تھا جس کی تفصیل میں اسکی تمہید میں لکھ چکا ہوں۔ اسوقت مدینہ منورہ میں معلوم ہوا کہ میرے مخلص دوست مولینا الحاج محمد یحییٰ صاحب مدنی اسکو دوبارہ طبع کرا رہے ہیں۔ اور مجھ سے چند کلماتِ دعائیہ لکھوانے کی فرمائش کی ہے۔ یہ ناکارہ اپنی نااہلیت کے باوجود علمی خدمت بالخصوص حدیث پاک کی خدمت کو تو بہت اہم سمجھتا ہے۔ اللہ تعالےٰ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے موصوف کو ان کی مساعیٔ جمیلہ کا دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرماتے اور کتاب کے فوائد سے لوگوں کو زائد سے زائد متمتع فرماتے اور جو خطا ولغزش اس سیہ کار سے یا ناقلین سے ہوئی ہو اسکو اپنے فضل سے معاف فرمائے اور لوگوں کو اس سے محفوظ فرمائے۔ فقط

(حضرت شیخ الحدیث مولینا الحاج) محمد زکریا (مدظلہ العالی)

نزیل مدینہ منورہ

۸ شوال المکرم سنہ ۱۳۹۳ھ

Marfat.com

کلماتِ طیّبات

از حضرت اقدس بقیۃ السلف حجۃ الخلف مولانا الحاج محمد زکریا صاحب مدظلہٗ
شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہوا جنکو لگنے نہ دیتی تھی بلبل　　وہی گل ہوائے خزاں کھارہے ہیں

یہ ناکارہ ۱۳۴۴ھ میں دوسری مرتبہ اپنے حضرت مرشدی و مرشد عالم مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی ہمرکابی میں حجاز مقدس حاضر ہوا تھا اور شروع ۱۳۴۶ھ میں وہاں سے واپسی ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے حقیقتاً تو اپنی گندگیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اور ظاہراً مدرسہ کے تدریسی و انتظامی مشاغل کے علاوہ اپنے تالیفی مشاغل کی وجہ سے (جس کا چسکہ بذل المجہود کی تالیف کے سلسلہ میں پڑ گیا تھا) حاضری میسر نہ ہوئی۔ میرے مخدوم، مخدوم العالم شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی دو مرتبہ بہت ہی شدید اصرار اس نابکار کی ہمرکابی پر کیا۔ اور قدوۃ التواضع والمراحم حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے آخری سفر میں اس سیہ کار کی ہمرکابی پر بہت ہی اصرار فرمایا۔ بلکہ حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کا یہ آخری سفر اس سیہ کار کے حج کرانے کے لئے ہی ہوا تھا۔ جیسا کہ غالباً آپ بیتی میں کسی جگہ لکھوا بھی چکا ہوں۔ تجویز ہوائی جہاز سے جانے کی تھی جس کو حکومت مصر نے عین وقت پر اپنی سرحد سے پرواز کرنے کی ممانعت کر دی اور یہ نابکار اپنی جوانی میں بھی یعنی ۱۳۳۸ھ میں جب کہ میرا پہلا سفر حج ہوا تھا اور اس وقت میری عمر ۲۲، ۲۳ سال کی تھی بحری جہاز کی ہواؤں اور بدبوؤں کا تحمل نہ کر سکا تھا کہ ہر وقت دورانِ سر کی وجہ سے پڑا رہتا تھا۔ اس لئے اس موقعہ پر ہمرکابی کی ہمت نہ کر سکا۔ اور چونکہ حضرت رائے پوری کے عزم و ارادہ کی وجہ سے بہت سے خدام نے اپنے حج فرض کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر میں ارادہ ملتوی کرتا ہوں تو ان سب کا حج فرض ملتوی ہو جائے گا۔ اس لئے باوجود ضعف و پیری کے حضرت نے بحری جہاز سے سفر فرمایا اور یہ محروم محروم ہی رہا، لیکن ۱۳۸۳ھ میں عزیز گرامی قدر و منزلت قرۃ العین و فلذۃ الکبد مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اپنی ہمرکابی میں ہوائی جہاز سے لے جانے پر اتنا شدید اصرار کیا کہ میرا کوئی عذر قبول نہیں کیا۔ اس کی تفصیل بھی غالباً میں آپ بیتی میں سفر حج کے سلسلہ میں لکھوا چکا ہوں۔ مرحوم اپنی غایت محبت کی وجہ سے اہل حجاز اور اہل مطہرہ سے یہ وعدہ بھی کر آئے کہ ہر تیسرے سال میں بھی آؤں گا اور شیخ الحدیث کو بھی ساتھ لایا کروں گا۔ وہ مرحوم تو وعدہ کر کے دار البقاء تشریف لے گئے اور ان کے زور اثر سے اس سیہ کار کے سفر حجاز کا راستہ کھل گیا۔ اس کے بعد کئی مرتبہ حاضری ہوئی اور بعض مرتبہ طویل قیام کی بھی

Marfat.com

نوبت آئی جس کی تفصیل اگر مقدر میں ہوئی اور آپ بیتی کا کوئی حصہ بعد میں لکھا گیا تو اس میں آجائے گی۔ کہ یہاں تو مضمون دوسرا ہے۔ وہ یہ کہ میں اپنے طویل قیام میں اس کتب خانہ کی کنجی جس کو میں نے اپنی زندگی اور حیات میں کسی کو بھی نہیں دی بلکہ اپنی غیبت میں اپنے کتب خانہ میں کسی کا قدم رکھنا بھی گوارا نہیں کیا کہ وہاں میری عمر بھر کی کمائی، علمی خطوط، سلوکی خطوط، اکابر کے خطوط، کا ذخیرہ پلندوں میں بندھا ہوا رکھا ہے۔ میری غیبت میں میرے اس فقرے سے فائدہ اٹھا کر کہ بارش وغیرہ میں کمرے کو دیکھتے رہیو، میرے داما دوں بالخصوص میرے نواسہ عزیز شاہد سلمہٗ نے بہت بُری طرح اس پر قبضہ کیا میں حجاز میں بھی سُنتا رہا اور واپسی پر بھی معلوم ہوا کہ میرے اہم خطوط اور علمی خزانے عزیز شاہد نے سارے ہی چھان ڈالے۔ میں نے حجاز کے قیام میں عزیز شاہد کو لکھا کہ یہ ساری چیزیں غیر مربوط مسودے ہیں۔ اتنے اس پر کسی معتمد کی نظر ثانی نہ ہو ہرگز طبع نہ کرائیں۔ اور میں اب اس قابل نہیں رہا کہ ان پر نظر ثانی کر سکوں۔ اور غور کر سکوں۔ لہٰذا جب تک مفتی محمود صاحب گنگوہی عزیزان مولوی عاقل و مولوی سلمان میں سے کوئی غور سے نظر ثانی نہ کرے اتنے کوئی چیز طبع نہ کی جائے۔ مگر عزیز موصوف کی نوعمری کا زور اور میرے بعض دوستوں کا حُسن ظن کہ اُنھوں نے بغیر نظر ثانی کی ضرورت کے اس کو طبع کرنے کی اجازت دیدی جس کا مجھے قلق ہے مگر چونکہ کئی چیزوں کی کتابت بھی ہو چکی۔ اور اختلاف الائمہ کا ایک نہایت مختصر اور ابتدائی حصہ طبع بھی ہو چکا جس کے متعلق میرے دوستوں نے کہا۔ کہ جتنا بھی ہو جائے بہت کار آمد ہے طبع کرا لیا جائے۔ میرے تعجب کی انتہا نہ رہی۔ جب لندن، افریقہ، حجاز، ہند و پاک سے اس ناقص حصہ کے بہت زیادہ مفید ہونے کے میرے پاس خطوط پہنچے اور ہند و پاک کے بعض احباب نے دوبارہ مجھ سے اس کی طباعت کی اجازت منگائی میں نے ان کو ضابطہ کا تو یہ جواب دیدیا کہ میری اُردو عربی کی ہر کتاب کے طبع کرنے کی شوق سے اجازت ہے۔ مگر عزیز شاہد نے چونکہ اس کو طبع کرایا ہے۔ اس لئے ضابطہ کی اجازت اس سے لیں۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو دارین میں بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے۔ کہ اس نے اجازت دینے میں کسی کو بخل سے کام نہیں لیا۔

اسی سلسلہ میں اس ناکارہ نے ۱۳۹۰ھ میں یہ خبر سُنی، کہ عزیز موصوف نے میری بخاری شریف کی تین تقاریر سب سے اوّل میرے مخلص دوست الحاج مولوی احسان الحق لائل پوری حال مدرس مدرسہ عربیہ رائے ونڈ ضلع لاہور جنہوں نے ۵۸ھ میں اس سیہ کار سے بخاری شریف پڑھی۔ اور بہت اہتمام سے اس کی تقریر لکھی۔ اور دوسری تقریر میرے مخلص مولوی محمد یونس صاحب جونپوری حال شیخ الحدیث مظاہر علوم جنہوں نے مسلسل ۸۰ھ و ۸۱ھ میں دو سال اس سیہ کار سے بخاری شریف پڑھی اور سب سے آخری میرے خواہر زادے اور داماد عزیزم مولوی حافظ محمد سلیمان سلمہٗ مدرس مدرسہ مظاہر علوم کی تقریر جنہوں نے ۸۶ھ میں مجھ سے ہی بخاری پڑھی۔ ان سب تقریروں کو سامنے رکھ کر عزیزم مولوی شاہد سلمہٗ مدرس مدرسہ مظاہر علوم نے ایک مکمل اور مسلسل تقریر جمع کرنی شروع کی اور فرط شوق میں اس کا اشتہار بھی قبل از وقت دیدیا اور اپنے اعتماد پر میری نظر ثانی کی اطلاعات بھی اشتہار میں شائع کر دیں۔ آں عزیز کو یقین تھا کہ جب میں اصرار کروں گا تو وہ رد نہیں کرے گا۔ اور یہ خیال صحیح بھی تھا۔ لیکن امراض کی کثرت، ضعف دماغ، اور معذوری کی وجہ سے میں نے اپنے سُننے سے تو معذوری ظاہر کر دی لیکن یہ ضروری سمجھا کہ اس منتخب مجموعہ کو عزیزم مولوی یونس سلمہٗ ضرور

Marfat.com

ملاحظہ کرکے اسکی تصحیح کردیں۔ مولانا موصوف نے اس کو قبول بھی فرمالیا۔ لیکن وہ اپنے امراض کی کثرت کی وجہ سے نیز مدرسہ کے اسباق کی وجہ سے بہت ہی تاخیر سے نظرثانی فرماسکے۔ حتیٰ کہ دو سال میں اتنا بھی نہ ہوسکا کہ اس کو تقریر کا حصہ اول قرار دیا جائے۔ اِدھر عزیز شاہد کے قبل از وقت اشتہار دیدینے کی وجہ سے مجھ پہ اور خود اس پر فرمائشوں کی بھرمار شروع ہوگئی۔ اس لئے اب میں نے یہ تجویز کیا کہ جتنا بھی ہوچکا گو مختصر ہے اسے حصہ اول قرار دے کر شائع کردیا جائے۔ اور اس کے بعد حصہ ثانی سے مولوی محمد یونس صاحب اپنی دونوں تقریروں پر نظرثانی فرماکر حذف واضافہ کے ساتھ عزیز شاہد کے حوالہ کرتے رہیں تاکہ آئندہ عزیز اس کو اصل قرار دے اور اگر مولوی احسان الحق صاحب یا عزیز مولوی سلیمان کی تقریر میں کوئی اضافہ ملے تو اس کا حاشیہ میں اضافہ کردیا جائے اور ان حواشی کی نظرثانی عزیزان مولوی اظہار الحسن کاندھلوی مدرس حدیث مدرسہ کاشف العلوم دہلی اور عزیزم مولوی محمد عاقل سلمہٗ صدر المدرسین مظاہر علوم اور عزیز مولوی سلیمان سلمہٗ مدرس مدرسہ میں سے کوئی کرتا رہے۔ تاکہ سب تقریروں پر نظرثانی کا انتساب مولوی یونس صاحب کی طرف نہ ہو اور تاخیر بھی نہ ہو۔ اس لئے آئندہ جلد ثانی سے یہی ترتیب تجویز ہوگی جو لکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ عزیز شاہد سلمہٗ کی مساعی جمیلہ کو مثمر ثمرات بنائے۔ اور اس کو ان مساعی جمیلہ کا دونوں جہان میں بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے کہ بہت مبارک جذبہ ہے اگرچہ عجلت میں ناتجربہ کاری ہورہی ہے۔

اللہ تعالیٰ میری اور میرے ان سب معاونین اور دوستوں کی اور عزیز شاہد سلمہٗ کی لغزشوں سے درگذر فرماکر ان سب دوستوں کو ان کی مساعی کا دونوں جہاں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے ان دوستوں کو جو مجھ ناپاک سے مالک کی ستاری کی وجہ سے حسن ظن ہے اس کی لاج رکھتے ہوئے ارشاد عالی انا عند ظن عبدی بی کے مطابق ان سب کے ساتھ ان کے حسن ظن کے موافق معاملہ فرمائے

واللہ الموفق لما یحب ویرضیٰ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؁

(حضرت مولانا الحاج محمد زکریا (صاحب مدظلہٗ)

(۱۸ر صفر ۱۳۹۲ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

از مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری شیخ الحدیث فلاح دارین گجرات

علم حدیث درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کی نہایت مستند و معتمد تاریخ ہے۔ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر علیہ السلام کی ذات گرامی سے جو عشق و محبت کا تعلق ہے۔ دیگر اُمتوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اسی لئے اُنھوں نے آپ کی زندگی کے ہر گوشہ اور ہر خدوخال کو کمال دیانت و احتیاط سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے آج اگر کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تصویر اور کامل زندگی کا نقشہ دیکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے احادیث کی کتابیں کافی ہیں۔ اپنے اس غیر معمولی تعلق کی بنا پر مسلمانوں نے الہامی طور پر علم حدیث کی حفاظت وصیانت کے لئے جو محیر العقول کارنامے انجام دیئے ہیں وہ تاریخ کے اوراق میں ثبت ہیں۔ اُنھوں نے اس علم کی حفاظت و تدوین نقل و اشاعت اور جمع و ترتیب۔ ضبط و اتقان اور ان تمام علوم پر خصوصی توجہ صرف کی جس کا اس علم سے کوئی تعلق یا رشتہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور اس کی عنایت خاصہ جو اس علم کی حفاظت وصیانت کے ساتھ رہی ہے اس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سب ایک غیبی نظام کے تحت چل رہا ہے۔ اس اُمت میں ایسے غیر معمولی ذکی و ذہین افراد کا ایک سیلاب نظر آتا ہے جو اس علم کی خدمت کیلئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی طلب میں براعظموں و سمندروں کو پار کر لینا، مصائب کو برداشت کر لینا اور دشوار گذار راستوں کو طے کر لینا ان کے نزدیک ایک معمولی بات بن گئی۔ اُنھوں نے علم کی خدمت و اشاعت کا ایسا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا کہ گذشتہ اُمتوں اور سابق تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ وہ اپنے شغف اور عشق و بلند ہمتی اور خدمت علم اور اپنے ایثار و قربانی میں بے نظیر تھے۔

یہ محض امر اتفاقی نہیں بلکہ قدرت الٰہی کا ایک بڑا معجزہ اور ظاہر بیں مادہ پرست انسانوں کے لئے ایک بڑا سبق اور انسانی تاریخ کی پیشانی پر ایک روشن علامت استفہام ہے کہ ایسا کیونکر ہوا؟ درحقیقت اسرار الٰہی میں سے ایک سِر اور ایک روشن دلیل ہے۔ کہ یہ رسالت آخری ہے۔ اور اس شریعت کے تاقیامت بقاء و دوام کا فیصلہ ہے۔

یہی غیبی انتظام اس اُمت کے لئے علم حدیث کی حفاظت اور مسائل کے استنباط و استخراج اور تمام علوم اسلامیہ اور اس کے متعلقات کی تدوین اور تالیف و تصنیف اور قیام مدارس کا سبب بنا۔ تمام بلاد اسلامیہ جہاں جہاں مسلمان فاتحین و مجاہدین، صوفیاء و مبلغین، اساتذہ و مدرسین، فقہاء و محدثین کے قدم پہنچے وہ اپنے ساتھ اپنے قرآن اور علم حدیث اور دیگر

Marfat.com

علوم کو لے گئے اور اُن کی نشر و اشاعت کی۔

اسلام کی کرنیں سرزمین ہند میں قرن اول میں پہونچ چکی تھیں ان میں صحابہ کرامؓ تابعین و تبع تابعین بھی تھے۔ تاریخ میں خصوصیت سے ربیع بن صبیح سعدیؒ بصری کا اسم گرامی ملتا ہے جو تبع تابعی بھی ہیں جو اس ملک میں تشریف لائے۔ جن کے بارے میں علامہ چلپی کشف الظنون میں لکھتے ہیں۔ ہو اول من صنف فی الاسلام۔ اسلام کے پہلے مصنفین میں ان کا شمار ہے گجرات کے ضلع بھروچ کے مقام بہاڑ بھوت میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

اگرچہ پہلی صدیوں میں اس ملک میں علم حدیث کا چرچا نہیں ہوا تھا جو بتدریج بعد کی صدیوں میں ترقی کر کے آگے بڑھتا رہا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ ملک محدثین کرام کے وجود اور ان کے حلقہائے درس سے خالی تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کا سلسلہ مضامین "ہندوستان میں علم حدیث"

خصوصیت کے ساتھ نویں ۹ و دسویں ۱۰ صدی میں خاصی تعداد اس ملک میں محدثین کرام کی وارد ہوئی۔ اور شاہان گجرات کی علم کی قدردانی کی بناء پر اکثر کا قیام احمد آباد میں رہا اور وہیں مدفون ہوئے۔ اللہ کی توفیق سے بہت سے علماء حرمین شریفین اس کے مرکز میں سفر کر کے حاضر ہوئے اور علم حدیث کو حاصل کیا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور شیخ حسام الدین علی متقی صاحب کنز العمال م ۹۷۵ھ اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد بن طاہر پٹنی صاحب مجمع بحار الانوار م ۹۸۶ھ ہیں۔ ان حضرات کے بعد شیخ عبد الحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ھ کا دور آیا۔ اُنھوں نے علماء حجاز سے اس علم کو حاصل کیا اور ہندوستان میں دلّی کو اس کی نشر و اشاعت کا مرکز بنایا۔ اُنھوں نے اور اُن کے تلامذہ اور اُن کے تلامذہ اور اولاد و احفاد نے تعلیم و تدریس شرح و تعلیق کے ذریعہ ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا کہ اس ملک میں اس علم کا عام چرچا ہو گیا۔

ان کے بعد مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب م ۱۱۷۶ھ کا دور آیا۔ اُنھوں نے یہاں سے حجاز مقدس کا سفر کیا اور وہاں کے شیوخ بالخصوص شیخ ابو طاہر مدنی کی خدمت میں چودہ ۱۴ مہینے قیام کر کے اس علم کو حاصل کیا۔ واپسی پر ہمہ تن علم حدیث کی نشر و اشاعت میں مشغول ہو گئے اور اُن کے بعد اس علم میں ہندوستان کو وہ مقام حاصل ہوا کہ کوئی دوسرا اسلامی ملک اس کی ہمسری نہیں کر سکتا اور اس ملک میں صحاح ستہ کی تدریس اور دورۂ حدیث کا رواج ہوا حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں آپ کے فرزند اکبر حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی م ۱۲۳۹ھ کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ ایک بڑی جماعت ان سے فیضیاب ہوئی ان میں سے سب سے زیادہ مشہور و ممتاز حضرت شاہ محمد اسحٰق مہاجر مکی م ۱۲۶۲ھ کی ذات بابرکات ہے جو آپ کے نواسے بھی ہیں جن کی ذات گرامی اپنے دور میں علم حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ روئے زمین کے اطراف و اکناف سے تشنگان علم ان کے در پر حاضر ہوتے اور فیضیاب ہوتے اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں بھی ان کی نظیر اس دور میں شاید نہ مل سکے۔

ان کے ممتاز تلامذہ میں جن کے اسماء گرامی سرفہرست لکھے جا سکتے ہیں حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی م ۱۲۹۶ھ

Kedra Rarankolos

Marfat.com

مہاجر مدنی ہیں۔ ان کے درس حدیث سے ہندوستان اور حرمین شریف کے علماء کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی۔ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی پوری زندگی کو اس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ان مخلصین کے درس و تدریس تصنیف و تالیف کی برکت سے ہندوستان اس علم کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

ان کے ارشد تلامذہ میں حجۃ الاسلام قاسم العلوم مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی م ۱۲۹۷ھ اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی م ۱۳۲۳ھ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے وطن گنگوہ کو تربیت و اصلاح اور درس و تدریس و افتاء کا مرکز بنایا۔ حضرت قطب الارشاد کے محبوب شاگرد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب م ۱۳۳۴ھ ہیں جن کے سبب سے حضرت کے آخری دور کے دورۂ حدیث کی بہار دنیا نے دیکھی۔ حضرت اقدس تن تنہا صحاح ستہ کا درس دیتے تھے اور اپنے درس میں ضبط و اتقان اور نادر تحقیقات کے موتی بکھیرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے حضرت کے درس کے افادات کو عربی زبان میں قلمبند فرمایا تھا۔ جو درحقیقت حضرت کے عمیق و وسیع مطالعہ اور طویل عرصہ کے درس کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب مرشدنا و استاذنا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم العالیہ کے والد بزرگوار ہیں حضرت شیخ نے مشکوٰۃ شریف اور صحاح ستہ (سوائے ابن ماجہ کے) ان سب کتابوں کو اپنے والد صاحب سے بحث و تحقیق سے پڑھیں۔ نیز حضرت والد صاحب کے علاوہ حضرت شیخ نے اپنے استاذ و مرشد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری م ۱۳۴۶ھ سے دوبارہ ان سب کتابوں کو سوائے ابن ماجہ کے کہ اس کا ابتدائی حصہ پڑھ کر اجازت لی تھی) پورے انہماک اور غیر معمولی دلچسپی سے پڑھیں۔ اس کے علاوہ حضرت سہارنپوری کی معرکۃ الآراء شرح بذل المجہود فی حل ابی داؤد میں شریک رہے اور حضرت کے دست راست کی حیثیت سے کام کیا۔ حضرت سہارنپوری کو اپنے لائق و سعید شاگرد پر غیر معمولی اعتماد تھا۔ مقدمۂ بذل المجہود میں حضرت سہارنپوری نے قرۃ عینی و قلبی کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔ بلکہ حضرت نے مسودہ میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا۔ هو جدير بان ينسب هذا التعليق اليه۔ کہ مناسب یہ ہے کہ اس تعلیق کی نسبت ان ہی کی جانب کی جائے۔ مگر حضرت شیخ فرماتے تھے کہ اس عبارت کو ادباً میں نے حذف کر دیا۔

حضرت شیخ اسی طرح اپنے والد بزرگوار اور حضرت اقدس سہارنپوری ان دونوں بزرگوں کے علوم و کمالات اور روحانیت کے سچے وارث و جانشین ہیں حضرت شیخ کی جس نورانی و دینی ماحول میں تعلیم و تربیت ہوئی اور جس روحانی و علمی فضا میں شعور کی آنکھیں کھولیں اور اس کے بعد آپ نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا آغاز فرمایا جس کی تفصیل خودنوشت سوانح آپ بیتی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ حضرت کے حالات زندگی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اس دور میں اُمت اسلامیہ کی رہنمائی اصلاح و تربیت اور علوم دینیہ بالخصوص علم حدیث کی عظیم الشان خدمت و اشاعت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ کی توفیق و عنایت خاصہ جو آپ کے ساتھ ہے اس کی بنا پر جو علمی کارنامے آپ نے انجام دیئے اور

Marfat.com

تاہنوز اس کا سلسلہ روز افزوں ہے بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ قرون متاخرہ میں اس کی بہت ہی شاذ و نادر مثالیں ملیں گی۔ بالخصوص علم حدیث کی جو بیش بہا محدثانہ و محققانہ خدمت انجام دیں وہ اہل علم و اہل نظر کے سامنے ہے جس کا شمار اس دور کے نوادر میں سے ہے۔ قطع نظر ان مخطوطات کے جو ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آسکے۔ کتب فضائل کے علاوہ جو کتابیں مطبوع ہو چکی ہیں ان میں موطا مالک کی ضخیم شرح اوجز المسالک اور مقدمہ لامع الدراری اور لامع اور الکوکب[1] الدری کے حواشی اور جزء حجۃ الوداع الابواب والتراجم اور حاشیۂ بذل المجہود، یہ وہ کتابیں ہیں جو اسلامی کتب خانہ کی زینت اور اہل علم و مدرسین کے لئے زاد راہ ہیں۔

ہمارے اس ملک کے تقریباً تمام اعلیٰ مدارس میں دورۂ حدیث کے پڑھانے کا رواج ہے جبکہ مصر و شام کے بڑے بڑے جامعات میں حدیث کے صرف منتخبات پڑھائے جاتے ہیں۔ حضرت اقدس مدفیوضہم العالیہ نے تقریباً پینتیس سال تک مدرسہ مظاہر علوم میں ابوداؤد شریف کا درس دیا ہے اور بخاری شریف تقریباً نصف صدی تک حضرت والا کے زیر درس رہی۔ ان تمام خصوصیات کی بنا، حضرت اقدس کا درس اس دور کا ممتاز ترین درس تھا۔ افسوس آنکھوں میں نزول ماء کی شکایت کی بنا پر ۱۳۸۸ھ سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مگر تصنیف و تالیف کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ بہت سے وہ حضرات جنہیں حضرت اقدس کے درس حدیث میں شرکت کا موقعہ نہیں ملا وہ کف افسوس ملتے ہیں اور آرزو مند ہیں کہ کاش حضرت کے درس بخاری کی تقریر طبع ہو جاتی تو شاید اس سے تسکین کا موقعہ ملتا۔ بہت سے علماء و فضلاءُ اور اہل تعلق کا شدید اصرار و تقاضہ اس کی طباعت پر تھا۔ عزیز گرامی مولوی محمد شاہد سلمہ علمی حلقے کی طرف سے شکریئے کے مستحق ہیں۔ جنہیں حضرت اقدس کی کتابوں کی نشر و اشاعت سے عشق ہے۔ انھوں نے اس پر مستقل محنت شروع کر رکھی ہے اور بخاری شریف کی متعدد تقاریر بالخصوص برادر محترم مولانا محمد یونس صاحب مدفیوضہم اور عزیز گرامی مولانا سلمان صاحب سلمہٗ مدرس مدرسہ

---

[1] حضرت اقدس مدظلہٗ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر ان کا اسم گرامی کثرت سے سنتا رہا اور ان کے علمی و تالیفی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے ممبر تھے۔ اور مجلس شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب (سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم) کا میرے پاس آدمی پہنچا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور وہ تجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں ان کا نام سنکر بہت مرعوب ہوا۔ ملاقات کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا رہا۔ لیکن چونکہ پیام تھا کہ تجھ سے ملنے آئے ہیں۔ اس لئے فوراً حاضر ہوا۔ مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اُٹھ کر مصافحہ و معانقہ کیا اور فرمایا کہ آپ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا۔ اس لئے کہ میری جسمانی ملاقات اگرچہ نہیں ہوئی مگر روحانی ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ ہمیشہ رہتی ہے۔ جب سے الکوکب الدری طبع ہوئی ہے ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں۔ گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں۔ یہ کتاب طالب علموں سے زیادہ مدرسین کے لئے مفید ہے۔ ترمذی پڑھانے کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ انتہی بلفظہ جہاں تک یاد ہے ایک دو گھنٹہ بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر ۱ بجے آئے تھے چھ بجے دیوبند تشریف لے گئے۔

Kedra Raranikolos

Marfat.com

مظاہر علوم اور برادر محترم مولانا احسان الحق لاہوری مدفیوضہم ان تینوں حضرات نے حضرت کی تقاریر کو مبسوط قلم بند کیا تھا۔ اس لئے ان سب کو سامنے رکھ کر وہ ترتیب دے رہے ہیں۔ اور مسودہ پر محترم مولانا محمد یونس صاحب نظر ثانی فرمارہے ہیں۔ اس طرح یہ مجموعہ تقاریر ہر طرح قابل اعتماد ہوگیا۔ حضرت اقدس جس انہماک، دلسوزی نشاط و سرگرمی تیاری و پابندی سے درس دیتے تھے اب اس کی صحیح تصویر کشی مشکل ہے ایک مرتبہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی ساری سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا۔ یہ ناکارہ مدرسہ قدیم میں کتاب لئے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کم ہو تو سبق میں حاضر ہوں۔ مگر بارش اسی زور و شور سے ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا اسعد اللہ مدظلہ (ناظم مدرسہ مظاہر علوم) اس وقت مدرسہ قدیم میں تشریف رکھتے تھے میں نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت اقدس آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے۔ انھوں نے فرمایا کہ بظاہر تو مشکل ہی معلوم ہوتا ہے باہر معلوم کرلو میں مدرسہ کے دروازہ پر آیا۔ وہاں فروٹ بیچنے والے سائبان میں بیٹھے ہوئے تھے ان سے جب میں نے دریافت کیا تو ان لوگوں نے بتایا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے یہ بے بضاعت جلدی جلدی دارالحدیث میں حاضر ہوا۔ وہاں بجلی بھی غائب تھی دارالحدیث میں اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا یہ ناکارہ چپکے سے جاکر بیٹھ گیا کہ مبادا نظر نہ پڑے۔ مگر حضرت نے دیکھ لیا فرمایا جانتے ہو کیسے آیا ہوں۔ اپنے مکان سے چلا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور دوسرے ہاتھ میں چھتری تھی جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا۔ نصف راستہ تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے اصرار سے اس پر مجھے بٹھایا اور یہاں لاکر میرے پیروں کو اور پائجامہ کے نیچے کا حصہ دھویا اور دارالحدیث پہنچایا گیا۔ یہ ناکارہ یہ سُنکر پانی پانی ہوگیا۔ حضرت اقدس کا درس گرمی، سردی، صحت، بیماری ان تمام حالات میں اسی نشاط و تازگی سرگرمی و پابندی سے ہوتا تھا۔ حضرت کے دارالحدیث میں قدم رکھتے ہی پورا دارالحدیث عطر کی خوشبو سے معطر ہوجاتا۔ ادب و وقار و سکینت کی ایسی کیفیت پیدا ہوتی کہ ایسا معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف رکھتے ہیں جو بھی تھوڑی دیر کے لئے مجلس میں بیٹھ جاتا وہ محسوس کرتا ؎

بادِ صبا آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رُخ پر کھلی زلف یار ہے

اب میں مختصراً حضرت اقدس کے درس بخاری کی چند خصوصیات کی طرف مختصراً اشارہ کرتا ہوں۔ ناظرین کرام اس تقریر کے مطالعہ کرنے سے پیشتر ان باتوں کو پیش نظر رکھیں۔

(۱) حضرت اقدس کا درس عشقِ نبویؐ و حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوتا تھا جس کیف و سوز و گداز سے پڑھاتے تھے وہ ناقابل بیان ہے۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

اس کا اثر پورے مجمع پر غیر معمولی ہوتا تھا۔ کبھی آہ و بکاہ کی کیفیت پیدا ہوجاتی تھی جیسا کہ کسی نے اس طرح تصویر کشی کی ہے۔

Marfat.com

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق سامان صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

خصوصاً مرض الوفات کی حدیث جس وقت پڑھتے تھے تو تھوڑی دیر کے لئے ایسا محسوس ہوتا کہ آج ہی سانحۂ ارتحال پیش آیا ہے۔ حضرت اقدس پر بے اختیار گریہ طاری ہوجاتا۔ عبارت پڑھنی مشکل ہوجاتی اور طلبۂ سامعین پر آہ و بکا کا عالم ہوتا ہے ؎

الٰہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

(۲) حضرت اقدس کے درس میں جملہ ائمہ سلف اور ائمہ مجتہدین و محدثین کرام کے ساتھ انتہائی ادب و عظمت کا معاملہ رہتا تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی سے بہت سے مواقع پر اختلاف فرماتے اور حافظ صاحب کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ اُنھوں نے حنفیہ کو نظر انداز کر دیا ہے اور حنفیہ کی دلیل سے آنکھ بچا کر اس طرح نکل جاتے ہیں گویا اُنھیں اس کی کچھ خبر ہی نہیں۔ حالانکہ کتاب میں بسا اوقات اسی راوی یا روایت کو اپنے مذہب کی تائید میں دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے مگر اس کے باوجود حافظ صاحب کا ہم حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں پر جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں۔ امام بخاریؒ کا جہاں حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے وہاں حد اعتدال کو قائم رکھنا بہت سے اہل علم سے دُشوار ہوجاتا ہے مگر حضرت اقدس اس موقعہ پر عام طور سے امام بخاری کے اعتراض کا مدلل جواب دینے کے بعد ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ان کی عظمتِ شان و جلالت قدر میں کسی طرح کمی واقع نہ ہو۔ خصوصاً کتاب الحیل و کتاب الاکراہ میں حضرت اقدس کے درس کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔

(۳) بعض عربی الفاظ کا اُردو میں ترجمہ دشوار ہے۔ اُردو زبان کا دامن عربی کے مقابلے میں تنگ ہے اس لئے ترجمہ میں دشواری ہوتی ہے۔ حضرت اقدس ان الفاظ کا خصوصیت سے اُردو میں ایسا ترجمہ فرماتے کہ اس سے بہتر اُردو زبان میں تعبیر ممکن نہیں۔

(۴) نفس حدیث میں اگر کہیں مطلب میں دشواری ہوئی ہے اور شراح بخاری نے بھی اس کو واضح نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کی توجیہ و تشریح کے بعد بھی الجھن باقی ہے تو اس کو خصوصیت سے دور فرماتے تھے ان تمام تحقیقات کو اگر جمع کیا جائے تو مستقل ایک کتاب بن جائے گی۔ مثال کے طور پر باب القسامۃ بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۰۱۸ میں فقرنت یدہ بیدہ میں ضمیر کے مرجع اور اس کلام کے مطلب میں تمام شراح بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی تک سے وہم واقع ہوا ہے حضرت اقدس اپنے درس میں ان اوہام کو تفصیل سے بیان فرماتے اور ضمیر کا مرجع و عبارت کا مطلب ایسا بیان فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہوجاتی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لامع الدراری صفحہ ۳۹۱

(۵) اگر کتاب میں مؤلف سے یا کسی راوی سے کوئی وہم واقع ہوا ہے یا کسی راوی پر کسی نوع کا کلام ہے تو اس پر ضرور متنبہ فرماتے تھے اور اس راوی و روایت کی اصل حیثیت کو واضح فرماتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی معرکۃ الآرا کتاب "تہذیب التہذیب" پر حضرت اقدس کا مبسوط ذیل ہے کاش وہ طبع ہوجاتا تو علمی دنیا بالخصوص احناف پر احسان

Marfat.com

عظیم ہوتا۔

(۶) ائمہ کے مذاہب کی تحقیق اور اُن کے دلائل خصوصًا احناف کے مسلک کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے اگر روایت حنفیہ کے مسلک کے بظاہر خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

(۷) اکثر اہم مسائل میں بطور خلاصہ کے بیان فرمادیتے کہ اس میں ۵ یا ۷ یا ۱۰ ابحاث ہیں اور ان کی قدرے تفصیل فرماتے ان میں سے جن مسائل سے امام بخاری تعرض فرماتے ان کی مزید تشریح فرماتے تھے۔ رفع یدین، آمین بالجہر کسوف وغیرہ میں اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔

(۸) شراح حدیث اور محدثین کرام کے کلام کو بطور خلاصہ کے نہایت دلنشین انداز میں بیان فرماتے۔ پوری تقریر مغز ہی مغز ہوتی تھی۔ اگر کوئی شخص اصل کتاب سے حضرت کی تقریر کو ملا کر دیکھے گا تو وہ محسوس کریگا کہ ایک صفحہ کی بحث ایک سطر میں آگئی ہے اور بعض مواقع میں وہ اس کو بھی جانے گا کہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔

(۹) درمیان سبق میں خصوصًا سہ ماہی امتحان تک اپنے اکابر کے واقعات کبھی کبھی موقع کی مناسبت سے سناتے تھے۔ یہ واقعات اصلاح و تربیت کے لئے بہت موثر ہوتے تاکہ طالب اپنے مقام کو پہچان کر اس کتاب عظیم کو پڑھے۔

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل ،، نسیم صبح تیری مہربانی

(۱۰) حضرت امام بخاری کے تراجم الابواب ہر دور میں مشکل تر سمجھے گئے ہیں۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ بخاری شریف کی شرح اس اُمت پر قرض ہے لیکن حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ میرے شیخ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری لکھ کر اُمت سے اس قرض کو ادا فرمادیا۔ مگر حضرت شیخ الهند نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ ابھی بخاری کے تراجم الابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمے باقی ہے۔ چنانچہ حضرت نے تراجم الابواب پر ایک مختصر سا رسالہ لکھنا شروع فرمایا تھا مگر افسوس مکمل نہ ہوسکا۔ اس رسالہ میں حضرت نے پندرہ۱۵ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں۔ اسی طرح مسند الهند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے جس میں حضرت شاہ صاحب نے چودہ۱۴ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں۔ حضرت اقدس مدفیوضہم نے ان دونوں رسالوں کو اور شراح بخاری کی آراء اور حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی تراجم کے سلسلے کی تحقیقات ان سب کو بیجا جمع فرمایا ہے۔ غور و فکر کرکے اپنی ذاتی تحقیق و تنقیح کے بعد ان اصول کی تعداد الابواب والتراجم للبخاری میں ستر تک بیان فرمائی۔ اور ان اصول کی روشنی میں پوری کتاب کے تراجم ابواب کی باہم مناسبت اور ابواب و کتب کے مابین مناسبت ابواب و کتب کے مابین مناسبت کو تفصیل سے تحریر فرمایا ہے اس طرح تراجم الابواب کی شرح کا قرض اس اُمت سے ادا فرمادیا۔

حضرت اقدس اپنے درس بخاری میں بھی خصوصیت سے تراجم کی شرح اور بخاری کی غرض کو تفصیل سے بیان فرماتے تھے۔ بعض تراجم پر سارے شراح خاموش ہیں۔ مگر حضرت اقدس فرماتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقّت نظر و باریک بینی سے خالی نہیں۔ مثلًا امام موصوف کا ترجمہ ہے۔ باب الصلوٰۃ الی الحربہ، یہاں سارے شراح ساکت ہیں۔ مگر حضرت اقدس

Marfat.com

کی نگاہ دوررس نے یہاں بھی بخاری کی شایان شان ایک دقیق بات نکال لی اور اس لطیف توجیہ کو حضرت گنگوہی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ جس کی تفصیل وتحقیق لامع اور اس کے حاشیہ میں موجود ہے وہ یہ کہ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں ہتھیاروں اور زاروں کی پرستش ہوتی تھی۔ اس لئے اس ترجمہ سے امام موصوف دفع وہم فرمارہے ہیں کہ نیزہ کو سترہ بنانا جائز ہے۔

(۱۱) حل تراجم کے سلسلے میں اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آیا جس میں امام بخاری نے کسی امام کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ یا ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی امام کی رائے کو پسند فرمایا۔ یا اپنی رائے میں منفرد ہیں تو اس کو مع امام بخاری کے استدلال کے بیان فرماتے اور اس کے بعد جمہور کی طرف سے روایت کا مطلب بیان فرماتے اور امام موصوف کے اعتراض کا مدلل جواب دیتے تھے"

(۱۲) بخاری کے بعض تراجم بظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اتنی بڑی کتاب میں یہ عین ممکن ہے مگر امام موصوف کی دقت نظر اس کی متقاضی ہے کہ یہ تکرار کسی دقیق اور باریک نکتہ کے پیش نظر ہے چنانچہ حضرت اقدس اس پر طلبہ کو خصوصیت سے تنبیہ فرماتے اور ایسی دلنشیں تقریر کرتے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ضروری معلوم ہوتے اور تکرار مرتفع ہوجاتی مثلاً صفحہ چھپن (۵۶) جلد اول پر دو باب، باب من لم یتم السجود و باب یبدی ضبعیہ و یجافی جنبیہ۔ یہ دونوں ترجمے دوبارہ صفحہ گیارہ سو تیرہ (۱۱۱۳) پر انھیں الفاظ کے ساتھ آرہے ہیں مگر ان کی تکرار کو اس طرح دفع فرمایا ہے کہ دونوں جگہوں پر یہ تراجم ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لامع الدراری۔

(۱۳) حضرت امام بخاری کو حدیث نبویؐ سے غیر معمولی عشق ہے اور عاشق صادق جب محبوب کے جمال پر بار بار نگاہ ڈالتا ہے تو ہر مرتبہ اس کو ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ امام موصوف کا بھی یہی حال ہے بسا اوقات ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط فرماتے ہیں۔ مثلاً حضرت بریرہؓ کی حدیث کو مختلف مقاصد کے لئے بیس مرتبہ سے زائد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کو دس مرتبہ سے زائد اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور ہر مرتبہ اس سے کوئی نئی بات مستنبط فرمائی ہے۔ اس پر حضرت خصوصیت سے طلبہ کو متوجہ فرماتے تھے۔

(۱۴) حدیث پاک کے بعض الفاظ اور بعض جملے ایسے ہیں کہ ان کا مطلب لب ولہجہ اور صورت واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس لئے بھی اس فن کو کسی ماہر فن استاذ سے پڑھنا ضروری ہے۔ حضرت ان الفاظ و جمل کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت کو بتانے کی ضرورت ہوتی وہاں اس کی عملی صورت بھی عمل کرکے دکھاتے مثلاً بخاری جلد اول صفحہ انہتر (۶۹) پر ووضع خدہ الایمن علی ظہر کفہ الیسری وشبک بین اصابعہ بغیر صورت مثالی بتائے ہوئے محض الفاظ سے مطلب ذہن میں نہیں آسکتا۔ اس کو خصوصیت سے عمل کرکے طلبہ کو دکھاتے تھے۔

(۱۵) تاریخی واقعات کے سلسلہ میں بعض جگہوں پر روایات کے اختلاف واضطراب کی بناء پر تطبیق میں بہت دشواری معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اقدس اس اختلاف واضطراب کو اس طرح دفعہ فرماتے تھے کہ ہر طرح تشفی ہوجاتی۔ ملاحظہ ہو لامع جلد ثانی صفحہ ۶۸،

یہ میں نے حضرت اقدس کے درس بخاری کی چند خصوصیات بیان کی ہیں۔ اس کی تفصیل لامع الدراری۔ اور ابواب والتراجم للبخاری اور زیر طبع اُردو، تقریر بخاری میں دیکھی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

حق تعالیٰ شانہٗ سے دُعا ہے کہ اس کے سلسلۂ اشاعت کی تکمیل فرمائے اور مرتب و معاونین کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور حدیث پاک بالخصوص بخاری شریف کی عظمت اور اتباع سنت سے قارئین کو سرفراز فرمائے اور حضرت اقدس مدفیوضہم کے سایۂ عاطفت کو صحت و عافیت کے ساتھ تادیر اُمت کے سر پر باقی و قائم رکھے۔ اور قدر دانی و فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تقی الدین ندوی مظاہری
مقیم حال مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
(یوم جمعہ ۱۶ ذیقعدہ سنہ ۱۳۹۱ ہجری)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدمہ تقریرِ بُخاریِ

نَحمدُہٗ ونُصلّی علیٰ رسُولہ الکریمِ

اللہ رب العالمین۔ سورۃ الحمد کے اندر ارشاد فرماتے ہیں الحمد للہ رب العالمین۔ رب کے معنی پرورش کرنے والا، پالنے والا ہے۔ اور تم اس آیت کو بار بار روزانہ پڑھتے ہو۔ اور پرورش کسی کی یہ ہوتی ہے کہ اس کی ساری ضروریات کی کفالت کی جائے۔ جیسے ماں بچے کی پرورش کرتی ہے. کھانا پینا، سونا، اُٹھنا بیٹھنا، صحت و مرض کے اسباب غرض کہ ہر چیز کا خیال رکھتی ہے تو جب کہ اس ادنیٰ درجہ کے مربّی کا حال یہ ہے تو جو سارے عالم کا مربی اور رب الارباب ہے اس کی شان تربیت کیسی کچھ ہو گی۔ من جملہ اسی شان تربیت کے یہ بھی ہے کہ جیسا جیسا زمانہ آتا گیا۔ اسی قسم کے اسباب مہیا فرماتے رہے انھیں میں سے یہ ہے کہ پہلے یہ مروّجہ طریق تعلیم نہیں تھا، بلکہ شیخ و محدث احادیث بیان کرتا تھا اور طلبہ اس کو یاد کرلیا کرتے تھے اس کے بعد جب قویٰ کچھ کمزور ہو گئے اور ان کے اندر ضعف آگیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سبیل پیدا فرمائی کہ یہ علوم کتابی شکل میں آگئے۔ اللہ نے متعدد کتب اور اُن کی شروح پیدا فرمائیں۔ ہمارے زمانے یعنی ۱۳۳۲ھ میں جب کہ میں نے دورہ پڑھا ہے۔ حدیث پاک کے واسطے تین گھنٹے تھے اول میں ترمذی اس کے اختتام کے بعد بخاری شریف اور دوسرے میں ابو داؤد پھر مسلم شریف پھر نسائی ہوا کرتی تھی اور ابن ماجہ امتحان ششماہی کے بعد صبح کو ہوتی تھی۔ اس کے بعد جب انحطاط شروع ہوا تو حدیث شریف کے لئے چار گھنٹے کر دیئے گئے. لیکن جب یوماً فیوماً انحطاط بڑھتا ہی رہا تو اب پورے چھ گھنٹے دورۂ حدیث کے اسباق کے لئے کر دیئے گئے۔ نیز ہمارے زمانے میں دورہ کے صرف دو استاذ تھے۔ ہر استاذ کے پاس کئی کئی اسباق ہوتے تھے۔ جب ایک استاذ ایک مسئلہ پر کسی کتاب میں بحث کرلیتا تو پھر دوسری جگہ اس پر کلام نہیں کرتا تھا۔ چونکہ میرے پاس بخاری شریف اور ابو داؤد شریف دونوں ہوتی تھیں تو اگر بخاری کے اندر کوئی مسئلہ گزر جاتا تو پھر اس مسئلہ پر ابو داؤد میں کلام کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اس کے بعد میری تجویز اور اصرار پر تین مدرس مستقل ہو گئے تاکہ ہر مضمون مکرر ہوتا رہے۔ میرے پیارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ آسانی کی صورتیں بہم پہنچائی ہیں۔ اگر تم قدر نہ کروگے تو ناشکری ہوگی اور اگر اس کی قدر کروگے تو شکر ہوگا۔ اور یہ تو تم کو بھی معلوم ہے کہ شکر کا اللہ کے یہاں کیا مرتبہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَأَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ

86229

تقریر اسباق میں اکابر کا عمل

میرے اکابر کے یہاں ہمیشہ یہ دستور رہا اور یہ بہت مبارک ہے وہ یہ کہ ان حضرات کے یہاں لمبی چوڑی تقریروں کا رواج نہیں تھا اور نہ وہ لوگ اس کو پسند فرماتے تھے۔

Marfat.com

میرے والد صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ حضرت مدنیؒ وغیرہ کے یہاں بھی یہی دستور تھا۔ آخر میں حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے بھی لمبی چوڑی تقریریں شروع فرمادی تھیں۔ لیکن حضرت کو اس میں بڑی کلفت ہوتی تھی۔ اس سے قبل ہمیشہ ان حضرات کے یہاں نہایت مختصر لیکن نہایت جامع اور پُر مغز تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی تقاریر مفید اور کارآمد بھی ہیں، لمبی تقریر کا ضبط کرنا ہی بہت مشکل ہے۔ لمبی چوڑی تقریروں کی ابتداء حضرت مولانا سید انورشاہ صاحبؒ سے ہوئی اس سے پہلے یہ کسی کا معمول نہیں تھا۔ میں نے حضرت اقدس مدنیؒ کی متعدد تقریریں جو چھپی ہیں دیکھیں تو ان میں بہت سی غلطیاں کاتبوں کی طرف سے پائی گئیں۔ لہٰذا اگر تقریر مختصر و جامع ہو تو بہت کارآمد اور نافع ہو۔

اکابر کا طرزِ عمل اور مقدمۂ علم

کتابوں کے شروع میں میرے اکابر ہمیشہ صرف تین ہی باتیں مختصر بتایا کرتے تھے ایک اس علم کا موضوع دوسرے اس علم کی تعریف تیسرے مصنف کے مختصر حالات۔ وجہ اس اختصار کی یہ تھی کہ پہلے جو اساتذہ بیان کرتے تھے اس سے کہیں زیادہ طلبہ اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔ مگر چونکہ اب توانی و تساہل بہت بڑھ گیا ہے اور جو باتیں اساتذہ بتاتے ہیں وہ بھی ذہن میں نہیں رہتیں اس لئے ضرورۃً ان تین میں چند کا اور اضافہ کرنا پڑا۔ چنانچہ میں نے بھی ابتداء میں چند ابحاث بیان کرنی شروع کردی ہیں۔ اور تسہیل حفظاً اور ذہن میں محفوظ رکھنے کے واسطے ان تمام ابحاث کو بیان کرنے سے قبل یہ اجمالاً بتادیا کرتا ہوں کہ مجھے کیا کیا کہنا ہے۔ یہ صورت اوقع فی النفس بھی ہوتی ہے اور مفید بھی بہرحال یہاں پر بیس ابحاث ہیں۔ ان میں سے ۹ تو علم کے متعلق ہیں، اور سات کتاب کے متعلق، اور چار متفرقات میں سے ہیں۔ اب ان کی تفصیل سنو! علم کے متعلق جو نو ابحاث ہیں وہ یہ ہیں:- اول علم کی تعریف، دوم موضوع، سوم غرض و غایت، چہارم سمتہ (وجہ تسمیہ) پنجم مؤلف، ششم اجناس، ہفتم مرتبہ، ہشتم قسمۃ و تبویب۔ یہ آٹھ امور تو ہر علم سے متعلق ہو سکتے ہیں اور انہیں کا نام مناطقہ و حکماء کے یہاں رؤس ثمانیہ ہے۔ لیکن نواں امر ہم مسلمانوں کے یہاں ایک اور رہے وہ یہ ہے کہ اس علم کا شرعی حکم کیا ہے اور شریعت کے اعتبار سے اس کا مرتبہ کیا ہے آیا سنت ہے یا واجب، حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز وغیرہ۔ مثلاً علم سحر حرام ہے اور علم قرآن و حدیث واجب ہے ان نو علوم میں سے اول دو یعنی تعریف و موضوع کو نکال کر باقی جو سات امور رہ گئے ہیں ان کا تعلق جس طرح علم سے ہے ایسے ہی کتاب سے بھی۔ لہٰذا یہ کل امور ۱۶ سولہ ہوگئے۔ اب چار اور بیان کرتا ہوں۔ بڑے کام کے ہیں۔ یہ مت سوچنا کہ شروحات میں سے تلاش کرلیں گے۔ یہ تو مدتوں کی کمائی اور برسوں کا ذخیرہ ہے ان چار میں سے ایک اختلاف نسخ ہے۔ مؤطا امام مالک کے ۱۶ سولہ نسخے مشہور ہیں۔ بخاری کے بھی بہت سے نسخے ہیں۔ ان پر آگے چل کر کلام کروں گا۔ ۲ دوسری چیز مراتب کتب حدیث ہیں، ۳ تیسری چیز سند ہے۔ یہ بھی اہل اسلام کے لئے ایک مایۂ ناز قابل صد افتخار شئے ہے۔ کیونکہ کسی اور نبیؐ کے اقوال کو اس طرح جمع نہیں کیا گیا کہ اس کے سارے رواۃ اور سارے طرق کی تحقیق و تفتیش ہوئی ہو۔ اب رہی بیسویں بحث اس کو خواہ آداب طالب کا عنوان دیدو یا خصوصیات مدرسہ سمجھ لو یا آداب علم سمجھو۔ اب یہ تمام ابحاث تفصیل سے سنو۔

بحث اوّل علم حدیث کی تعریف میں

پہلے زمانے میں محدثین کا طریقہ و دستور یہ تھا کہ احادیث کیف ما اتفق اور بلا کسی خاص ترتیب کے لکھا کرتے تھے بہت سے

Marfat.com

بہت یہ کرلیا کرتے تھے کہ اگر کوئی لفظ محتاج تفسیر وقابل تشریح ہوتا تو اس کو حاشیہ پر تحریر کردیا کرتے تھے اس کے بعد جب متاخرین کا دور دورہ ہوا تو اُنھوں نے اس کو مہذب بنایا۔ رواۃ کی چھان بین فرمائی ضعیف رواۃ کو ثقہ رواۃ سے ممتاز فرمایا اسی وجہ سے علم حدیث کی تعریف میں فرق واختلاف ہوگیا۔ چنانچہ متقدمین میں سے بعض نے کہا کہ علم حدیث ان قوانین کا نام ہے جس سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واحوال وافعال کا صحت وسقم معلوم ہو۔ لیکن یہ تعریف اب مطلق علم حدیث کی نہیں رہی بلکہ اب یہ تعریف بھی ایک مستقل علم کی تعریف ہوگئی اور ایک مستقل اصطلاح بن گئی جس کا نام اصول حدیث ہے۔ دوسری تعریف یہ کی گئی کہ علم حدیث وہ فن ہے جس سے روایت کا درجہ معلوم ہوجائے لیکن اب یہ تعریف بھی علم حدیث کی تعریف نہیں کہلائے گی بلکہ یہ ایک مستقل فن ہے جس کو علم علل حدیث کہا جاتا ہے۔ تیسری تعریف یہ کی گئی کہ علم حدیث وہ علم ہے جس سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال کی شرح معلوم ہوجائے لیکن اب یہ تعریف درایت حدیث کی کہلاتی ہے مطلق حدیث کی نہیں۔ چونکہ فن حدیث کی ساٹھ انواع ہوچکی ہیں اس لئے ہر ایک کی تعریف الگ الگ ہوگی۔ روایت حدیث اور ہے۔ درایت حدیث اور اسی طرح اصول حدیث اور ہے علل حدیث اور اسی طرح اس کے علاوہ بھی اور یہ جو تم پڑھو گے وہ علم حدیث کی ساری انواع نہیں ہیں بلکہ یہ صرف علم روایت الحدیث ہے۔ جس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ وہ علم ہے جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، احوال معلوم ہوجائیں۔ اب تمہیں یہاں یہ اعتراض کرنا چاہیئے کہ اقوال وافعال صحابہ وتابعین پر بھی تو علم حدیث کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں سارے صحابہ وتابعین ہی کے اقوال وافعال وغیرہ ہیں احادیث مرفوعہ تو بس شاذ ونادر ہی ہیں باوجود اس کے ان کتب کو بھی احادیث کے ذخیرہ میں شامل کیا جاتا ہے بعض محدثین نے اس کا جواب یہ دیا کہ صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مدرک بالقیاس ہوں گے یا غیر مدرک بالقیاس۔ اگر غیر مدرک بالقیاس ہیں تو وہ احادیث مرفوعہ کے ہی حکم میں ہیں۔ اور جو حیثیت اور جو مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو ہے وہی ان کو بھی ہوگا۔ اور اگر وہ مدرک بالقیاس ہوں تو ان کو احادیث مرفوعہ اور اقوال شریفہ پر پرکھا جائے گا۔ اور بعض حضرات نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ صحابہ وتابعین کے جو اقوال وغیرہ احادیث کے موجودہ ذخیرہ میں پائے جاتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے ملتے ہیں کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں تو گویا حضورؐ کے صحابی ہونے کی وجہ سے تبعاً ان کے اقوال مذکور ہیں ہاں جن کتابوں میں احادیث مرفوعہ کم ہیں اور زیادہ تر صحابہ کے اقوال وافعال شامل ہیں تو اس کا نام علم حدیث ہے ہی نہیں بلکہ اس کا نام محدثین کے نزدیک علم الآثار ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس اشکال سے بچنے کے لئے سرے سے تعریف ہی بدل دی اور اس طرح تعریف کی کہ علم حدیث وہ علم ہے جس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال اور صحابہ وتابعین کے اقوال، افعال واحوال معلوم ہوں۔

بحث ثانی موضوع

عام طور پر تمام علماء نے حدیث کا موضوع آپؐ کی ذات پاک کو لکھا ہے کیونکہ آپؐ کی ذات بابرکات سے ہی اس فن میں بحث کی جاتی ہے کہ آپ کا اُٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا، کھانا پینا یہ سب امور کیسے اور کس طریقے سے ہوتے تھے لیکن ایک جلیل القدر محقق علامہ محی الدین کافیجی کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ

Marfat.com

آدمی کی ذات تو علم طب کا موضوع ہے لہٰذا حدیث کے موضوع کے ساتھ طب کا موضوع کیسے خلط ہوگیا۔ یہ اعتراض اگرچہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا لیکن علمائے نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں حیثیت کی قید محذوف ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک علم حدیث کا موضوع ہے اس حیثیت سے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس توجیہہ سے دونوں علوم کے موضوع میں تمایز ہوگیا۔ اس مقام پر ایک دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح حدیث کی تعریف میں صحابہ کے اقوال وافعال شامل ہیں اور ان سے بحث کی جاتی ہے۔ ایسے ہی موضوع کے اندر بھی یہ اقوال وافعال شامل ہونے چاہئیں۔ بعض محدثین نے اس اعتراض کی وجہ سے صحابہ کے اقوال وافعال کو بھی موضوع میں شامل کرلیا اور بعض دوسرے محدثین نے یہ جواب دیا ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال وافعال سے جو بحث کی جاتی ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی نسبت سے کی جاتی ہے تو گویا اس نسبتِ نبوی کی وجہ سے ان حضرات کے اقوال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات شریفہ اور متعلقات مبارکہ میں سے ہوگئے۔ اسی قسم کا اعتراض پہلی بحث میں تعریف پر بھی آچکا ہے بس اتنا فرق ہے کہ جو محدثین موضوع کی تبدیلی کے قائل ہیں ان کی تعداد کم ہے اور وہاں جن محدثین نے اعتراض سے بچنے کے لئے تعریف میں ردوبدل کر دیا ان کی جمعیت زیادہ ہے۔

بحث ثالث غرض وغایت

غرض کہتے ہیں اس قصد اور نتیجہ کو کہ جس کے حاصل کرنے کے لئے کوئی فعل کیا جائے مثلاً بازار جاکر کوئی چیز خریدنا اور غایت وہ نتیجہ ہے جو اس پر مرتب ہو لہٰذا بازار کسی شئے کے خریدنے کے لئے جانا تو غرض ہے اور اس شئے کا خریدنا غایت ہے تو غرض وغایت دونوں مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں۔ صرف ابتداء اور انتہا کا فرق ہے۔ چنانچہ عقلا اور سمجھدار لوگوں کے نزدیک غرض وغایت ایک ہی ہے کیونکہ ان کے یہاں اکثر غرض پر غایت مرتب ہو ہی جاتی ہے۔ مثلاً اسٹیشن جانا یہ تمہاری غرض ہے تو اگر تم ہوشیار ہو تو اسی سڑک سے جاؤ گے جو اسٹیشن کو جاتی ہے۔ اس صورت میں یقیناً پہنچ جاؤ گے اور اگر بیوقوفی کی وجہ سے بجائے اسٹیشن کی سڑک اختیار کرنے کے قبرستان حاجی شاہ[1] کی طرف نکل پڑے تو غرض (یعنی اسٹیشن جانا) تو موجود ہے۔ لیکن راستہ انجان اختیار کرنے کی وجہ سے غایت مرتب نہ ہوگی۔

پہلی غرض :- اب علم حدیث کی غرض وغایت کیا ہے؟ علماءِ اہل فن فرماتے ہیں کہ علم حدیث کی غرض وہ دعائیں اور فضیلتیں حاصل کرنا ہے جو احادیث پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے احادیث میں وارد ہوئیں ہیں مثلاً حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا وادّاھا وکما قال صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی اور سینکڑوں دعائیں مذکور ہیں لیکن اس جملہ کے اندر علماء کا اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ جملہ دُعائیہ ہے یا خبریہ ؟ کوئی بھی ہو دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اگر دُعائیہ ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا کیا پوچھنا، سرتاپا خیر ہے۔ اور اگر جملہ خبریہ ہے

---

[1] شہر سہارنپور کا ایک مشہور قبرستان جو مدرسہ مظاہر علوم سے بجانب شمال تین فرلانگ پر واقع ہے اور چونکہ حاجی کمال شاہ نامی بزرگ یہاں مدفون ہیں اس لئے قبرستان "حاجی شاہ" کے نام سے مشہور و معروف ہے (ش)

Marfat.com

تو اس پر اشکال ہوگا کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ حدیث پاک کی خدمت میں مشغول ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ پژمردہ اور غمزدہ رہتے ہیں لہذا یہ خبر ان پر کہاں صادق آئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ظاہر بین ہیں۔ اور آخرت سے بے بہرہ ہیں ان کے نزدیک تو فقر و فاقہ بربادی اور مشکلات کا سبب ہے لیکن فقر و فاقہ حقیقت میں بربادی کا سبب نہیں ورنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقر و فاقہ کو اپنے ارادہ سے کیوں اختیار فرماتے جو لوگ اس میں مبتلا ہیں، وہی اس کی لذت جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں مثلاً ایک حدیث میں ہے: اللّٰھم ارحم خلفائی قیل ومن خلفائك یارسول اللہ قال الذین یروون احادیثی او کما قال علیہ السلام۔ اس حدیث پاک میں علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کو اپنا نائب اور خلیفہ قرار دیا۔ غور تو کرو اگر کسی چھوٹے سے شیخ کی خلافت کسی کو مل جائے تو کتنی خوشی اور کتنا شور ہوتا ہے اور کتنی بڑی بات سمجھی جاتی ہے اور یہاں تو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت مل رہی ہے اس کے علاوہ اور بہت سی روایات تم مشکوٰۃ میں پڑھ چکے ہو اور بہت سی ابواب العلم کے اندر اپنے اپنے مقام پر آئیں گی جس کو امام بخاری باب فضل العلم اور باب فضل فلاں وغیرہ کے ذیل میں بیان کریں گے۔

دوسری غرض: علمائے علم حدیث کی یہ بیان فرمائی کہ دین کا مدار علم حدیث پر ہے کیونکہ اصل دین یعنی قرآن پاک تو مجمل ہے اس کی تبیین اور توضیح کی ضرورت ہے اور وہ احادیث ہی سے ہو سکتی ہے قرآن پاک میں نماز زکوٰۃ کا ذکر تو ہے لیکن ان کی رکعات اور تعداد وغیرہ کچھ مذکور نہیں یہ سب احادیث سے ثابت ہیں اس لئے یہ غرض بھی سب سے اہم ہے کیونکہ قرآن پاک اصلِ دین اور مدارِ شریعت ہے اور اس کی شرح حدیث پاک ہے تو بغیر شرح کے متن کیسے سمجھا جا سکتا ہے اس اعتبار سے حدیث کا پڑھنا اہم ہو گیا۔

تیسری غرض: میرے نزدیک علم حدیث کی ایک جداگانہ غرض ہے اس سے پہلے کہ میں اپنی غرض بتلاؤں ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر سن لو وہ یہ کہ میں کہیں بسا اوقات درس بخاری میں بڑے زور سے یہ کہوں گا کہ یہاں ایک چکی کا پاٹ ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ جو بات میں نے نہ تو اپنے بڑوں سے سنی ہو اور نہ ہی کسی کتاب میں دیکھی ہو بلکہ اپنی ذاتی رائے ہو اس کو میں چکی کے پاٹ سے تعبیر کرتا ہوں۔

میری اپنی ذاتی آراء کے بارے میں ایک اصطلاح

اور دراصل یہ ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ ایک جاہل آدمی کو چند لوگوں نے اپنا پیر بنا لیا اور ہر بات اس سے دریافت کرتے اور پوچھتے کہ حضرت یہ کیا چیز ہے؟ ایک دن کا واقعہ ہے کہ لوگ ان کے پاس بھڑوں کا ایک بڑا سا چھتہ لے کر آئے اور عرض کیا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ انھوں نے بہت غور و فکر کے بعد فرمایا او ہو سمجھ میں آگئی بات۔ چاند کو ایک مرتبہ گھن لگ گیا تھا تو صاف کر کے اس کو پھینک دیا یہ وہ گھن ہے۔ دوسرا قصہ اسی ضمن میں یہ سن لو کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا اور اگر کہیں سے آ بھی جاتا ہے تو ایک تماشہ بن جاتا ہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت امام مالکؒ کے سبق میں دو سو شاگرد تھے ان کو علم ہوا کہ شہر میں کہیں سے ہاتھی آگیا تو سب لوگ سبق چھوڑ کر ہاتھی دیکھنے چلے گئے سوائے یحییٰ اندلسی کے کہ وہ تنہا رہ گئے اتنے میں امام مالکؒ درس

Marfat.com

کے لئے تشریف لے آئے اور درسگاہ خالی دیکھ کر فرمایا لڑکے کہاں چلے گئے۔ یحییٰ اندلسی نے کہا ہاتھی دیکھنے گئے ہیں اس پر امام مالکؒ نے فرمایا تم کیوں نہیں گئے۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ میں اندلس سے ہاتھی دیکھنے کے لئے نہیں آیا بلکہ میں تو آپ کی زیارت کرنے آیا ہوں۔ اس پر امام مالکؒ نے فرمایا انت اعقل الاندلس۔ یہ دوسرا قصہ تو میں نے اپنے مضمون کی مناسبت سے سُنا دیا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا ایک مرتبہ کہیں سے آگیا اور کسی جنگل میں ریت پر گزرا جس کی وجہ سے اس کے پیر کے بڑے بڑے نشانات ریت پر جم گئے۔ ان پیر صاحب کے چیلوں کو وہ نشان نظر پڑا ان کے لئے تو وہ ایک عجیب چیز تھی فوراً اپنے گرُو کے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضرت ایک چیز ہے اس کو بتلا دیجئے۔ اُنھوں نے پہلے تو جانے کے لئے عذر کیا مگر مریدوں کے اصرار پر چل دیئے۔ وہاں پہنچ کر خوب غور سے اس کو دیکھا۔ اس کے بعد پہلے تو روئے پھر ہنسے۔ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت پہلے تو ایک بات قابل دریافت تھی اب تین باتیں قابل اشکال ہیں اول یہ کہ آپ ہنسے کیوں، دوسرے یہ کہ پھر روئے کیوں، تیسرے یہ کہ یہ کیا چیز ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ رونا مجھے اس پر آیا کہ ابھی تو میں تمہارے درمیان موجود ہوں جب مرجاؤں گا تو ان اہم اشیاء کا پتہ تم کو کون دے گا میرے بعد تو کوئی ایسا ہے نہیں، اور ہنسا اس پر کہ مجھے خود بھی اس کا علم نہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ اتنی تواضع نہ فرمایئے آپ کو تو یہ ضرور معلوم ہوگا۔ پیر صاحب نے بہت غور کے بعد فرمایا اب میری سمجھ میں آگیا یہ چکی کا پاٹ ہے اور واقعہ اس کا یہ ہوا ہوگا کہ کوئی عورت چکی کا پاٹ بھول گئی ہوگی وہ یہاں پڑا تھا ایک ہرن ادھر سے بھاگتا ہوا گزرا اس کا پیر اس میں پھنس گیا وہ اس کو لے کر بھاگا جس کے یہ سب نشانات ہیں۔ بہر حال جہاں میں یہ کہوں کہ یہاں چکی کا پاٹ ہے تو سمجھ لو کہ وہ میری اپنی رائے ہے اور بھائی تواضع سے نہیں کہتا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میری تحقیقات ایسی ہی ہیں میرے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے ایک باپ تھا علامہ میرے جیسا اور ایک لونڈا تھا لائق تیرے جیسا۔

بہر حال بحث ثالث غرض و غایت کے متعلق چل رہی ہے اور دو غرضیں جو علمائے سلف سے منقول ہیں وہ اُوپر گزر چکیں۔ اب یہاں چکی کا پاٹ یہ ہے کہ اگر علم حدیث کے پڑھنے پڑھانے سے خواہ کوئی بھی فائدہ نہ ہو اور خواہ کوئی بھی ثواب نہ ملے تب بھی اس کے پڑھنے کے لئے ایک غرض یہ کافی ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ ہم محب رسولؐ ہیں اور آپ سے سچی محبت کے دعویدار ہیں لہٰذا آپ کے کلام کو محض اس لئے پڑھنا چاہیئے کہ ایک محبوب کا کلام ہے اور جب اس کو محبت کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک قسم کی لذت حلاوت رغبت پیدا ہوگی جیسے اگر کوئی عشق میں پھنسا ہوا ہو اور اس کے معشوق کا خط آجائے تو اگر وہ حدیث پاک کے بھی سبق میں ہوگا تو بھی اسی کو پہلے پڑھے گا اور اگر کھانے کے درمیان آئے تو کھانا بند کر دے گا اور نماز کے اوقات میں جیب پر ہی نظر رہے گی تو جب اس ناپاک کے خط کو پڑھنے کا اتنا شوق اور ذوق ہے تو پھر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو اس سے بدرجہا قابل صد اہتمام ہے۔ یہاں تک تم کو تین بحثیں معلوم ہوگئیں یعنی علم حدیث کی تعریف جس کا خلاصہ تدبر ہے اور علم حدیث کا موضوع جس کا خلاصہ عظمت ہے اور علم حدیث کی غرض جس کا خلاصہ لذت ہے

Marfat.com

توجب تم حدیث پاک کو تدبر، عظمت اور لذت کے ساتھ پڑھو گے تو اس پر غایت مرتب ہوگی اور اگر التفات سے نہ پڑھو گے تو محرومی ہے۔

بحث رابع وجہ تسمیہ

اس فن کا نام حدیث ہے اور اس کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں۔ اوّل یہ کہ حدیث حادث کے معنی میں ہے۔ اور اس معنی کے لحاظ سے اس علم کو حدیث اس وجہ سے کہتے ہیں کہ علم کی دو ہی قسمیں ہیں ایک قدیم وہ تو قرآن ہے اور اللہ کا کلام ہے جو اس کی صفت ہے اور جب ذاتِ باری قدیم ہے تو اس کی صفت بھی قدیم ہوگی۔ دوسری قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ لامحالہ یہ حادث ہوگا اس لئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام خود حضور کی صفت ہے اور آپؐ حادث ہیں لہٰذا آپ کی صفت بھی حادث ہوگی ان کے ماسوا اور کوئی علم ہے ہی نہیں۔ اب تم کو اشکال ہو رہا ہوگا کہ حنفیہ کے یہاں تو فقہ بہت اونچا سمجھا جاتا ہے جو بظاہر ان دونوں علوم (یعنی قرآن و حدیث) سے بالکل الگ تھلگ ہے تو سنو میں کڑ حنفی ہوں جیسے کہ حافظ ابن حجر کڑ شافعی ہیں فقہ قرآن و حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ یہ درایت الحدیث ہے کہ ہر ایک مجتہد نے مختلف احادیث کے مجموعہ میں سے کوئی حدیث لے کر اس کی سند حذف کر کے یہ لکھ دیا کہ یہ معمول بہا ہونا چاہیئے دوسرے مجتہد نے دوسری حدیث کو راجح سمجھ کر اس کو معمول بہا بنا دیا تو درحقیقت فقہ و قرآن و حدیث کوئی الگ الگ چیز نہیں ہوئی۔ جو لوگ احناف پر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو لاعلمی کی وجہ سے کرتے ہیں یا تجاہل عارفانہ برتتے ہیں۔ میری رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ علم فقہ قرآن و حدیث کے معارض و منافی نہیں بلکہ علم فقہ ان دونوں کا خلاصہ ہے کہ فقہاء نے غور و فکر کر کے قرآن و حدیث کے مسائل کو آسانی کے واسطے ایک جگہ جمع کر دیا جس کا نام "علم فقہ" ہو گیا اور فقہاء نے یہ سب کچھ اس وجہ سے کیا کہ ایک عالم کو تو حدیث سے مسئلہ مل جائے گا مگر عامی شخص کو نہیں ملے گا جیسے حدیث میں بحالت صیام اپنی بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت بھی ہے اور ممانعت بھی یہاں عامی کیا کر سکتا ہے اس کے سامنے تو مسائل کی شکل وہ ہونا چاہیئے جس پر وہ عمل کر سکے۔ چنانچہ مجتہدین نے غور و فکر کر کے بتلایا کہ حدیث نہی جوان کے لئے ہے اور حدیثِ اباحت بوڑھے کے لئے کیونکہ جوان بے قابو ہو سکتا ہے مگر بوڑھا نہیں ہوگا[1]

یہی حال علم تفسیر کا ہے کہ وہ بھی صرف قرآن پاک کی شرح ہے۔ اسی طرح اصول فقہ مستقل کوئی فن نہیں بلکہ اس کے اندر فقہ کے دلائل اور مسائلِ مزبورہ فی کتب الفقہ مذکور ہیں واللہ اعلم۔

دوسری وجہ تسمیہ یہ بتلائی گئی ہے کہ حدیث کے معنی بات کے ہیں اور چونکہ یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہیں اس لئے ان کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ احادیث میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کہاں ہیں بلکہ آپؐ کے افعال اور احوال بھی مذکور ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے احوال و افعال کو

---

[1] ہکذا فی التقریرین وقد وقع تصریح الشیخ والشاب فی نفس الحدیث۔ کما ہو فی ابی داؤد وغیرہ۔

Marfat.com

تغلیباً احادیث کہا جاتا ہے۔

حدیث وخبر

اب یہاں پر ایک علمی گفتگو ہے وہ یہ کہ حدیث کے معنی کلام اور بات کے ہیں اور خبر کے معنی بھی بات کے ہیں تو آیا اب اس علم حدیث کو علم الاخبار کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اس کو علم الاخبار کہا جا سکتا ہے جیسے کہ علم الحدیث بھی اس کا نام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خبر و حدیث میں کیا نسبت ہے بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ دونوں مساوی ہیں اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے وہ اس طرح پر کہ حدیث تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور خبر کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اخبارِ ملوک پر بھی ہوتا ہے چنانچہ اخبارِ ملوک کو اخبار ہی کہہ سکتے ہیں حدیث نہیں کہہ سکتے ——— اور خبر کے عموم ہی کی وجہ سے یہ اخبارات جو شائع ہوتے ہیں ان کو اخبار کہا جاتا ہے اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر لفظ خبر کے اطلاق کا مآخذ اس کا معنی لغوی ہے (یعنی وہ بات کے معنی میں ہے) تو کلام بھی تو بات کے معنی میں ہے لہٰذا حدیث کو کلام کیوں نہیں کہتے؟ جواباً ہم کہیں گے کہ کلام تو خبر و حدیث دونوں سے عام ہے مگر چونکہ عرف نے لفظ کلام کو ایک خاص فن وعلم یعنی عقائد کے ساتھ خاص کر دیا ہے اس لئے کلام کا اطلاق بخوف التباس حدیث پر نہیں کیا جاتا۔ یہی میرے نزدیک بھی راجح ہے کہ ان دونوں میں عام وخاص کی نسبت ہے۔

بحث خامس مؤلف کے بارے میں

مؤلف دو ہوتے ہیں ایک مؤلف فن دوسرے مؤلف کتاب۔ یہاں مؤلف فن کے موجد اور بانی کو ذکر کرنا ہے اس لئے کہ یہ مقدمۃ العلم ہے اور مؤلف کتاب کا ذکر آگے آرہا ہے۔ عام طور سے مشہور ہے کہ حدیث کی تدوین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ایکسو برس بعد ہوئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حدیث کی تالیف اس زمانے میں ہوئی بلکہ اس کی تالیف اور یادداشت وغیرہ تو خود حضرات صحابہ کرامؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی۔ چنانچہ سمرہؓ بن جندب کی احادیث کا ایک مجموعہ تھا جو انھوں نے اپنے بیٹے کے نام لکھا تھا۔ اس مجموعے کی چھ احادیث حضرت امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہیں اور جہاں کہیں بھی اس مجموعے کی کوئی حدیث ابوداؤد میں آتی ہے اس کے ابتداء میں یہ الفاظ ہوتے ہیں اما بعد فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اما بعد قال وغیرہ کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اور اسی مجموعے کی تسو کے قریب احادیث مسند بزّار میں ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے مجموعے تھے جو خود حضرات صحابہ کرام نے اپنے اپنے طور پر قلم بند کر رکھے تھے ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعے خطوط کی شکل میں دوسرے صحابہ کے نام لکھے ہوئے موجود ہیں۔ لہٰذا حدیث کی کتابت اور جمع تو صحابہؓ کے زمانے میں ہو چکی تھی۔ ہاں البتہ کتابی شکل میں اور تصنیف کی شکل میں یہ ذخیرہ بعد میں منتقل کیا گیا۔ یہ بحث کوئی مہتم بالشان بحث نہیں تھی۔ مگر حکماء زمانہ نے اس کو مہتم بالشان بنا دیا اور تم کو یہاں تو نہیں البتہ باہر جا کر اس کی سخت ضرورت پڑے گی۔ کیونکہ عام طور سے

Marfat.com

فرقہ قرآنیہ اور آوارہ قسم کے روشن خیال حضرات خاص طور سے یہ اچھالتے ہیں کہ بھلا ایسی حدیث کا کیا اعتبار جو ایکسو برس بعد لکھی گئی لیکن یہ لوگ بکواس محض کرتے ہیں ورنہ میں اوپر بتلا ہی چکا ہوں کہ جمع وکتابت حضورؐ کے زمانے سے شروع ہو چکی تھی البتہ تصنیف وتبویب بعد میں ہوئی۔

علم حدیث تاریخی حیثیت سے

یہ ایک تاریخی اور مسلم مسئلہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جو خلفائے راشدین میں شمار ہوتے ہیں اور پہلی صدی کے مجدد ہیں اُنھوں نے اُمرائے اجناد کو لکھا کہ میں علم حدیث کے اندر اس اور ذہاب علم کا خوف کرتا ہوں لہٰذا اپنے اپنے بلاد کے علماء کو حکم کریں کہ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں ان کو جمع کریں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مختصر سی تاریخ یہ ہے کہ وہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سولہ برس کی عمر میں مدینہ منورہ کے حاکم (گورنر) ہوئے اس کے بعد ۹۹ھ میں خلیفہ وقت (سلیمان بن عبدالملک) کا انتقال ہوا اس کے جانشین کی حیثیت سے عمر بن عبدالعزیزؒ تخت خلافت پر متمکن ہوئے ۱۰۱ھ میں انتقال فرمایا گویا کل مدت خلافت دو سال ہے۔ یہی مدت کم وبیش حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی بھی ہے۔ چالیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا اگرچہ مورخین توجانبین کے کسر کو حذف کر کے انتالیس سال ہی بتلاتے ہیں۔ منکرین حدیث یہاں یہ اشکال کرتے ہیں کہ حدیث کی تدوین وترتیب خود صحابہ نے کیوں نہیں کی۔ پہلا جواب اس کا یہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ کو سینکڑوں دھندے تھے۔ جہاد کی مشغولیت، مسائل سیکھنا سکھانا اور پھر حسب ضرورت کسب معیشت وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے سینکڑوں مشاغل کے دوران جن میں فتنہ ارتداد وغیرہ بھی شامل ہے۔ احکام فرعیہ کی تدوین کا موقعہ نہیں ملا بلکہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کی تدوین ہوئی دوسرا جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم[1] شریف کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تم صرف قرآن پاک کو لکھا کرو۔ میری احادیث مت لکھو اور جو کچھ تم نے احادیث لکھ لی ہیں ان کو مٹا دو۔ تو چونکہ اس حدیث سے ممانعت ثابت ہو رہی ہے اس لئے علمائے سلف میں کتابت حدیث کے متعلق تین مذاہب ہو گئے۔ ایک جماعت یوں کہتی ہے کہ جب اباحت اور ممانعت میں تعارض ہو جائے تو ممانعت کو ترجیح دی جائے گی۔ دوسری جماعت یوں کہتی ہے کہ چونکہ بعض دوسری احادیث سے کتابت کا ثبوت ملتا ہے اسوجہ سے حدیث کا لکھنا لکھانا جائز ہے مثلاً حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک صحابی حضرت ابوشاہ یمنی نے آپ سے عرض کہ یارسول اللہ[2] یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجئے۔ آپ نے فرمایا: اکتبوا لابی شاہ اس خطبہ کے اندر کیا تھا؟ احادیث ہی تو تھیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو (کما فی ابی شیبۃ) فرماتے

---

[1] مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں:۔ عن ابی سعید الخدریؓ قال کنا قعوداً نکتب ما نسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج علینا فقال ما ہذا یکتبون۔ فقلنا ما نسمع منک۔ فقال اکتاب مع کتاب اللہ امحضوا کتاب اللہ واخلصوہ قال فجمعنا ما کتبناہ فی صعید واحد ثم احرقناہ۔ مسلم صفحہ شاہد غفرلہٗ

[2] یہ ایک طویل حدیث ہے جس کو امام بخاری رضی اللہ عنہ نے باب کتابۃ العلم کے ذیل میں بیان فرمایا ہے۔

Marfat.com

ہیں کہ میری عادت یہ تھی کہ حضورؐ کی تمام باتیں حتیٰ کہ حرکات وسکنات لکھ لیا کرتا تھا۔ لوگوں نے منع کیا کہ حضور بشر ہیں اور بشریت کے مقتضی کی بنا پر بعض مرتبہ غلط بات یا غیر مناسب جملہ بھی آپ کی زبان مبارک سے نکل سکتا ہے۔ لہٰذا ہر بات مت لکھا کرو۔ اُنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا کہ مجھے صحابہؓ تمام باتیں لکھنے سے منع کرتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس زبان[1] سے غصہ میں یا خوشی میں حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اگر میں یوں کہوں کہ حضورؐ نے اس حدیث میں کتابت کا حکم دیا ہے تو بیجا نہ ہوگا ورنہ کم از کم اجازت تو ضرور ہے ایسے ہی ایک[2] مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بعض حضرات نے پوچھا کہ آپ کے پاس کچھ احکامات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ کر دیئے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس صحیفہ کے علاوہ اور اس فہم کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور کوئی شے نہیں۔ اور اس صحیفہ میں حضورؐ نے زکوٰۃ، دیات، قصاص، امان وغیرہ کے احکامات لکھے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث اس قسم کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے کتابتِ حدیث کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کے مختلف شاگردوں نے صحائف لکھے انہی میں سے ایک صحیفۂ ہمام ابن منبہ ہے جس سے حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں ہذا ما حدثناہ ابوہریرہ کر کے روایت نقل فرماتے ہیں۔ انہی مذکورہ احادیث سے اس دوسری جماعت نے اس پر استدلال کیا ہے کہ حدیث کی کتابت جائز ہے۔ تیسری جماعت نے دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے کے لئے ایک تیسرا مذہب یہ بیان کیا کہ یاد کرنے کے لئے لکھ لے اور جب یاد ہو جائے تو مٹا دے۔ لیکن اب جمہور سلف اور خلف کا اجماعی اور متفق علیہ فیصلہ یہ ہے کہ حدیث پاک کا لکھنا جائز ہے۔ چنانچہ خود امام بخاری باب کتابۃ العلم کے ذیل میں کتابت کا جواز ثابت فرمائیں گے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں روایات کے محفوظ رکھنے کا اہتمام بہت زیادہ تھا لکھنے کا اہتمام اتنا نہیں تھا۔ ان لوگوں کے حافظے نہایت قوی تھے۔ ہزاروں لاکھوں حدیثیں وہ لوگ اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔ امام ترمذی کا واقعہ تم نے سُنا ہوگا کہ جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے ایک جگہ پر خود ہی جھک گئے۔ شاگردوں نے عرض کیا کہ حضور کیوں جھکے۔ امام صاحب نے فرمایا کیا یہاں کوئی کیکر کا درخت نہیں ہے؟ تلامذہ نے عرض کیا کہ کہیں نہیں ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میرا حافظہ اتنا کمزور ہے تو میرا احادیث نقل کرنا ہی ٹھیک نہیں ہے لیکن جب تحقیق کی گئی تو گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے بتلایا کہ یہاں بہت مدت پہلے ایک کیکر کا درخت تھا جو اب نہیں رہا۔ امام ترمذی اخیر زمانے میں

---

[1] حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں: عن عبداللہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شئی اسمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اریدحفظہ فنہتنی قریش وقالوا تکتب کل شئی تسمعہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضاء فامسکت عن الکتاب فذکرت ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاومی باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فوالذی نفسی بیدہ مایخرج الاحق۔ اخرجہ ابوداود فی کتابۃ العلم۔

[2] بخاری شریف (باب کتابۃ العلم) میں یہ حدیث اس طرح مذکور ہے۔ عن ابی جحیفۃ قال قلت لعلیؓ ہل عندکم کتاب قال لا الا کتاب اللہ او فہم اعطیہ رجل مسلم او ما فی ہذا الصحیفۃ قال قلت وما فی ہذہ الصحیفۃ قال العقل وفکاک الاسیر ولایقتل مسلم بکافر مرتب،

Marfat.com

نابینا ہوگئے تھے۔ بینائی کے زمانہ میں کبھی اس جنگل میں کیکر کے درخت کے نیچے کو ہوکر گزرے ہوں گے جوان کو اب تک یاد رہا۔ توجب اللہ نے ان کو اتنے زبردست حافظے دیئے تھے۔ تو ان کو جمع کرکے تصنیف و تالیف کرنے سے کیا فائدہ ہوتا بلکہ ان کا سینہ خود ایک علم کا گھر تھا۔ اب ہم اصل مضمون کی طرف عود کرتے ہیں وہ یہ کہ سب سے پہلے کس نے اس فن کو مدّون اور مبوّب کیا۔ عامۂ محدثین اور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے حدیث کے مدّون امام ابن شہاب زہری ہیں جن کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی ہے اور بعض محدثین و محققین کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے مدوّن محمد بن ابی بکر حزم ہیں اور ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہے جو لوگ ان کو ترجیح دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے باب کیف یقبض العلم کے ذیل میں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا خط نقل کیا ہے ان میں انہی کا نام مذکور ہے۔ اور مؤطا امام مالک بروایۃ محمد میں یہ ہے کہ ان کو حکم فرمایا گیا۔ لیکن میرے نزدیک ان دونوں کے اندر کوئی تعارض نہیں ہیں۔ پہلے بتلا چکا ہوں کہ عمر بن عبدالعزیز نے اُمرائے اجناد کو خطوط لکھ کر جمع حدیث کا حکم فرمایا تھا تو بہت ممکن ہے کہ ایک امیر نے ابوبکر بن حزم کو اور دوسرے نے ابن شہاب زہری کو حکم دیا ہو زمانہ دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے۔ بہرحال یہ دونوں نام تو علی العموم ملتے ہیں لیکن تاریخ میں اس کے علاوہ اور بھی دوسرے حضرات کے متعلق یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ اوّل مدون ہیں۔ مثلاً حضرت امام مالک معمر، ابن جریج، ابن المبارک، ہشیم وغیرہ ان سب کے تراجم میں تم کو بھی ملے گا کہ یہ لوگ اول مدون ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں تار برقی، ڈاک وغیرہ کا یہ سلسلہ تو تھا نہیں جواب ہے ایسے ہی نہ ریل تھی نہ ہوائی جہاز، موٹریں وغیرہ بلکہ یہ دستور تھا کہ اگر کسی کو اپنے کسی عزیز کا کوئی حال معلوم کرنا ہوتا یا سلام و خیریت کہلانی ہوتی تو جو قافلہ کسی غرض سے اس طرف جاتا یا کوئی ملنے کے واسطے آیا ہوتا اور وہ واپس جاتا یا حج کرکے لوگ واپس جاتے تو ان کے ہاتھ ایک پرچہ دیدیا کرتے جب کبھی وہ اس مقام پر پہنچتا تو تلاش کرکرا کر دیدیا کرتا۔ اس میں بسا اوقات ایک دو سال بھی لگ جایا کرتے تھے۔ غرض کہ ایک کو اپنے سے دور رہنے والے کا حال چونکہ بالکل معلوم نہ ہوتا تھا اس لئے جب کبھی کوئی کتاب کسی طرح دوسری جگہ حدیث کی پہنچتی تو وہ سمجھتے تھے کہ یہی شخص اول مدوّن ہوگا اس لئے کہ ان کو اس کی خبر ہی نہیں ہوا کرتی تھی۔ کہ اس سے پہلے بھی ایک کتاب اور تصنیف کی جاچکی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے تو کتابی شکل میں جمع کیا اور پھر جوں جوں زمانہ گزرا تہذیب و تنقیح و تبویب ہوتی چلی گئی اور اس فن کے اندر جلا پیدا ہوتا گیا۔ اور دوسرے محدثین نے ہر باب کی احادیث الگ الگ جمع کر دیں مثلاً زکوٰۃ کی کتاب الزکوٰۃ میں اور نماز کے متعلق روایات کتاب الصلوٰۃ میں وغیرہ وغیرہ۔ علامہ سیوطی نے ایک الفیہ لکھا ہے جو الفیہ سیوطی کے نام سے مشہور ہے اور ایک الفیہ حافظ ابن حجر کے استاذ حافظ عراقی کا ہے جو الفیہ عراقی کے ساتھ مشہور ہے بہت سخت ہے اور بہت مشکل۔ یہ الفیہ میرے والد صاحب کے زمانہ میں داخل درس تھا جس کو وہ حفظ سُنا کرتے تھے۔ یہ دونوں حدیث کے اندر ہیں اور ایک تیسری الفیہ نحو کے اندر ہے جو ابن مالک کی ہے۔ ان کو الفیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہر ایک کے اندر ایک ایک ہزار اشعار ہیں۔ بہرحال علامہ سیوطی نے

Marfat.com

جو الفیہ لکھا ہے اس کے اندر ان حضرات کے اسمائے گرامی بیان فرمائے ہیں جن کو اول مدون کہا گیا ہے۔ اور چونکہ امام بخاری کو بھی اول جامع کہا جاتا ہے اس وجہ سے ان کا نام بھی مذکور ہے وہ اشعار یہ ہیں ؎

اول جامع الحدیث والاثر ابن شہاب آمر لہ عمر
واول الجامع للابواب جماعۃ فی العصر ذوا قتراب
کابن جریج وہشیم مالک ومعمر وولد المبارک
واول الجامع باقتصار علی الصحیح فقط البخاری
ومسلم بعدہ والاول علی الصحیح فی الصحیح افضل

عمر سے مُراد عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ ان اشعار میں سیوطی نے اول مدون ابن شہاب کو بتلایا ہے۔ اب چونکہ یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ زہری کے علاوہ امام مالک وغیرہ کو بھی تو اول مدون کہا گیا ہے تو علامہ ان دونوں میں جمع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں واول الجامع الخ یعنی امام مالک وغیرہ پر جو اول جامع کا اطلاق کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ ان حضرات نے سب سے پہلے ابواب پر احادیث کو مرتب کیا۔ جماہیر کا بھی یہی جواب ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: واول الجامع باقتصار ؛ علی الصحیح فقط البخاری۔ چونکہ امام بخاری پر بھی اول جامع کا اطلاق ہے اس لئے سیوطی فرماتے ہیں کہ امام پر اول مدون کا اطلاق اس حیثیت سے ہے کہ اُنھوں نے احادیث صحیحہ مجردہ کو سب سے پہلے جمع کیا۔ تیسری وجہ اس تعارض کی حافظ ابن حجر نے ارشاد فرمائی ہے۔ حافظ کٹر متعصب شافعی ہیں ان کے تعصب کی حد یہ ہے کہ اگر کوئی راوی حنفیہ کے مستدل میں آجائے تو اس کی ساری تجریحات ان کو یاد آجاتی ہیں لیکن اگر اسی نوع کا راوی ان کے مستدل میں آجاتا ہے تو بالکل اس طرح خاموش چلے جاتے ہیں کہ خبر بھی نہیں ہوتی اسی بنا پر احناف ان سے ناراض ہیں۔ مگر کچھ بھی ہو سارے حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر ان کے احسانات ہیں اللہ تعالیٰ ساری دنیا کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے آج رجال کی جتنی کتابیں ہیں وہ سب حافظ کی ہی ہیں سوائے دو چار کے۔ اسی وجہ سے جہاں کوئی حافظ کی بات آجاتی ہے میں خاموش ہو جاتا ہوں اور مجھے ان کے کلام کو رد کرنے میں بڑی جھینپ ہوتی ہے۔ بہر حال حافظ ابن حجر اس تعارض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ اولیت باعتبار بلاد کے ہے مثلاً مدینہ طیبہ کے اندر امام مالک بصرہ کے اندر ابن جریج اور رے (ایران) میں عبداللہ بن مبارک، یمن میں معمر بن راشد سب سے اول احادیث کو جمع کرنے والے ہیں۔

بحث سادس اجناس کے بارے میں

اس میں کلام مختصر ہے علوم کی اجناس مقرر ہیں اور مقرر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ علم کی تقسیم مختلف حیثیات و احوال کے ساتھ کی گئی ہے مثلاً ایک تقسیم علم کی باعتبار عقلیات و نقلیات کے ہے کہ آیا یہ عقلی ہے یا نقلی جیسے منطق و فلسفہ یا نقلی ہے جیسے جغرافیہ وغیرہ اس معنی کے اعتبار سے علم حدیث کی جنس کی تقسیم الگ الگ ہے ایک باعتبار علوم عقلیہ و نقلیہ ہونے کے۔ چنانچہ علم حدیث نقلی ہے۔ ایک تقسیم باعتبار فرعیات و اصلیات

Marfat.com

کے ہے اس معنی کے اعتبار سے علم حدیث کی جنس اصلی ہے۔ ایک تقسیم علم حدیث کی شرعی وغیر شرعی ہونے کے اعتبار سے ہے اس نوعیت سے علم حدیث کی جنس شرعی ہوئی تو اب خلاصہ یہ نکلا کہ علم حدیث کی جنس اصلی نقلی شرعی ہوئی۔ علمائے اس سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً کشف الظنون اس میں اصل تذکرہ تو کتابوں کا ہے مگر تبعاً اجناس پر بھی بحث کی گئی ہے اور جیسے نواب صدیق حسن خاں امام اہل حدیث کی ابجد العلوم اور مولانا محمد اعلیٰ صاحب تھانوی محدث کی کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون وغیرہ" اس فن میں سب سے جامع کتاب یہی کشاف ہے۔ اوجز کے مقدمہ کے اندر میں نے اس سے بہت مدد لی ہے۔ یہ کتاب حضرت تھانویؒ کے کتب خانہ میں تھی جب مجھے ضرورت پڑتی ہیں وہاں جاکر دیکھ آتا۔ یہاں اس وجہ سے نہیں لاسکتا تھا کہ خود حضرت کو بھی اس کی ضرورت رہتی تھی۔ تقسیم پاکستان کے بعد جب حضرت کا کتب خانہ پاکستان منتقل ہوا تو یہ کتاب بھی چلی گئی۔

بحث سابع مرتبۂ حدیث

علم حدیث کا مرتبہ دو اعتبار سے ہے ایک باعتبار فضیلت کے دوسرے باعتبار تعلیم کے۔ فضیلت کے اعتبار سے تو یہ دوسرے نمبر پر ہے کیونکہ اول نمبر پر قرآن پاک ہے اور تعلیمی حیثیت سے اس کا مرتبہ سب علوم سے آخر میں ہے جیسا کہ تم بھی دیکھتے ہو کہ ہر درس نظامی میں دورۂ حدیث شریف کو جملہ کتب کے آخر میں رکھا گیا ہے سب سے پہلے صرف، نحو اور دوسرے علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ سب علوم آلیہ ہیں اور آلہ مقدم ہوا کرتا ہے اور اصل مقصد مؤخر۔

بحث ثامن قسمت وتبویب

جس طرح کتابوں کے اندر تقسیم وتبویب ہوتی ہے جیسے کہ آئندہ مقدمۃ الکتاب میں آرہا ہے ایسے ہی علم کی بھی تقسیم وتبویب ہوتی ہے چنانچہ حدیث پاک کے آٹھ ابواب ہیں یعنی ہر حدیث کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آٹھوں ابواب میں سے کسی ایک میں داخل ہو وہ آٹھ یہ ہیں۔ عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ رقاق، آداب، مناقب، فتن۔ جو کتاب ان آٹھ ابواب کو مجتمع ومشتمل ہو اس کو جامع کہتے ہیں۔ بخاری شریف جامع ہے نیز ان اقسام ثمانیہ کے اندر مستقل الگ الگ تصانیف بھی ہیں مثلاً امام بیہقی کی کتاب "الاسماء والصفات" اس میں بیہقی نے احادیث عقائد کو جمع کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ترمذی کے اندر اختلاف ہے کہ وہ کونسی قسم میں داخل ہے۔ اس کے اندر اگرچہ ابواب ثمانیہ موجود تو ہیں مگر اس کی ترتیب فقہی انداز پر ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو کتاب الطہارۃ سے شروع فرمایا نہ کہ کتاب الایمان سے۔ جن لوگوں نے آٹھوں ابواب کا خیال کیا انھوں نے تو اس کو جامع بتلادیا اور بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اس کی تالیف برطریق سنن ہے اس کو "سنن ترمذی" بتلایا۔

بحث تاسع حکم شرعی

علم حدیث کا شرعی حکم یہ ہے کہ جس مقام پر صرف ایک مسلمان ہو وہاں حدیث کا پڑھنا فرض عین ہے اور اگر بہت سے مسلمان ہوں تو پھر فرض کفایہ ہے یہی حکم علم فقہ کا ہے کیونکہ احادیث کی تفصیل تبیین فقہ پر ہی موقوف ہے۔ یہ نو بحثیں تو ختم ہوئیں جن کا عنوان تھا "مقدمۃ العلم"

Marfat.com

مُقدمۃ الکتاب

(اس میں گیارہ ۱۱ بحثیں ہیں)

بحث اوّل جیسا کہ علم حدیث کی ایک غرض وغایت ہوتی ہے ایسے ہی کتاب کی بھی ایک غرض وغایت ہوتی ہے جو خصوصیاتِ مصنف میں شمار ہوتی ہیں. چنانچہ امام بخاری کی بھی ایک غرض اس کتاب سے ہے وہ یہ کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ایک خواب بچپن میں دیکھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر مکھیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور میں ان کو اڑا رہا ہوں۔ اُنھوں نے اپنا یہ خواب اپنے استاذ اسحاق بن راہویہ کو سنایا۔ اُنھوں نے یہ تعبیر دی کہ انت تذب الکذب عن احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تم کسی وقت میں انشاء اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث کے ذخیرہ سے ان حدیثوں کو نکالو گے جو ضعیف یا موضوع ہیں. اس کے بعد ایک مرتبہ ان کے استاذ نے امام صاحب سے فرمایا کہ تم ایک کتاب لکھو جس میں صحیح احادیث ہوں ان کو بھی ولولہ اور شوق ہوا تو حدیث کے اقسام ثمانیہ کو انتقا کر کے احادیث صحیحہ بخاری کے اندر جمع فرمائیں، یہ تو غرض اصلی ہے اور اولین داعیہ۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت جو امام بخاری کی ساری کمائی قرار دی جاسکتی ہے وہ ان کے تراجم ہیں۔ یعنی احادیث سے مسائل کا استنباط کرنا ورنہ نفس احادیث تو تم مشکوٰۃ میں بھی پڑھ چکے ہو۔ اسی وجہ سے حضرات علمائے باقاعدہ اس میں تصنیفات فرمائی ہیں. حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی "تراجم بخاری" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ ایسے ہی ایک رسالہ اُردو میں حضرت شیخ الہند نے الابواب والتراجم کے نام سے لکھا ہے۔ ایسے ہی میرے اساتذہ اور مشائخ کے یہاں بھی اسی بات کا اہتمام رہا کہ اصل مقصد ترجمۃ الباب ہے۔ علمائے بخاری شریف کی بہت سی فضیلتیں اپنے تجربات کے بعد لکھی ہیں مثلاً یہ کہ جس جہاز میں بخاری شریف کا کوئی نسخہ ہو وہ جہاز سمندر میں نہیں ڈوبے گا اور مثلاً یہ کہ کسی مشکل کے واسطے بخاری شریف کا ختم بہت مجرب ہے۔ کسی مریض کے لئے اس کا پڑھنا بہت نافع ہے۔ بارہا ہم نے تجربہ کیا ہے کہ مریض کے واسطے بخاری شریف کا ختم ہوا تو وہ شفایاب ہوگیا۔ ایسے ہی ایک مرتبہ ابو زید مروزی (ایک بڑے فقیہہ) نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ شافعی کی کتابیں کب تک دیکھتے رہو گے میری کتاب کیوں نہیں دیکھتے۔ اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی کتاب کونسی ہے؟
فرمایا بخاری شریف۔

Marfat.com

بحث ثانی سمہ

یعنی کتاب کی وجہ تسمیہ کیا ہے پہلے یہ سُنو کہ اس کا نام الجامع المسند الصحیح من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ ہے جامع تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے اندر آٹھوں ابواب مذکور موجود ہیں اور مُسند اس وجہ سے کہ جتنی روایات ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالرفع منقول ہیں اور آثار وغیرہ جو ذکر فرمائے ہیں وہ بالتبع آگئے۔ اور صحیح اس وجہ سے فرمایا کہ اس کے اندر احادیث صحیحہ کا ہی ذخیرہ مذکور ہے اور کوئی راوی اس کے اندر ضعیف نہیں ہے۔ اور من حدیث رسول اللہ ؐ کی قید کو تو تم جانتے ہی ہو کہ ساری اس کے اندر احادیث ہیں اور سُننہ اس لئے بڑھایا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریرات بھی اس میں داخل ہو جائیں۔ اور ایامہ سے مراد وہ وقائع اور حالات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانے میں پیش آئے۔ بہت سی احادیث امام نے ایسی ذکر فرمائی ہیں جو نہ تو قولی ہیں نہ فعلی اور نہ تقریری۔ وہاں بہت سے شراح کو اشکال ہو رہا ہے بعض جگہ میں وہ اشکالات بتلا بھی دوں گا لیکن اگر وہ لوگ بخاری شریف کا پورا نام ذہن میں رکھتے تو ان کو یہ اشکال نہ پیش آتا۔

بحث ثالث مؤلف کتاب

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ایک فن کا مؤلف ہوتا ہے دوسرے کتاب کا مؤلف۔ اوّل کا تو ذکر آچکا، اب مؤلف کتاب کا تذکرہ سُنو۔ اس کتاب کے مؤلف امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب ہے محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ الجعفی البخاری۔ جعفی نسبت ہے جعف کی طرف اور عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔

بردزبہ باء مفتوحہ بعدہ راشم دال مکسورہ بعدہ ھا۔ یہ فارسی کی لغت ہے اور فارسی بھی ملک بخارا کی۔ بردزبہ فارسی زبان میں کاشتکار کو کہتے ہیں۔ یہ کھیتی کرتے تھے۔ اور مجوسی تھے حالت کفر ہی میں انتقال ہوا۔ ان کے صاحبزادے مغیرہ ہیں یہ مسلمان ہیں اور یمان جعفی جو اُس وقت کابل و بخارا و سمرقند کے حاکم اور عرب کے باشندے تھے یہ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ یہ تمام علاقے حضرت عمرؓ کے زمانے سے لے کر حضرت عثمان کے زمانے تک مفتوح ہو چکے تھے۔ عرب کے اندر جس طرح ولاء معاقدہ اور ولاء موالات کی نسبت ہوتی ہے اسی طرح موالات اسلام کی بھی نسبت ہوتی ہے اسی اعتبار سے ان کو مغیرہ جعفی کہتے ہیں۔ ابراھیم حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا اور یاد رکھو میں تو خاص طور سے ان لوگوں میں ہوں کہ جس چیز کے متعلق حافظ ہتھیار ڈال دیں اور لاعلمی کا اظہار کریں تو وہاں میری تتبع اور تلاش کی ہمت نہیں ہوتی، اگرچہ بہت سی چیزیں مل بھی گئیں ہیں۔ اسماعیل یہ حضرت امام بخاری کے والد ماجد ہیں اور امام مالک کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کا ذکر کتب تواریخ و رجال میں ملتا ہے۔

احوال امام بخاری

حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیرہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے یہی قول مشہور ہے۔ اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شب جمعہ میں پیدا ہوئے۔ مگر راجح اوّل ہی ہے۔ امام بخاری کی بصارت بچپن ہی میں جاتی رہی تھی۔ ان کی والدہ نے خوب دعائیں کیں۔

Marfat.com

خواب میں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی، فرمایا اللہ نے تیرے بچے کی آنکھیں درست کردیں۔ بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ حضرت امام بخاری بالکل تندرست ہیں۔ امام بخاری نے بمقام خرتنگ جو سمرقند کے مضافات میں ایک گاؤں ہے شنبہ کی رات میں جو کہ عید الفطر کی بھی شب تھی۔ ۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔ تنگ آکر رمضان شریف میں دُعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی کل عمر باسٹھ سال ہوئی۔ یاد رکھو کہ جمعہ کے بعد اس دار فانی میں تشریف لائے اور شنبہ کی رات میں انتقال ہوگیا یہ دنیا کی کل مدت ہے جس میں باسٹھ سال کی عمر آگئی۔ یہ بچے کے کان میں ولادت کے بعد جو اذان ہوتی ہے اور نماز جنازہ بلا اذان ہوتی ہے علماء نے لکھا ہے کہ وہ اذان اس نماز کی ہوتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ مدت عمر اذان سے لے کر نماز تک ہے۔ غنیمت سمجھو اور جو کچھ کرنا ہو اس مدت میں کرلو۔

محدّث داخلی کی مجلس اور امام بخاریؒ

حضرت امام بخاری کے والد ماجد (اسمٰعیل) کا انتقال اسی وقت ہوچکا تھا جب کہ حضرت امام بخاری بالکل بچے تھے والد نے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ میرے مال میں ایک پیسہ بھی مشتبہ نہیں ہے۔ اسی مال سے امام بخاری کی پرورش اور تربیت ہوئی اور باقاعدہ جیسا کہ شرفاء کا دستور ہوتا ہے حضرت امام کو مکتب میں پڑھنے کے لئے بھیجا گیا۔ چنانچہ امام بخاری مکتب میں جانے لگے اور امام داخلی محدّث کی "مجلس تحدیث" جو اس وقت ہوا کرتی تھی اس میں بھی شرکت کرنے لگے۔ یہ مجلس خوب وسیع ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء اس میں شرکت کرتے تھے۔ یہ بیچارے بھی ایک کونے میں بیٹھ جاتے۔ رفتہ رفتہ ایک شوق اور ولولہ پیدا ہوا۔ ایک بات بطور جملہ معترضہ کے سنو وہ یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی مجلسِ درس میں شریک ہونے کے لئے ایک شرط حافظ ہونا بھی تھی ایک مرتبہ امام محمد کو مجلس درس سے اس وجہ سے نکال دیا تھا کہ وہ حافظ (قرآن) نہیں تھے۔ بہرحال ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت استاذ داخلی نے کسی حدیث کی سَنَد اس طرح پڑھی عن سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم الخ امام بخاری دور ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے وہیں سے فرمایا کہ عن ابی الزبیر صحیح نہیں ہے داخلی نے دریافت کیا "بچے کیا غلطی ہوئی"۔ حضرت امام نے فرمایا کہ ابوزبیر کا لقا (ملاقات) ابراہیم سے ثابت نہیں بلکہ یہ زبیر بن عدی ہیں۔ یہ سُنکر محدّث داخلی مکان میں تشریف لے گئے۔ کتاب دیکھی تو فی الحقیقت اس میں عن ابی الزبیر کے بجائے عن الزبیر تھا۔ استاذ نے فرمایا تم نے صحیح کہا اور پھر اسی دن سے امام بخاری اپنے استاذ (داخلی) کی نظر میں مقبول اور وقیع بن گئے۔ کچھ دنوں کے بعد ایک واقعہ اور پیش آیا وہ یہ کہ امام بخاری ایک دوسری مجلس میں بھی جایا کرتے تھے۔ وہاں دوسرے علماء بھی احادیث قلم بند کیا کرتے تھے مگر امام صاحب نہیں لکھتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ تم خالی ہاتھ آکر بیٹھ جاتے ہو اس بیکار بیٹھنے اور وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ اول اول تو بخاری خاموش رہے لیکن جب لوگوں نے خوب بُرا بھلا کہنا شروع کیا اور تنگ کرنے لگے تو حضرت امام نے فرمایا کہ اچھا تم اپنی احادیث لاؤ ان کو امام بخاری نے ایک طرف سے سُنانا شروع کیا۔ جن کی تعداد پندرہ ہزار

Marfat.com

تھی۔ یہ سُن کر سب مُنہ دیکھتے رہ گئے۔

سفر حجاز

۲۱۰ھ میں جب کہ امام بخاری کی عمر سولہ برس کی ہوئی تو اپنے والد ماجد کی پاک کمائی سے اپنی والدہ اور بڑے بھائی احمد کے ہمراہ حج کو تشریف لے گئے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا سفر اس وقت ہوا جب کہ ان کی عمر سولہ برس کی تھی اور اساتذۂ حجاز سے حدیث کے حاصل کرنے میں تاخیر واقع ہوئی۔ حج کرنے کے بعد ان کی والدہ محترمہ اور بڑے بھائی صاحب تو واپس آ گئے۔ اور حضرت امام بغرض تعلیم وہیں رہ گئے۔ اس قیام کی مدت بقول بخاری چھ سال ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ مدّت قیام اتنی ہی ہو، ممکن ہے ایک دو سال کسی اور جگہ تشریف لے گئے ہوں۔ جس وقت امام بخاری اٹھارہ سال کے تھے تو ایک کتاب "قضایا صحابہ وتابعین" کے نام سے مدینہ پاک میں لکھی۔ یہ کتاب اب کہیں نہیں ملتی۔ امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت عبداللہ بن مبارک جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور وکیع کی تمام کتابیں حفظ یاد ہو گئی تھیں۔ اس کے بعد امام بخاری نے تاریخ کبیر لکھی۔ یہ ان کی دوسری تالیف ہے فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں روشنی وغیرہ کا تو انتظام تھا نہیں اس لئے میں نے اس کتاب کو چاند کی روشنی میں لکھا ہے۔ یہ سارے واقعات اٹھارہ سال کی عمر کے لگ بھگ اور ۲۱۲ھ کے قریب کے ہیں۔ تاریخ کبیر حافظ ابن حجر کی نظر سے نہیں گزری البتہ کافی مدت ہوئی حیدرآباد مرحوم میں طبع ہو چکی۔ میں نے مرحوم اس وجہ سے کہا کہ اب حیدرآباد پہلے جیسا حیدرآباد نہیں رہا۔

امام بخاری کی قوت یادداشت

حضرت امام کی قوت حفظ ضرب المثل ہے۔ تم کو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ دس سال کی عمر میں اپنے استاذ (داخلی) کو لقمہ دیا۔ جس کا یہ حال بچپن میں ہو تو بڑا ہو کر جب کہ اس کو اس میں توغل بھی ہو جائے کیا حال ہوگا اور جب کسی کو کسی شئے میں توغل ہوتا ہے تو اچھی طرح سے اس کے حقائق سے واقف ہو جاتا ہے اور قاعدہ بھی ہے کہ جب کوئی آدمی کسی خاص چیز میں مشہور ہو جاتا ہے تو پھر اس کا امتحان بھی لیا جاتا ہے چنانچہ دو واقعے ایک سمرقند، دوسرا بغداد کا امام کے امتحان کا پیش آیا۔ بغداد کا قصہ زیادہ مشہور ہے کہ جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو وہاں کے علمائے آپس میں مشورہ کیا کہ ان کی شہرت بہت ہے آج ان کا امتحان لیں۔ چنانچہ دس علمائے مل کر سو احادیث تلاش کیں اور ہر ایک نے دس، دس احادیث اپنے ساتھیوں پر تقسیم کر دیں اور ان کی سَند اور متن (مضمون حدیث) کو ایک دوسری کی جگہ رد و بدل کر دیا جب امام صاحب تشریف لائے تو ہر ایک نے بڑی عقیدت کا اظہار کیا۔ امام بخاری نے بھانپ لیا کہ کچھ دال میں کالا ہے اصل میں ضابطہ یہ ہے کہ جب کوئی اطراء کرتا ہے تو حقیقت خود بخود کھل جاتی ہے۔ بہرحال ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم کچھ احادیث حضرت کو سُنانا چاہتے ہیں امام صاحب نے فرمایا سُنا دو۔ اس پر ہر ایک نے نمبر وار احادیث سُنا کر دریافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے امام بخاری ہر ایک کے جواب میں لاادری فرماتے رہے۔ یعنی مجھے معلوم نہیں۔ جب سب سُنا دیں تو اب ان لوگوں نے اشارے شروع کر دیئے کہ یہی ہیں وہ جن کا بڑا شہرہ ہے بس جی پیراں نمی پرند مرید می پرانند والا قصہ ہے۔ جب سب معاملہ نمٹ گیا تو امام بخاری نے اول سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے حدیث اس طرح

Marfat.com

پڑھی ہے یہ غلط ہے صحیح یہ ہے اور پھر ہر ایک کو نمبر وار اس کی غلط حدیث اور اپنی صحیح حدیث سُنائی یہاں کمال یہ نہیں کہ پوری سَو احادیث مع سَنَد کے سُنا دیں بلکہ اصل کمال یہ ہے کہ ان کی اسانید و احادیث منقلبہ کو صحیح کر کے نمبر وار سُنا دیا۔

مسئلہ خلقِ قرآن اور امام بخاری

جس طرح آج کل ہم لوگوں سے کسی معاصر کی رفعت نہیں سُنی جاتی اسی طرح پہلے زمانے میں بھی یہی دستور تھا۔ چنانچہ امام بخاری کے معاصرین کو بھی امام صاحب سے حسد پیدا ہوا اور جہاں جہاں ان کا شاندار استقبال ہوتا وہیں کچھ حاسدین اس کا ردِ عمل بھی کرتے چنانچہ بہت سی جگہ سے مار پیٹ کر نکالے گئے۔ بہت سے لوگوں نے گالیاں دیں۔ اس زمانہ میں ایک مسئلہ خلق قرآن کا بہت زور شور سے چل رہا تھا اور ہر خواص و عوام کی زبانوں پر جاری و ساری تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل اور امام بخاری چونکہ دونوں ایک مرتبے کے ہیں اس لئے دونوں ہی کو اس مسئلہ میں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، بہت سی مرتبہ جیل میں گئے اور بھی بہت سے علمائے نے اس مسئلہ میں کوڑے کھائے تکلیفیں اُٹھائیں مگر جمے رہے۔ آب چکی کا پاٹ یہ ہے کہ بہت سے جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ امام احمد اور امام بخاری کی ایذا رسانی اور تکلیفوں کا مبنیٰ ایک ہی تھا حالانکہ ایسا نہیں دراصل بات یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل چونکہ امام بخاری کے استاذ ہیں اس لئے ان کا زمانہ پہلے کا ہے اور امام بخاری کا بعد کا ہے۔ امام صاحب کے زمانے میں معتزلہ کا بہت زور تھا اور سلاطینِ وقت بھی انہی کے ساتھ تھے۔ معتزلہ کا کہنا تھا کہ یہ قرآن حادث ہے۔ مخلوق ہے۔ لفظ کن سے پیدا کیا گیا ہے ان پر رد کرنے کے واسطے حنابلہ حضرات کو میدان میں آنا پڑا اور ان لوگوں نے کھل کر معتزلہ کا رد کیا اور کہا کہ قرآن پاک قدیم ہے، اور یہ قاعدہ تو تم کو معلوم ہی ہے جیسا کہ آج کل بھی اس کا دستور ہے کہ جب کوئی مقتدا کسی چیز کے متعلق رد کرتا ہے تو بہت ہی زور شور اور مبالغہ کے ساتھ تردید کرتا ہے اور جو لوگ اس کی پارٹی کے خدام اور مرید ہوتے ہیں وہ اپنے لیڈر اور پیشوا کی بات کو خوب زور شور سے اُچھال کر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ امام کے معتقدین اور متعلقین نے ایک قدم اس سلسلہ میں اور بڑھایا وہ یہ کہ یہ قرآن جو موجود ہے یہ بھی قدیم ہے اور اس کے الفاظ بھی قدیم ہیں اور یہ دفتین (گتہ) اور کاغذ بھی قدیم ہے۔ ان مبالغہ آرائیوں کو اور ان نقوش کو جب امام بخاری نے دیکھا تو بڑی شدت سے حنابلہ کا رد کیا اور فرمایا لفظی بالقرآن مخلوق یعنی جو الفاظ قرآن پاک کے میں اپنی زبان سے بول رہا ہوں یہ مخلوق اور حادث ہیں اور جو اس کے خلاف کہے وہ کافر ہے۔ اس سلسلہ میں حنابلہ اور حضرت امام بخاری میں اتنا اختلاف ہوا کہ اگر امام بخاری کے کلام کو دیکھا جائے تو اس سے امام احمد کی تکفیر لازم آتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالتصریح ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہوں بلکہ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ امام احمد نے تو معتزلہ کے مقابلہ میں تشدد فرمایا اور امام بخاری نے حنابلہ کے مقابلہ میں اس پر حنابلہ نے امام بخاری کی خبر لی۔ چنانچہ امام بخاری جہاں جاتے ابتلاء میں پھنس جاتے حتیٰ کہ آخر میں سب جگہ سے مایوس ہو کر اپنے وطن مالوف بخارا واپس تشریف لے گئے۔

Marfat.com

واقعۂ امیر خالد اور حادثۂ فاجعہ

اس وقت وہاں کا امیر خالد نامی ایک شخص تھا۔ وہاں پہنچکر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بعض لوگوں نے ایک مسئلہ دریافت کیا کہ اگر بکری کا دودھ دو بچے پی لیں تو ان میں رضاعت ثابت ہوجائیگی یا نہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ہاں رضاعت ثابت ہوجائیگی۔ بعض حاسدین نے اس کا خوب شور مچایا۔ ابوحفص کبیر حنفی نے ان سے کہلا بھیجا کہ تم حدیث پر رہو فقہ دانی نہ کرو۔ فقہ اور اس کے مسائل ہم لوگوں کے لئے رہنے دو، تم صرف اپنے حدیث کے مشغلے میں منہمک رہو۔ اس کے بعد وہاں کے امیر خالد نے امام صاحب کو کہلا بھیجا کہ میرے لڑکے آپ سے حدیث پڑھنا چاہتے ہیں کسی وقت آکر ان کو پڑھا دیا کیجئے۔ امام صاحب نے جواباً کہلا بھیجا کہ مجھے حدیث پاک کو ذلیل نہیں کرنا جسے پڑھنا ہو میرے پاس آکر پڑھے۔ امیر نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ میں بچوں کے ہمراہ ضرور حاضر ہوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس وقت دوسرے لوگ وہاں تعلیم کے لئے موجود نہ ہوں صرف میرے لڑکے تعلیم حاصل کریں گے۔ حضرت امام صاحب نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا اور کہا سب بچے پڑھنے میں برابر ہیں۔ امیر کو اس بات پر غصہ آگیا اور اس نے امام صاحب کو بخارا سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ امام بخاری نکل گئے اور نکلتے وقت دُعا کی کہ اے اللہ جس طرح اس امیر نے مجھ کو نکالا تو بھی اس کو ذلیل کر کے یہاں سے نکال دے۔ چنانچہ ایک ماہ سے پہلے ہی اس امیر سے کوئی حاکم اعلیٰ کسی غلطی کی بنا پر ناراض ہوگیا اور حکم دیا کہ اس معزول امیر کو کالا منہ کر کے گدھے پر سوار کرا کر پورے شہر میں چکر کراؤ۔ بہرحال امام بخاری نے وہاں سے سمرقند کا قصد فرمایا۔ راستہ میں خرتنگ مقام پر کچھ رشتہ دار تھے۔ رمضان کی آمد کی وجہ سے وہاں قیام فرمایا۔ اسی دوران سمرقند سے اطلاع آئی کہ یہاں فضا تمہارے موافق نہیں ہے۔ حضرت امام نے جب یہ سنا تو بہت رنج و غم ہوا اور یہ دُعا فرمائی اللّٰھم ضاقت علی الارض فسارحبت فاقبضنی الیک۔ یہ دُعا آپ نے آخیر عشرہ میں فرمائی اور یہ قبول بھی ہوگئی چنانچہ عید کی رات میں وفات ہوئی اور عید الفطر یوم شنبہ ۲۵۶ھ کو بعد نماز ظہر اس مجسمہ نور کو اسی مقام خرتنگ میں دفن کر دیا گیا۔ دفن کے بعد سُنا ہے کہ مدتوں آپ کی قبر مبارک سے نہایت زوردار خوشبو مہکتی رہی۔

اب اشکال یہ ہوگا کہ حضرت امام نے اپنی موت کی تمنا کیوں فرمائی جب کہ حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اپنے دین پر فتنہ کے خوف سے دُعا فرمائی اور چکی کا پاٹ یہ ہے کہ اپنے اوپر نہیں بلکہ حاسدین یہ رحم کھاتے ہوئے فرمائی کیونکہ وہاں جا کر اگر لوگ ان کو تنگ کرتے تو ان حاسدین کا بیڑا غرق ہوجاتا لوگوں پر رحم کھاتے ہوئے آپ نے موت کی دعا فرمائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

امام بخاری کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات یاد رکھنے کے لئے میرے نزدیک آسان طریقہ یہ ہے کہ یہ جملہ یاد کرایا جائے صدق حمید نور۔ یہ مادہ تو پہلے سے موجود تھا مگر اس کو جملہ کی شکل میں نے دیدی اور لفظی ترجمہ اس کا یہ ہے کہ سچ کہا حمید نے کہ وہ نور تھے یعنی مجسمۂ نور تھے۔ ان تین لفظوں میں سے اول لفظ کے بحساب ابجد ایکسو چورانوے نمبر جو نکلتے ہیں وہ تو سن پیدائش ہے اور دوسرے لفظ کے جو باسٹھ نمبر نکلتے ہیں وہ ان کی کل عمر ہے اور نور کے کل نمبرات دوسو چھپن ہیں یہ حضرت امام کا سن وفات ہے۔

Marfat.com

مذاہب ائمہ اربعہ

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اہل حدیث اور ائمہ محدثین مقلد تھے یا غیر مقلد. پھر مقلد ہونے کی صورت میں کس کی تقلید کرتے تھے۔ اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ اور بات یہ ہے کہ جو آدمی بڑا ہوتا ہے اس کو ہر شخص چاہتا ہے کہ ہماری پارٹی میں شامل ہو جائے کیونکہ اس میں تجاذب اور کشش بہت ہوتی ہے اور ہر ایک اپنی طرف کھینچتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری کے متعلق غیر مقلدین تو کہتے ہیں کہ وہ غیر مقلد تھے اور مقلدین ان کو مقلد مانتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے شوافع نے اپنے طبقات میں ان کو شافعی تحریر کیا ہے۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ امام بخاری پختہ طور پر مجتہد تھے۔ اگرچہ فقہائے شافعیہ نے ان کو طبقات شافعیہ میں اور غیر مقلدین نے اپنا کہا ہے لیکن چونکہ امام بخاری احناف سے زیادہ ناراض ہیں اس لئے نمایاں طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ شافعی ہیں حالانکہ حضرت امام بخاری جتنے احناف سے ناراض ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے کچھ زیادہ شافعیہ کے خلاف ہیں۔ چنانچہ وضو من القبلہ اور قنوت فجر کا باب انھوں نے اپنی کتاب میں نہیں باندھا اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ امام بخاری کے پاس روایت موجود نہیں بلکہ قنوتِ فجر اور درود شریف کی احادیث موجود ہیں۔ ایسے ہی قلتین اور درود شریف کا بھی باب نہیں باندھا۔ حالانکہ درود فی الصلوٰۃ شافعیہ کے یہاں واجب ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔ اور اگر امام صاحب کو مقلد مان ہی لیا جائے تو یہ ہمارے جیسے مقلد نہیں کہلائے جائیں گے کہ بس جو امام نے کہہ دیا اسی پر عمل کر لیا بلکہ چونکہ ان کے پاس ایسے ذرائع تھے جن سے وہ اقوال ائمہ کو دلائل کی روشنی میں پرکھ سکتے تھے تو انھوں نے مقابلہ کر کے امام کے قول کو جہاں احادیث کے خلاف پایا ترک کر دیا۔ خود امام اعظم ابو حنیفہ سے بھی یہی منقول ہے کہ جب تک تم کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں نے کہاں سے بیان کیا ہے اس وقت تک میری بات قبول نہ کرو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد نے بہت سی جگہ ہمارے امام صاحب کی مخالفت کی ہے لیکن ہم جو تقلید کو ضروری کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس وہ ذرائع نہیں ہیں جو ان لوگوں کے پاس تھے۔ اب رہ گئے حضرت امام مسلم ان کو بعض نے شافعی اور اکثرین نے مالکی قرار دیا ہے۔ ابو داؤد کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ وہ پکے حنبلی ہیں۔ چنانچہ حنابلہ نے ان کو طبقات حنابلہ میں شمار بھی کیا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ امام ابو داؤد نے اپنی کتاب میں البول قائما کا باب منعقد فرما کر اس کا جواز ثابت فرمایا ہے جو کہ حنابلہ کا مذہب ہے حالانکہ دوسرے ائمہ کے یہاں یہ مکروہ ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا اس کی تصدیق مت کرنا۔ ایسے ہی وضو مما مست النار سب کے نزدیک منسوخ ہے سوائے حنابلہ کے۔ اسی وجہ سے امام ابو داؤد نے ترک وضو کے باب کو مقدم کر کے پھر اس باب کو ذکر کیا ہے اور آگے چل کر التشدید فی ذالک کے عنوان سے مزید تاکید فرمائی ہے۔ اور وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ حضورؐ نے آخر میں مما مست النار سے وضو کو ترک کر دیا تھا۔ اس کی تاویل امام ابو داؤد نے یہ فرمائی ہے کہ وہ ایک خاص واقعے کے متعلق ہے۔ نسائی اور امام ترمذی کے متعلق علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ شافعی ہیں اور میری بھی یہی رائے ہے البتہ امام طحاوی پکے حنفی ہیں۔

Marfat.com

کتاب بخاری شریف

سن تالیف

بخاری شریف کے متعلق مورخین کی رائے یہ ہے کہ اس کو سولہ ۱۶ سال میں لکھا گیا۔ خود امام صاحب سے بھی یہی مدت نقل کی گئی ہے۔ اب یہ کہ بخاری شریف کب تصنیف فرمائی اور کب ختم ہوئی؟ اس کے متعلق مجھے تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملا۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس کو ۲۱۷ھ میں لکھنا شروع کیا اور اس وقت امام بخاری کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی تھی اور ۲۳۳ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ یہ میرا اپنا استنباط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے خود ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب کو لکھ کر اپنے اساتذہ کے سامنے پیش کیا اور ان اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین علی بن المدینی کے نام نامی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ اور یحییٰ بن معین کی وفات ۲۳۳ھ میں ہے اور امام احمد بن حنبل کی ۲۴۱ھ میں اور علی بن المدینی کی ۲۳۴ھ میں۔ بہرحال ہمیں یحییٰ بن معین کی وفات کے سن سے استدلال کرنا ہے تو جب ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو یقیناً ۲۱۷ھ میں لکھنی شروع کر دی ہوگی اسی حساب سے سولہ ۱۶ سال پورے ہوتے ہیں واللہ اعلم۔

سبب تالیف

بخاری شریف کی تالیف کی وجہ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حضرت امام بخاری نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر سے مکھیاں اُڑا رہا ہوں ان کے استاذ ابو اسحاق بن راہویہ نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تم کسی وقت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث کے ذخیرہ سے ان حدیثوں کو علیحدہ کرو گے جو ضعیف یا موضوع ہیں چنانچہ اس خواب کے بعد امام بخاری نے اپنی یہ کتاب بخاری شریف تالیف فرمائی۔

اپنی تالیف میں امام بخاری کا اہتمام

عام طور سے بخاری شریف کے متعلق دو قسم کی روایات ملتی ہیں۔ اوّل یہ کہ امام نے اس کو روضۃ من ریاض الجنۃ میں غسل کر کے لکھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حطیم میں لکھی۔ اب اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی مدت قیام سولہ ۱۶ سال نہیں ہے بلکہ زائد سے زائد تین چار سال ہیں لہٰذا ان دونوں میں جمع کس طرح سے ہوگا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ سولہ ۱۶ برس تو ساری کتاب کے لکھنے کے ہیں اور تراجم سارے کے سارے ایک ہی مرتبہ روضہ مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں بیٹھ کر لکھے۔ اس کے بعد جتنی جتنی احادیث ملتی رہیں ان کو چھانٹ چھانٹ کر لکھتے رہے۔ اس کی تائید خود حضرت امام بخاری کے اس مقولہ سے ہوتی ہے کہ میں نے ایک حدیث مدینہ میں سُنی اور اس کو بصرہ میں لکھی، اور ایک حدیث بصرہ میں سُنی تو اس کو شام میں لکھی اور ایک حدیث شام میں سُنی تو اس کو کوفہ میں لکھی۔ رہا یہ سوال کہ حطیم کعبہ اور روضۃ مطہرہ میں تو کافی فاصلہ ہے یہاں پر کس طرح جمع کریں گے؟ تو اس کے جمع کا طریقہ یہ ہے کہ خود امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے بخاری شریف تین بار تصنیف کی۔ اور یہ مصنفین کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی تصنیف مہتم بالشان ہو تو

Marfat.com

بار بار اس میں نظر ثانی ہوتی ہے تبییض کی تسوید کی جاتی ہے تو بہت ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری نے تسوید حطیم میں کی ہو اور تبییض روضہ اطہر علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کی ہو یا اس کے برعکس ہو۔ اگر ان اقوال میں جمع کی یہ صورت اختیار کی جائے جو میں نے بیان کی تو پھر اختلاف نسخ کی ایک بڑی وجہ معلوم ہو جائے گی کہ یہ جو نسخوں میں اختلاف ملتا ہے کہ کہیں باب ہے لیکن روایت نہیں اور اس کے شراح متعدد جوابات میں سے ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ روایت شرط کے مطابق نہیں ملی۔ اس جواب سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ تراجم سارے کے سارے ایک مرتبہ لکھے پھر روایات تلاش کر کے لکھیں۔

تعداد روایاتِ بخاری

امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے بخاری لکھی۔ اب ان روایات کی تعداد میں اختلاف ہے جن کا انتخاب کیا گیا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ کل احادیث مکررات کو شمار کر کے ساڑھے سات ہزار ہیں اور بغیر مکررات کے ساڑھے تین ہزار، لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ کل احادیث نو ہزار ہیں اور مکررات کو حذف کر کے صرف ڈھائی ہزار باقی رہ جاتی ہیں۔ گویا چھ لاکھ احادیث سے صرف ڈھائی ہزار کا انتخاب ہوا۔ لیکن یاد رکھو کہ بخاری کی احادیث کے صحیح ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ بقیہ کتابوں میں جو احادیث ہیں وہ غلط ہیں بلکہ وہ بھی صحیح ہیں۔ فرق صرف شرائط کا ہے۔ اس پر کلام میں آگے چل کر بھی کروں گا۔ البتہ یہاں اتنا ضرور سُن لو کہ ہر حدیث کے صحیح ہونے اور بخاری شریف میں ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ حدیث تعارض سے سالم بھی ہو۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو قباء کی مسجد میں چوبیس روز قیام فرمایا لیکن خود بخاری میں دوسری روایت میں ہے کہ چودہ دن قیام فرمایا تو ظاہر ہے کہ مطابق للواقع ایک ہی حدیث ہو گی لیکن صحیح باعتبار سند و قواعد کے دونوں ہیں یہ عدم مطابقت للواقع تعارض کی ہی ایک فرع ہے اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

اخذ روایات میں شیخین کی شرائط

تم اکثر جگہ سُنتے ہو گے کہ فلاں حدیث بخاری کی شرط کے مطابق ہے اور فلاں حدیث نہیں۔ ان شرائط کا کیا مطلب ہے؟ اور وہ کیا شرائط ہیں۔ خود ائمہ حدیث اور مصنفین حضرات نے اپنی کتابوں کی کوئی شرط ذکر نہیں فرمائی بلکہ ان کے بعد کے علماء نے ان کی کتب کا مطالعہ کیا اور تتبع و تلاش کے بعد اس کی شرائط انہی کی کتابوں سے بیان فرمائی ہیں اور اس کے اندر مستقل تصانیف کی گئی ہیں۔ آج کل دو رسالے ملتے ہیں ایک حازمی کا جو بہت مشہور ہے دوسرا رسالہ ایک اور ہے۔ امام بخاری نے جن شرائط کا اعتبار کیا ہے وہ مسلم کی شرائط سے زیادہ سخت ہیں کیونکہ ہر روایت کے درمیان دو چیزیں ہوا کرتی ہیں ایک راوی کی اپنی حیثیت اور اس کا ذاتی جوہر یعنی اس کا عادل ہونا ثقہ ہونا وغیرہ اور دوسری چیز یہ کہ اس کا تعلق اس کے استاذ سے ہو تو حضرت امام بخاری کے نزدیک دونوں شرطیں ہیں۔ یعنی وہ راوی عادل حافظ ثقہ ہو اور دوسرے یہ کہ اپنے استاذ کے ساتھ اس کا لقاء (ملاقات) بھی ثابت ہو اور اس کے ساتھ سفر و حضر میں رہا ہو ورنہ کم از کم حضر میں تو ملازمت رہی ہو کیونکہ جو آدمی سفر و حضر کا ساتھی ہو گا اس سے غلطی کا امکان بہت کم ہے لیکن امام مسلم بھی پہلی شرط میں تو امام بخاری

Marfat.com

کے ساتھ ہیں یعنی عادل اور ثقہ ہونا البتہ دوسری شرط یعنی لِقاأن کے یہاں ضروری نہیں بلکہ صرف امکان لقاء کافی ہے۔

ایک ضروری تنبیہ

اکثر مصنفین ومحدثین حضرات جا بجا یہ کہتے ہیں کہ فلاں حدیث بخاری کی شرط کے مطابق ہے اور وہ لوگ اس کے لئے یہ کافی سمجھتے ہیں کہ اس حدیث کے رواۃ بخاری کے رواۃ ہیں۔ مثلاً کوئی حدیث اس سَنَد کے ساتھ بیان کی جائے عن الحمیدی عن مسدد بن مسرھد تو اس حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ یہ علی شرط البخاری ہے کافی نہیں بلکہ اس حدیث کا علی شرط البخاری ہونا اس وقت ہوگا جب کہ بخاری میں بھی کوئی روایت اسی سَنَد کے ساتھ مذکور ہو مقصد کہنے کا یہ ہے کہ اگر وہ دونوں راوی کسی حدیث کی ایک ہی سَنَد میں ہیں تو وہ علی شرط البخاری ہوگی۔ کیونکہ دونوں رواۃ کے یکجا ہونے سے یہ معلوم ہوگیا کہ دونوں راوی ثقہ ہیں اور لقاء بھی ایک دوسرے سے ثابت ہے لیکن اگر وہ دونوں رواۃ بخاری میں ہوں لیکن ایک کسی سَنَد میں اور دوسرا کسی اور حدیث کی سَنَد میں ہو تو یہ کافی نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں دونوں کا لقأ ثابت نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ دونوں کا ثقہ ہونا ثابت ہو جائے گا اب رہے امام ابو داود اور نسائی دونوں امام بخاری کی صرف شرط ثانی میں شریک ہیں اور شرط اول (یعنی عادل ہونا) کا ان دونوں کے یہاں کوئی اعتبار نہیں۔ حالانکہ اصل شرط یہی ہے اسی لئے یہ دونوں مسلم سے نیچے ہیں اور ترمذی شریف میں دونوں شرطیں مفقود ہیں اس لئے وہ ان دونوں سے بھی نیچے ہے اور ابن ماجہ میں چونکہ احادیث ہی گڈ مڈ ہیں اس لئے وہ بیچاری سب سے آخری درجے کی ہے۔

ثلاثیاتِ بخاری

بخاری شریف میں بائیس ثلاثیات ہیں اور یہ ثلاثیات ان ستائیس انواع کتب حدیث سے ہیں جو لامع میں مذکور ہیں۔ ثلاثیات کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں ایک تبع تابعی دوسرا تابعی تیسرا صحابی کا اور یہ حدیث کی بہت ہی اعلیٰ نوع شمار کی جاتی ہے۔ کیونکہ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں اور تابعین اور تبع تابعین یہ سب خیر القرون کے حضرات ہیں۔ علماء نے ثلاثیات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور مستقل شروحات اور تراجم لکھے۔ خود تمہاری بخاری شریف کے حاشیہ پر بھی جا بجا اوّل الثلاثیات، ثانی الثلاثیات موٹے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ تو اب مجھے کہنا یہ ہے کہ جب ثلاثیات اتنی مفخم ہیں کہ ان کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئیں اور ان کو اعلیٰ نوع میں شمار کیا گیا ہے تو فقہ حنفی تو اس سے بھی مہتم بالشان ہے کیونکہ وہ توثنائی ہے یعنی اس میں ایک واسطہ تابعی کا ہے دوسرا صحابی کا۔ کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہٗ احناف کے نزدیک روایۃً بھی تابعی ہیں اور رویۃً بھی۔ البتہ غیر حنفیوں کے یہاں اگر روایۃً تابعی نہیں ہیں تو رویۃً تابعی ہونا ان کو بھی تسلیم ہے اور پھر ان دو واسطوں کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہی۔ ایک بات یہاں یہ بھی سُن لو کہ کہیں کہیں تم کو امام صاحب اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چار، چار، پانچ، پانچ واسطے بھی ملیں گے مگر وہ جزوی طور پر آجاتے ہیں ورنہ کلی طور پر ثنائی ہیں جیسے کہ میں تم کو اربعینہ میں بتلا چکا ہوں کہ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے ایک اربعینہ ایسا لکھا ہے جس میں امام مسلم، امام بخاری رضی اللہ عنہٗ پر فائق ہیں وہ اس طرح سے کہ امام مسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چار واسطے ہیں اور امام بخاری اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پانچ واسطے

Marfat.com

ہیں لیکن اس سے امام مسلم کی بخاری پر فضیلت لازم نہیں آتی کیونکہ یہ فضیلت جزئی ہے۔ دوسری بات یہاں یہ بھی سُن لو کہ بخاری کی جو ثلاثیات ہیں۔ اس میں بیس کے تو استاذ حنفی ہیں اور دو کے متعلق میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ حنفی ہیں یا کوئی اور۔ انشاء اللہ حنفی ہی ہوں گے۔ مجھے کتب رجال میں ان دو کے متعلق کچھ معلومات نہیں مل سکیں۔

بحث رابع انواع کتب حدیث

علم کی اجناس ہوتی ہیں اور کتاب کی انواع بیان کی جاتی ہیں۔ اب اسی کا نمبر ہے۔ انواع کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کرام نے نہایت جانفشانی سے اپنی کتابوں کے لکھنے میں جو ایک خاص اسلوب اور جدت اختیار کی ہے اور طرح طرح کی گلکاریاں کی ہیں اور مختلف طریقوں سے احادیث جمع کی ہیں وہ کس طرح سے ہیں اور کیسی ہیں اس کے متعلق میرے اکابر مختصر کلام فرمایا کرتے تھے اور کل تین قسمیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ جامع، سُنن، مسند، یہی تم حضرت گنگوہیؒ کے اور دوسرے اکابر کے کلام میں پاؤ گے لیکن مسند الکل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی کتاب عجالہ نافعہ میں چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں جس میں اُنھوں نے جوامع اور سنن کو ایک شمار فرما کر اس طرح تقسیم فرمائی ہے جوامع، مسانید، معجم، اجزاء رسائل، اربعینات، جب میں نے ابتدائے تدریس حدیث کے وقت مشکوٰۃ شریف پڑھائی تو تلاش و تتبع شدید کے بعد معلوم ہوا کہ بارہ کے قریب ہیں۔ اس کے بعد مزید تلاش کرنے سے پندرہ سولہ معلوم ہوئیں۔ لیکن جب لامع کا مقدمہ لکھا تو ستائیس کے قریب یہ انواع ہوگئیں۔ اب یہاں میں مشہور مشہور انواع کو شمار کراتا ہوں وہ یہ ہیں۔ جامع[1]، سنن[2]، مسند[3]، معجم[4]، اطراف[5]، علل[6]، مستدرک[7]، مستخرج[8]، اربعینہ[9]، اجزاء[10]، مشیخہ[11]، تراجم[12]، غرائب[13]، تخاریج[14]، تعالیق[15]، زوائد[16]، چونکہ تم لوگوں کو حاشیہ و شروحات میں اس کی ضرورت محسوس ہوگی اس لئے ان کی تشریح بھی کئے دیتا ہوں۔

جامع[1]۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جو علم حدیث کے ابواب ثمانیہ کو جامع ہو یعنی عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ، آداب رقاق، مناقب، فتن، بخاری اور ترمذی جامع ہے۔ کیونکہ اس میں یہ آٹھوں ابواب موجود ہیں لیکن ترمذی شریف کو سنن ترمذی بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہے۔ البتہ مسلم شریف میں اختلاف ہے کہ آیا وہ جامع ہے یا نہیں کیونکہ باب التفسیر اس میں بہت مختصر ہے جن لوگوں نے اس کو بھی جامع کہا ہے تو وہ صرف اس بنا پر کہ مختصراً تفسیر کا باب موجود تو ہے اور دوسرے لوگوں نے مختصر ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ میرے نزدیک مسلم شریف جامع ہے کیونکہ باب تفسیر گو مختصر ہے لیکن موجود تو ہے۔

سُنن[2]۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جس کے ابواب فقہی طریقہ سے ہوں یعنی جیسے فقہ کی کتابوں میں ابواب فقہیہ ہوتے ہیں ایسے ہی اس میں بھی ہوں جیسے سنن نسائی، ترمذی کو بعض لوگوں نے سنن میں داخل کیا ہے کیونکہ اس میں ابواب فقہیہ کا خاص لحاظ اور اسی کو اصل قرار دیا گیا ہے۔

مُسند[3]۔ پہلے زمانہ میں مسانید لکھنے کا بہت دستور تھا اور اکثر اکابر نے مسانید لکھی ہیں۔ مسند اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صحابہ کی روایات ہوں اور ہر صحابی کی ہر روایت کو ایک جگہ ذکر کیا جائے خواہ وہ کسی مسئلہ

Marfat.com

سے متعلق ہو۔ لیکن اس کی ترتیب مختلف طرح سے ہوتی ہے بعض تو افضل کو مقدم کرتے ہیں۔ اس صورت میں اولاً حضرت ابوبکر کی مرویات، ہوں گی اور بعض حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر کرتے ہیں اس صورت میں حضرت عمر حرف العین میں آئیں گے اور حضرت انس بلند اقبال حرف الالف میں ہوں گے اور بعض تقدم اسلام کے لحاظ سے جمع کرتے ہیں یعنی جو متقدم فی الاسلام ہو اس کی مرویات کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں خواہ وہ مرتبہ میں کم ہو یا زیادہ۔ مگر مسند کی یہ قسم ثالث مقصود ہے اور بعض محدثین نے مراتب صحابہ کے اعتبار سے مسانید لکھیں ہیں ان میں سب سے پہلے حضرات خلفائے راشدین اس کے بعد اہل بدر پھر بیعت الرضوان کے شرکاء اس کے بعد فتح مکہ والوں کے نام سے احادیث بیان کیں۔ حضرت امام بخاریؒ کے اکثر اساتذہ نے مسانید لکھی ہیں جیسے مسند امام احمد بن حنبل، مسند ابی داود طیالسی، مسند ابن ابی شیبہ وغیرہ۔ ہمارے یہاں دو مسندیں ملتی ہیں ایک مسند امام احمد بن حنبل جو مراتب صحابہ کے اعتبار سے ہے اور دوسری مسند ابو داود طیالسی یہ ابھی کچھ دن پہلے طبع ہوئی ہے۔

معجم[1]:۔ وہ کتاب ہے۔ جس میں شیوخ کی ترتیب پر روایات کو ذکر کیا جائے روایات کو ذکر کیا جائے اور میرے نزدیک معجم وہ ہے جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے روایات مذکور ہوں۔ خواہ علیٰ ترتیب الصحابہ ہوں یا علیٰ ترتیب الشیوخ ان میں ہمارے یہاں معجم طبرانی ہے:

اطراف[2]:۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کا ایک ٹکڑا ذکر کرکے اس کی وہ تمام سندیں جو کتابوں میں مروی ہیں جمع کر دی جائیں۔ مثلاً انھوں نے عنوان باندھا انما الاعمال بالنیات (الحدیث) اب یہ حدیث جتنے طرق سے مروی ہے سب کو جمع کر دیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ حدیث تلاش کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے کہ کہاں کہاں ہے اور غلطی بھی جلدی معلوم ہو جاتی ہے۔

علل:۔ یہ بہت مشکل فن ہے۔ اس کے اندر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں حدیث میں یہ علت ہے۔ علل اور اطراف میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ اطراف میں تو حدیث کی ساری اسانید کو یکجا کر دیا جاتا ہے خواہ وہ ضعیف ہوں یا صحیح۔ اور علل میں اسانید ضعیفہ کو ایک جگہ جمع کرکے ان کے نقائص پر تنبیہ کی جاتی ہے۔

مستدرک:۔ یہ کسی کتاب کو سامنے رکھ کر لکھی جاتی ہے۔ مثلاً بخاری شریف کو سامنے رکھ کر اس پر ایک کتاب مستدرک لکھی جائے۔ مستدرک کہتے ہیں کہ کسی کتاب کے شرط کے مطابق کوئی روایت ہو اور

---

[1] وفی تقریرا خر للشیخ والمعجم ما جمعت الروایات فیہ علیٰ ترتیب حروف التہجی ولہ ثلاثۃ اقسام فبعضہم یرتبہ علی ترتیب الاساتذۃ مثلاً یقدم روایۃ اکابر مشائخہ علی صغارہم وبعضہم ترتب علی ترتیب الصحابۃ باعتبار التہجی۔ والثالث معجم الاحادیث وھو الذی جمعت الاحادیث فیہ علی ترتیب حروف التہجی فی اوائل الاحادیث۔ کالجامع الصغیر للسیوطی۔

Marfat.com

اس کو اس کتاب کے مصنف نے ذکر نہ کیا ہو خواہ عمداً یا سہواً۔ جیسے مستدرک حاکم یہ بخاری اور مسلم دونوں پر ہے اور جیسے مشکوٰۃ شریف کہ یہ علامہ بغوی کی مصابیح پر تخریج ہے اور فصل ثالث اس پر استدراک ہے اس کے بالمقابل ایک نوع اور ہے وہ ہے مستخرج یعنی کسی کتاب کی احادیث کو اپنی سند کے ساتھ بیان کرنا بشرطیکہ مصنف اصل حائل نہ ہو۔ اور فائدہ اس کا تقویت ہے کیونکہ جو حدیث کسی سند کے ساتھ اصل کتاب میں ہے تو مستخرج والا اپنی مستخرج میں وہ حدیث دوسری سند سے ذکر کرے گا۔ جیسے مستخرج ابو عوانہ یہ مسلم شریف پر ہے۔

اربعینہ :- جس کو ہمارے یہاں "چہل حدیث" کہتے ہیں۔ اس کے متعلق علمائے نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص میری اُمت کے لئے چالیس حدیثوں کو محفوظ کرلے وہ قیامت کے دن علماء کے زمرے میں ہوگا۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن علمائے حدیث قاطبتہ کہتے ہیں کہ کوئی محدث ایسا نہیں جس نے چالیس احادیث نہ لکھی ہوں۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ایک چہل حدیث لکھی ہے جو بہت مختصر ہے اور میرے والد صاحب کے یہاں وہ مفید الطالبین کے بجائے داخل درس تھی اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر حدیث دو جملوں پر مشتمل ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی ایک چہل حدیث لکھی ہے اور اس میں یہ جدّت پیدا کی ہے کہ تمام احادیث مسلم شریف کی اس طرح ذکر فرمائیں ہیں کہ امام مسلم کو سند میں امام بخاری سے اوپر رکھا ہے وہ اس طرح پر کہ مثلاً امام مسلم اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چار واسطے (استاذ) ہیں اور امام بخاری اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پانچ واسطے ہیں۔

اجزاء ورسائل :- اجزاء تو وہ ہیں جن میں کسی خاص استاذ کی مرویات ذکر کردی جائیں جیسے کسی نے جزء امام مالک لکھ دیا۔ اور رسائل وہ ہیں جن میں کسی خاص مسئلہ پر روایات کو جمع کردیا گیا ہو۔ ان (اجزاء ورسائل) کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے الگ الگ دو قسمیں شمار کی ہیں مگر میرے نزدیک دونوں ایک ہیں متقدمین جس چیز کو اجزاء سے تعبیر کرتے تھے متاخرین نے اس کو رسائل سے تعبیر کردیا۔ چنانچہ علامہ سیوطی بکثرت اجزاء پر رسالہ کا اطلاق کرتے ہیں اور میرے اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری کا جزء رفع الیدین مشہور ہے۔ حالانکہ وہ ایک مسئلے سے متعلق ہے لیکن شاہ صاحب کے قول کے موافق اس کو رسالہ کہنا چاہیئے۔

مشیخہ :- کسی استاذ یا شیخ کی روایات کو یکجا جمع کردینا خواہ وہ کسی بھی مسئلہ سے متعلق ہو۔

تراجم :- یہ ہے کہ کسی خاص سند کو لے کر اس سند کی روایاتِ مرویہ کو جمع کردیا جائے جیسے شافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

افراد وغرائب :- یہ دونوں ایک ہی ہیں بعض لوگوں نے فرق بھی کیا ہے۔ غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی جگہ پر رواۃ میں صرف ایک راوی رہ جائے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کی شرائط میں یہ بات ہے کہ حدیث کی سند غریب نہ ہو بلکہ عزیز ہو لیکن محققین محدثین نے اس دعوے کی تردید فرمائی ہے اس لئے کہ بخاری کی پہلی ہی روایت اس کی تغلیط کرتی ہے کیونکہ اس میں حضرت عمر سے لے کر یحییٰ بن سعید الانصاری تک تفرد واقع ہوا

Marfat.com

ہے اور جو بعض علماء اس کی کچھ متابعات ذکر کرتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ یاد رکھو کہ غریب کے لئے ضعیف ہونا ضروری نہیں لہٰذا جب تم ہدایہ میں جا بجا بلکہ ہر حدیث کے نیچے یہ لکھا ہوا دیکھو قلت غریب تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ حدیث استدلال کے قابل نہیں اور اللہ کے فضل سے بخاری شریف کی پہلی ہی حدیث انما الاعمال بالنیات اور آخری حدیث کلمتان حبیبتان دونوں غریب ہیں۔

تخاریج :- اس کا اطلاق ان کتابوں پر کیا جاتا ہے جس میں کسی کتاب کی ان احادیث کی تخریج کی گئی ہو جو اصل کتاب میں بلاسند کے مذکور ہوں۔

تعالیق :- یہ متقدمین کے یہاں بہت کم پائی جاتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ روایات کو سند کے ساتھ ذکر کیا جائے خواہ صحابی مذکور ہو یا نہ ہو۔

زوائد :- یہ مستدرک کے ہی قریب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کتاب کی روایات پر زائد روایات کا اضافہ کر دیا جائے جو اس پہلی کتاب میں نہ ہوں جیسے زوائد ابن حبان علی الصحیحین حافظ مغلطایہ کی تصنیف۔

بحث خامس مرتبہ کتب حدیث

کتب حدیث کا مرتبہ دو حیثیت سے ہے ایک فضیلت کے اعتبار سے دوسرے تعلیم کے اعتبار سے۔ تعلیمی اعتبار سے جو درجہ ہے وہ میرا خود گھڑا ہوا ہے لیکن اب اس دور میں وہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ پہلے ہمارے اکابر کے یہاں دورہ عام طور سے ایک ہی استاذ کے یہاں ہوتا تھا لیکن آج صحاح کی ہر کتاب الگ الگ استاذ کے پاس ہوتی ہے حالانکہ حضرت گنگوہی نے ۱۳۰۱ھ سے لے کر ۱۳۰۹ھ کے اختتام تک تمام دورہ خود ہی پڑھایا۔ اسی طرح ان کے استاذ حضرت شاہ عبدالغنی اور ان کے بھی استاذ حضرت مولانا شاہ اسحاق نے دورہ کی تمام کتب تن تنہا پڑھائیں ہیں۔ اسی لئے ان حضرات کے یہاں ایک ترتیب تھی وہ اس طرح کہ سب سے پہلے ترمذی پھر ابوداؤد پھر بخاری شریف پھر مسلم اس کے بعد نسائی اور پھر ابن ماجہ۔ اس ترتیب کا مبنی ان کتابوں کی تصنیف کے اغراض پر ہے کیونکہ ہر مصنف کا تالیف و تصنیف کے وقت ایک خاص مطمح نظر ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنی تصنیف کے اندر اور بہت سے امور کا لحاظ رکھتا ہے مگر خاص منشا ایک ہی ہوا کرتا ہے۔

اغراض مصنفین صحاح ستہ

چنانچہ امام ترمذی کے پیش نظر اختلاف ائمہ کو بتلانا ہے اسی لئے وہ ہر باب میں ائمہ کا اختلاف نقل کرتے ہیں اور امام ابوداؤد کا وظیفہ مستدلات ائمہ کو بتلانا ہے۔ چنانچہ جتنے مستدلات ابوداؤد میں ملتے ہیں اتنے کسی اور کتاب میں نہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی قرآن مجید اور ابوداؤد کو حفظ کرلے گا تو مجتہد ہو جائے گا۔ اور امام بخاری کا مقصد اور غرض تالیف استنباط ہے اور یہ بتلانا ہے کہ احادیث سے مسائل کیسے مستنبط ہوتے ہیں۔ اور مسلم شریف کا وظیفہ صحیح احادیث کا جمع کرنا ہے اسی وجہ سے امام مسلم ایک باب میں متعدد احادیث لاتے ہیں تاکہ جو امام بھی اس حدیث سے مسئلہ مستنبط کرلے تو اس کی دلیل کی تقویت کسی حدیث سے ہو جائے۔ بخلاف امام ابوداؤد کے کہ وہ ہر باب میں صرف ایک حدیث ذکر کرتے

Marfat.com

ہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے اس خط میں جو اہل مکہ کو لکھا ہے اور مصر میں طبع ہوا ہے تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے ہر باب میں ایک حدیث ذکر کی ہے اور اگر میں کسی باب میں دو حدیثیں لاؤں تو وہ کسی مصلحت کے تحت ہوتا ہے"۔ اور امام نسائی کا مقصد یہ ہے کہ وہ احادیث کی علل خفیہ پر بڑا خطا کہہ کر متنبہ کرتے ہیں۔ اور ابن ماجہ کے اندر تمام احادیث گڈ مڈ ہیں۔ کہ آدمی صحیح اور سقیم کا اس سے انتخاب کرے۔ جب تم کو ان چھ کتابوں کے اغراض کی یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو اب سنو کہ ہر حدیث پڑھنے والے کو سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ اس حدیث کے متعلق ائمہ کیا کہتے ہیں اور ان کا مذہب کیا ہے یہ بات ترمذی سے معلوم ہوگی اس کے بعد جب مذہب معلوم ہوگیا تو اب ضرورت ہے کہ اس کی دلیل معلوم ہو وہ وظیفہ ابوداود کا ہے اس کے بعد اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ کیسے مستنبط ہوا۔ یہ وظیفہ بخاری کا ہے کہ وہ استنباط مسائل کا طریقہ دکھلاتے اور بتلاتے ہیں اس کے بعد جب احادیث سے مسائل مستنبط ہوگئے اور دلائل سامنے آگئے تو ان دلائل کی تقویت کے لئے اسی مضمون کی دوسری حدیث بھی ضروری ہوتی ہے۔ یہ کمی امام مسلم پوری کرتے ہیں۔ اب آدمی مولوی ہوجاتا ہے۔ اب اس کے بعد اس کو محقق بننے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ معلوم کرے کہ یہ حدیث جو مستدل بن رہی ہے اس کے اندر کوئی علت تو نہیں اس کا تعلق نسائی سے ہے۔ اس کے بعد آدمی کو ایک مستقل بصیرت حاصل ہوجاتی ہے اب اس کو چاہیئے کہ وہ احادیث پر غور کرے اور خود دیکھے کہ اس حدیث کے اندر کوئی علت تو نہیں کیونکہ نسائی شریف کے اندر تو خود امام نسائی ساتھ دے رہے تھے اور بتلاتے جاتے تھے کہ اس حدیث میں یہ علت ہے لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بغیر کسی کے مطلع کئے ہوئے خود احادیث کو پرکھے اور علل کو تلاش کرے اس کے اندر معین ابن ماجہ ہے کیونکہ اس میں احادیث گڈ مڈ ہیں اور کسی کے متعلق یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے۔ انہی اغراض کے پیش نظر ہمارے اکابر نے مذکورہ بالا ترتیب قائم فرمائی تھی۔ اب رہ گئی صحیحین میں فضیلت کے اعتبار سے ترتیب تو یہ ترتیب علمائے سے منقول ہے جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سب سے مقدم بخاری ہے بلکہ تقریبًا سارے ہی مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ مغاربہ اس کے اندر اختلاف کرتے ہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلم شریف سب سے اصح ہے افضل ہے لیکن چونکہ یہ قول شاذ ہے اس لئے علمائے نے اس کی تاویل یہ کی کہ ان کے افضل اور اصح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ترتیب کی جودۃ اور حُسن سلیقہ کے لحاظ سے اقدم ہے اس صورت میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ بخاری کے اندر اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث بخاری کے اندر اگر تلاش کرنا چاہیں تو اپنے موقع پر نہیں ملے گی الّا قلیلا۔ بخلاف مسلم کے کہ اس میں ایک مضمون کی احادیث ایک ہی جگہ جمع کردیں جس کی وجہ سے تلاش کرنے میں آسانی ہوگئی۔ باقی اس کے علاوہ بخاری ہر اعتبار سے بالخصوص صحت کے اعتبار سے مُسلم پر فائق ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ جو احادیث بخاری ومُسلم میں متکلم فیہ ہیں ان کے اندر بخاری کی روایات تو کم ہیں لیکن مُسلم کی زیادہ ہیں چنانچہ بخاری کی اٹھتّر ۷۸ احادیث اور مسلم کی سو احادیث متکلم فیہ ہیں اور بتیس ۳۲ احادیث ایسی ہیں جس میں بخاری ومسلم دونوں مشترک ہیں۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ بخاری کی کل احادیث متکلم فیہ ۱۱۰ ہیں اور مُسلم کی ایک سو بتیس ۱۳۲ ہیں۔ یہ اعداد کا یاد رکھنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

اس لئے کسی نے ان کو ابجد کے لحاظ سے شعر کے اندر جمع کر دیا۔ پہلے تو میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ شعر علامہ سیوطی کا ہے مگر لامع کا مقدمہ لکھتے وقت جو تلاش کیا تو ملا نہیں ممکن ہے کہ میری نظر چوک گئی ہو وہ شعر یہ ہے ؎

فید عد لجعفی وقاف لمسلم
وبل لهما فاحفظ وقیت من الردی

اس کے اندر فدعد میں فا تو زائد ہے اور باقی جو حروف ہیں اُن کے عدد اٹھتر ہیں اور جعفی سے مراد امام بخاری ہیں اور قاف کے نمبر سو ہیں اور دوسرے مصرعے میں لفظ بل دونوں کے لئے ہے جس کے عدد ۳۲ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کو یاد کرے ہلاکت سے بچ جائے گا۔ اب یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ سے مروی ہے ما تحت ادیم السماء اصح من الموطا۔ اس سے معلوم ہوا کہ موطا امام مالک بخاری سے بھی اصح ہے اور اگر اصح وافضل نہیں تو کم از کم اس کے درجے میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؓ کا یہ فرمان بخاری شریف کی تصنیف سے پہلے پہلے کا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بخاری کی تصنیف سے قبل سب سے اصح موطا امام مالک تھی۔

صحاح ستہ کا مصداق

علماً کے نزدیک پانچ کتابیں اجماعی طور سے صحاح میں داخل ہیں یعنی بخاری ومسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی لیکن چھٹی کتاب میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ کونسی ہے۔ صاحب جامع الاصول اور ابوالبرکات شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دادا کی رائے یہ ہے کہ وہ مؤطا امام مالک ہے۔ گویا یہ حضرات جب الاصول الستہ یا امہات الستہ وغیرہ کہیں تو چھٹی کتاب مؤطا ہوگی۔ لیکن بعض حضرات نے موطا کا اعتبار کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ مؤطا کے اندر احادیث کم ہیں آثار صحابہ زیادہ ہیں اگرچہ سند کے اعتبار سے سب صحیح ہیں اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ مسند دارمی شریف ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ سنن ابن ماجہ ہے اور اب یہی سادس ستہ بنی ہوئی ہے اور یہی مراد لی جاتی ہے۔

جمہور کے نزدیک بخاری کے بعد مسلم شریف کا درجہ ہے اور اس کے بعد ابوداؤد شریف کا ہے لیکن ایک مختصر سی جماعت یہ کہتی ہے کہ مسلم اور ابوداؤد دونوں برابر ہیں کوئی ایک افضل نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلم شریف کے خطبہ میں اس کے مصنف نے خود تحریر فرمایا ہے کہ تمام احادیث کے رواۃ کا مالک وسفیان جیسا (ذمہ دار) ہونا ضروری نہیں بلکہ ان سے بھی کم درجہ کے روایات سے روایات اس کتاب میں آئینگی ایسے ہی امام ابوداؤد نے اپنے اس خط میں جو اہل مکہ کو لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں وما کان فیه وهن شدید بینته یعنی جن روایات میں وہن شدید (کمزوری) ہے اس پر میں نے متنبہ کر دیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کتابوں میں جہاں اعلیٰ قسم کی احادیث ہیں ایسے ہی کم درجہ کی بھی احادیث ہیں۔ مگر جمہور کی رائے یہ ہے کہ ابوداؤد شریف مرتبہ ثالثہ کے اندر ہے۔ چوتھا مرتبہ نسائی کا ہے لیکن بعض علماء نے ان شرائط کو دیکھتے ہوئے جن کا امام نسائی نے التزام کیا ہے اور جن کو علامہ سیوطی نے زہر الربی میں ذکر فرمایا ہے۔ نسائی کو ابوداؤد پر فوقیت دی ہے مگر اکثرین کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اور چکی کا پاٹ یہ ہے

Marfat.com

کہ طحاوی شریف بھی مرتبہ ثالثہ یعنی ابوداؤد کے درجہ میں ہے کیونکہ ابن حزم ظاہری جیسے متشدد نے بھی طحاوی کو ابوداؤد کے درجہ میں رکھا ہے۔ ان چاروں کے بعد ترمذی شریف کا نمبر ہے لیکن اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے ترمذی کو مسلم شریف کے بعد رکھا ہے اور دوسرے محدثین نے اس کو نسائی کے بعد رکھا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ترمذی کے اندر احادیث ضعیفہ ہیں جس کی وجہ سے اس کی اہمیت کچھ کم ہوگئی۔ لیکن جو لوگ اس کو تیسرے نمبر پر رکھتے ہیں وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگرچہ ترمذی میں ضعیف احادیث ہیں لیکن وہ اس پر ساتھ ساتھ متنبہ بھی تو کر دیتے ہیں لہٰذا جب متنبہ کر دیا تو اب کتاب پر کیا اشکال رہا۔ ان سب کے بعد ابن ماجہ ہے اور اس کو سب سے مؤخر اس وجہ سے کرنا پڑا کہ اس کے اندر احادیث ضعیفہ کیا احادیث موضوعہ تک ہیں۔

بحث سادس قسمۃ وتبویب

علم کی تقسیم وتبویب تو بہت طویل ہے اس کا ذکر مقدمۃ العلم میں گزر چکا ہے اور کتاب کی تقسیم وہ فہرست ہے جو کتابوں کے شروع یا آخر میں لگا دیتے ہیں کہ فلاں مضمون فلاں صفحہ پر ہے اور یہ باب فلاں ورق پر ہے۔

بحث سابع حکم شرعی

اس حکم کی دو نوعیتیں ہیں ایک پڑھنے پڑھانے کے اعتبار سے دوسرے اس کی احادیث پر عمل کرنے کے اعتبار سے۔ پڑھنے پڑھانے کی حیثیت سے تو اس کا حکم یہ ہے کہ بصورت تفرد واجب ہے اور بصورت تعدد واجب علی الکفایہ ہے یعنی اگر کتب احادیث میں سے صرف بخاری شریف پائی جائے تو اس کا پڑھنا واجب العین ہے اور اگر بہت سی کتب حدیث ہوں تو اس کا پڑھنا واجب علی الکفایہ ہے کیونکہ مقصود دین حاصل کرنا ہے اور دوسری نوع کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ اس کی احادیث پر عمل کرنا واجب ہے بشرطیکہ کوئی معارض موجود نہ ہو مثلاً کوئی آیۃ کریمہ معارض ہو یا اور کوئی حدیث پھر جب تعارض ہوگا تو ہم غور کریں گے۔

یہاں تک سولہ بحثیں ختم ہوچکیں۔ اب چار بحثیں اور سُنو جو تمامتر میری گھڑی ہوئی ہیں۔

بحث ثامن وجہ اختلاف وتعدد نسخ

پہلے زمانے میں مطابع اور پریس کی یہ موجودہ سہولتیں تو تھیں نہیں کہ ہزاروں نسخے مصر، عرب، ہندوستان سے نکل رہے ہیں۔ بلکہ استاذ اپنی یاد سے یا اپنی اصل کتاب سے اور شاگرد اپنی یاد اور نقل سے کام کرتا تھا اور ہمیشہ یہ ہی دستور رہتا تھا کہ ہر سال لوگ کسی استاذ سے پڑھنے آتے۔ استاذ سُناتا اور تقریر کرتا شاگرد سُنتے رہتے اور لکھتے رہتے اور چونکہ یہ عام دستور ہے کہ تقریر جب عام طور سے ہر سال کی جائے تو کچھ نہ کچھ فرق الفاظ وغیرہ کے اندر ہو ہی جاتا ہے مثلاً کسی جگہ مفصل بیان کر دیا آئندہ اس مقام کو مجملاً کہہ دیا اور چونکہ احادیث کو مختصر کر دینا یا بالمعنی روایت کرنا جائز ہے اس وجہ سے اس وقت کے اساتذہ بھی ایسا کر لیا کرتے تھے جیسے

Marfat.com

ایک سال ایک حدیث کو خوب تفصیل سے بیان کیا دوسرے سال اختصار کر دیا اسی بنا پر شاگردوں کے لکھنے میں بھی اختلاف ہوتا رہتا تھا چنانچہ حافظ ابن حجر اور قسطلانی وغیرہ نے جو اپنی سندیں لکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ چار نسخے تو بخاری کے مشہور و متعارف ہیں ایک نسفی کا دوسرے بزدوی تیسرے حماد بن شاکر چوتھے فربری کا۔ البتہ ایک پانچواں نسخہ محاملی کا اور ہے جو مختلف فیہ ہے کہ آیا اس کی حیثیت مستقل نسخہ کی ہے یا نہیں۔ علامہ کرمانی کی رائے یہ ہے کہ یہ مستقل ایک نسخہ ہے چنانچہ اُنھوں نے اپنی سند محاملی تک پہنچائی ہے مگر حافظ ابن حجر اس کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محاملی امام بخاری کے شاگرد تو ہیں لیکن اُنھوں نے بخاری کی سماعت خود امام صاحب سے نہیں فرمائی بلکہ اس کی نقول اور املائیں کی ہیں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جب حافظ ابن حجر کسی چیز کا انکار کر دیتے ہیں تو مجھے اس پر رَدّ کرنے میں تامل ہوتا ہے اگرچہ کبھی کبھی رَدّ کرتا بھی ہوں۔ لیکن یہاں خود دو بڑے بڑے محدثین میں اختلاف ہو رہا ہے اگر تقدم (زمانی) کو دیکھا جائے تو علامہ کرمانی کی بات صحیح ہے اس لئے کہ وہ مقدم بھی ہیں نیز یہ کہ اُنھوں نے اپنی سند محاملی سے ملا دی اور اگر حافظ کا مرتبہ فی الحدیث دیکھا جائے تو ان کی بات کو سچ ماننا پڑے گا۔ بہرحال ہمارے یہاں ان چاروں پانچوں نسخوں میں اب ایک نسخہ ملتا ہے جو فربری کا کہلاتا ہے۔

فربری

ان کا نام محمد بن یوسف بن مطر بن صالح فربری ہے۔ فربر بکسر الفا و فتح الراء و سکون الباء ایک گاؤں ہے جو بخارا سے ۲۰-۲۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے یہ ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰ شوال ۳۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ کل عمر نوّے ۹۰ سال ہے۔ حضرت امام بخاری کے انتقال کے وقت ان کی عمر چھبیس ۲۶ سال تھی گویا چونسٹھ سال بعد تک زندہ رہے۔ تو چونکہ بعد میں اتنی مدت تک پڑھایا اور ہر سال شاگردوں نے پڑھا اور لکھا اس لئے یہی نسخہ زیادہ متداول و متعارف ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ فربری نے بخاری سے دو بار بخاری شریف پڑھی۔ اول مرتبہ ۲۴۸ھ میں دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ میں۔ پھر ۲۵۶ھ میں امام بخاری انتقال ہی فرما گئے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ تین مرتبہ پڑھی۔ واللہ اعلم۔

فربری فرماتے ہیں کہ امام بخاری سے صحیح بخاری نوے ہزار اشخاص نے سُنی لیکن ان سے روایت کرنے والا میرے علاوہ اس وقت کوئی باقی نہیں رہا مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ بزدوی ان کے بعد تک باقی رہے۔ فربری کے اس کلام کی توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ اُنھوں نے یہ اپنے علم کے اعتبار سے فرما دیا۔ فربری سے بخاری شریف کے نقل کرنے والے بارہ شاگرد ہیں ان میں سے نو کا ذکر حافظ ابن حجر نے کیا اور امام نووی و علامہ کرمانی نے ان کے علاوہ دو شاگردوں کا اور تذکرہ کیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک اور شاگرد کا ذکر کیا ہے لامع کے مقدمہ میں میں نے ایک نقشہ میں اس کی تفصیل لکھ دی ہے وہاں دیکھ لینا۔

فربری کے نسخوں میں اختلاف کی وجوہات

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ اگر امام بخاری کے شاگردوں کے نسخوں میں اختلاف ہو تو وہ برمحل ہے کیونکہ جب مصنف نظر ثانی کرتا ہے تو ضرور محو و اثبات کرتا ہے لیکن فربری سے پڑھنے والوں کے نسخوں میں اختلاف

Marfat.com

کی کیا وجہ ؟ اس کے دو جواب ہیں ایک معقول دوسرا غیر معقول۔ غیر معقول ہی زیادہ قوی ہے وہ یہ کہ پہلے زمانہ کے اندر جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ استاذ املاء کراتا تھا اور شاگرد لکھتے تھے مگر چونکہ سارے شاگرد ایک ہی درجہ کے متیقظ اور بیدار نہیں ہوتے اس لئے کسی نے کچھ لکھا اور کسی نے کچھ۔ جیسے کہ تم امتحان کے پرچوں میں دیکھتے ہو کہ ممتحن ایک ایک حرف بولتا ہے پھر بھی لکھنے میں تغیر ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری وجہ جو معقول ہے (اور جو اتنی قوی بھی نہیں) وہ یہ ہے کہ فربری نے اپنے استاذ کے ساتھ غایت محبت کی بنا پر دونوں نسخوں کی روایات لے لیں اگرچہ ان کو یہ معلوم تھا کہ آخری نسخہ یہی ہے اور دوسرا نسخہ آخری نہیں۔ جیسے کہ میرے حضرت نور اللہ مرقدہٗ جب حضرت ابن مسعود کی اس روایت پر پہنچے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو۔ دو سورتیں ملا کر ایک ایک رکعت میں پڑھتے تھے تو میرے حضرت نے غایت محبت کی بنا پر فرمایا "زکریا مجھے بھی ایک پرچہ پر یہ ترتیب لکھ کر دینا آج تہجد میں اسی طرح پڑھیں گے" تو باوجودیکہ وہ قرآن اور اس کی ترتیب مصحف عثمانی کے خلاف ہے لیکن غایت تعلق کی بنا پر حضرت نے اس کو پڑھا۔

بحث تاسع مراتب کتب حدیث

شروع میں جہاں اجمالی خاکہ ان ابحاث کا بیان کیا تھا اس کے اندر میں نے یہ کہا کہ ایک تو مرتبہ مقدمۃ الکتاب سے متعلق ہے اور دوسرا مرتبہ کتب حدیث سے وابستہ ہے۔ یہ دونوں مرتبے الگ الگ ہیں۔ مراتب کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر وہ کتابیں مذکور ہیں جن کے متعلق اجنبی کے واسطے یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ ان میں سے ہم کن کتابوں کی احادیث پر اعتماد کریں اور کن پر نہیں اس لئے اب اس کی بڑی ضرورت ہے کہ کتب حدیث کے طبقات بھی ذکر کر دیئے جائیں اس لئے غور سے سنو کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے "عجالہ نافعہ" میں کتب حدیث کی چار قسمیں اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اتباع میں بیان فرمائی ہیں۔ مگر خود شاہ عبدالعزیز نے اپنی دوسری کتاب "مایجب حفظہ للناظر" میں پانچ قسمیں بیان کر دیں۔ یہ بظاہر ایک بڑا تعارض ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ کوئی تعارض نہیں کیونکہ عجالہ نافعہ میں جو تقسیم ہے وہ شہرت اور صحت ہر دو کے اعتبار سے ہے اور مایجب حفظہ، للناظر میں جو تفصیل ہے وہ صرف صحت کے اعتبار سے ہے کیونکہ بہت سی کتب ایسی ہیں جو صحیح تو خوب ہیں مگر درجہ شہرت کو نہیں پہنچیں جیسے صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، منتقی الجارود وغیرہ اور بعض کتابیں ایسی ہیں جو زیادہ صحیح تو نہیں ہیں لیکن شہرت انکی خوب ہے جیسے ابن ماجہ وغیرہ۔ بہرحال حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ مایجب حفظہ للناظر میں کتب حدیث کے پانچ طبقات بیان فرمائے ہیں

پہلا طبقہ

پہلا طبقہ وہ ہے جس کے اندر ایسی کتابیں داخل ہیں جنکی احادیث کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے یہ کہہ سکتے ہیں ھذا صحیح۔ اور اگر کوئی اس کے خلاف کہے تو اس سے دلیل طلب کی جائیگی اس کے اندر صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک، صحیح ابن حبان، مسند ابوعوانہ، مستدرک حاکم وغیرہ داخل ہیں۔ مستدرک حاکم کے بارے میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حافظ ذہبی نے اس کی بہت سی روایات پر نقد و استدراک کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث پر ذہبی نے سکوت کیا ہے اس کے متعلق یہ حکم ہے اور جس پر کلام کر دیا وہ

Marfat.com

طبقہ ثالثہ میں داخل ہے جو آگے آرہی ہے اس لئے کہ حاکم نے مستدرک میں صحاح کے ساتھ ساتھ ضعاف پر بھی صحت کا حکم لگا دیا ہے۔

دوسرا طبقہ وہ ہے کہ ان کتابوں میں جو احادیث مذکور ہیں ان کو ہم صحیح تو نہیں کہہ سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ صالح للاحتجاج ہے یعنی اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ احتجاج کے واسطے صحیح کا ہونا ضروری نہیں بلکہ حسان سے بھی احتجاج ہو سکتا ہے۔ اس طبقہ میں ابو داؤد شریف، نسائی، ترمذی وغیرہ داخل ہیں۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ ابو داؤد، نسائی، تو بالیقین داخل ہیں مگر ترمذی کے داخل ہونے میں کلام ہے اس لئے کہ اس کی بہت سی روایات متکلم فیہ ہیں۔ البتہ میرے نزدیک طحاوی اس طبقہ میں داخل ہے۔ کیونکہ سلف میں سے بعض نے طحاوی کو ابو داؤد شریف کے درجہ میں رکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اسی طبقہ میں مسند احمد بن حنبل کو بھی شمار کیا ہے۔

تیسرا طبقہ وہ یہ ہے کہ اس کی کتب میں جو احادیث آئیں گی ان کے متعلق ہم نہ یہ کہیں گے کہ یہ صحیح ہے اور نہ اس کی تغلیط کریں گے بلکہ غور کریں گے کہ کس درجہ کی احادیث ہیں اس طبقہ میں مصنف عبد الرزاق مصنف ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ اور زوائد مسند ہے۔ زوائد مسند سے مراد یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے احمد بن حنبل مسند احمد پر کچھ روایات کو زیادہ فرمایا ہے جس کو زوائد المسند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چوتھا طبقہ وہ ہے جو پہلے کے بالکل برعکس ہے۔ اس کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب ضعیف ہیں۔ اس طبقہ میں دیلمی کی مسند فردوس اور حکیم ترمذی کی نوادر الاصول اور کتب تفاسیر کی تمام روایات داخل ہیں۔ یہ دونوں وعظ کی کتابیں ہیں ان میں کثرت سے روایات ضعیفہ شامل ہیں۔

پانچواں طبقہ وہ ہے کہ اس کے اندر وہ تمام کتب داخل ہیں جس میں احادیث موضوعہ جمع کر دی گئی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یفشوا الکذب۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرن رابع یا ثالث میں علی اختلاف الروایات افشاء کذب کے متعلق پیشین گوئی فرمائی ہے۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ قرن رابع یا ثالث میں بکثرت احادیث گھڑی گئیں۔ لوگوں نے بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے یہ حدیث گھڑی کہ کبوتر بازی جائز ہے مگر چونکہ اللہ کو اس دین کی حفاظت کرنی تھی اس لئے ایک جماعت ایسی پیدا فرما دی جس نے ان تمام موضوع احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور علامہ سیوطی کی اللالی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ اور دوسری کتاب ذیل اللالی ہے یہ کتاب دراصل اللالی المصنوعہ پر اضافہ ہے کیونکہ علم میں تو ازدیاد ہوتا ہی رہتا ہے امام سیوطی کو اور احادیث ملیں تو انھوں نے ان کو لالی کا ذیل بنا دیا۔ اور انہی کی تیسری کتاب التعقبات علی الموضوعات ہے اس کے اندر علامہ سیوطی نے وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جن کو لوگوں

Marfat.com

نے موضوع بتایا ہے حالانکہ وہ موضوع نہیں ہیں۔ ایک دوسرے محدث ابن جوزی ہیں جو مشہور حافظ حدیث ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ بعض لوگ بعض امور میں تشدد ہوتے ہیں اور بعض متساہل۔ ابن جوزی بہت متشدد ہیں ان کے تشدد کی حالت یہ ہے کہ بخاری کی ایک روایت پر بھی موضوع ہونے کا حکم لگا دیا لیکن علماء نے اس کا انکار کر دیا اور ان کا رد لکھا ایسے ہی بہت سی احادیث کو جو موضوع نہ تھیں ان پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیا۔ ایسے ہی ابوداود شریف کی نو احادیث پر وضع کا حکم لگا دیا۔ اس کے بالمقابل حاکم تصحیح کے اندر بہت متساہل ہیں۔ بہرکیف اس سلسلہ میں کتابیں کافی لکھی گئی ہیں۔ ملا علی قاری کی موضوعات کبیر اور علامہ شوکانی کی الفوائد المجموعۃ بھی اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہیں۔

بحث عاشر سند

سلسلہ سند امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ کا طرۂ امتیاز ہے اور یہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کے اندر نہیں پایا جاتا خواہ وہ ادیان سماوی ہوں یا غیر سماوی کہ وہ بالاسناد المتصل کسی بات کو ذکر کرتے ہوں۔ بخلاف اُمت محمدیہ کے کہ اس کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات بالاسناد منقول ہے۔ محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین اور مشائخ کرام کا طریقہ یہ جاری رہا کہ وہ اپنی اسانید کتاب وہاں تک بیان کرتے تھے جہاں تک وہ معروف ومطبوع نہ ہو۔ میرے اکابر کے زمانے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تک ہمارے اساتذہ سند بیان کرتے تھے اس سے آگے نہیں کیونکہ اس سے آگے مطبوعہ ہے خود حضرت شاہ صاحب نے رسالہ الارشاد الی مہمات الاسناد کے اندر اپنی سند بیان فرمائی ہے اور اس کے اندر اسانید کا جال بچھایا ہے اسی طرح حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کی اسانید الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی کے نام سے عرب وعجم کے اندر مشہور ہیں۔ اور اب میری سند بھی چونکہ اوجز اور لامع کے مقدمہ میں طبع ہوگئی ہے اس لئے اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر چونکہ میرے اکابر کا دستور ہے کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ تک سلسلہ سند بیان فرماتے ہیں اس لئے میں بھی اتباعاً اپنی سند بیان کرتا ہوں۔

میرا ابتدائی دور

میں رجب المرجب ۱۳۲۸ھ میں اپنے وطن کاندھلہ سے یہاں آیا تھا اور نحو میر پڑھنی شروع کی تھی۔ پھر اس کے بعد بقیہ کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۳۲ھ میں پورے سال منطق کی تمام کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد شوال ۱۳۳۳ھ میں دورۂ حدیث تمام کا تمام اپنے والد صاحب سے پڑھا۔ اگرچہ بہت سی کتابیں دورہ کی حضرت سہارنپوری کے یہاں بھی ہوتی تھیں لیکن میرے حضرت اور حضرت شیخ الہند اپنی ایک تحریک پر لمبے سفر کے لئے چلے گئے اس لئے ان کے پاس کوئی سبق نہ ہوسکا۔

پہلی سند

بہرحال میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کی طرف سے سلسلۂ سند یہ ہے کہ انھوں نے حدیث کی ساری کتب قطب الارشاد شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے پڑھیں۔ اور انھوں نے شاہ عبدالغنی المجددی النقشبندی سے اور اُنھوں نے اپنے

Marfat.com

والد ماجد حضرت شاہ ابو سعید صاحب اور حضرت شاہ اسحاق صاحب سے اور ان دونوں نے استاذ الکل حضرت شاہ عبد العزیز صاحب سے اور اُنھوں نے المحدث المکرم الامام المعظم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔

دوسری سند

۱۰ ذیقعدہ ۳۴ھ میں جب میرے والد صاحب کا انتقال ہوا تو میرے حضرت اس وقت بمبئی میں تھے۔ والد صاحب کے انتقال کا تار وہیں پہنچا تھا سفر سے واپس تشریف لاکر خود ہی حضرت نے مجھ سے فرمایا "بخاری اور ترمذی تم اس سال میرے سے پڑھنا" چنانچہ اس سال دوبارہ پڑھی۔ مگر چونکہ والد صاحب کے انتقال کے بعد محبت پدری کی وجہ سے وہ غلبہ ختم ہوگیا تھا اس لئے میں متعدد شروح اور حواشی فتح الباری و قسطلانی وحواشی حضرت گنگوہی دیکھ کر اور لکھ کر لے جاتا تھا محض یہ سوچ کر کہ "حضرت یہ فرمادیں کہ تجھے اب پڑھنے کی ضرورت نہیں مگر تین چار ماہ اسی طرح سے گزر گئے۔ اس دوران میں بعض جگہ حضرت میرے اشکالات کے جوابات بھی نہ دے سکے۔ مگر الحمد للہ میرے دل میں اس کا واہمہ بھی نہیں آیا کہ حضرت نے جواب نہیں دیا۔ بلکہ میں یہ سوچتا تھا کہ تو رات بھر تو کتابیں ٹٹولتا ہے اگر حضرت نے جواب نہیں دیا تو کیا ہوا بھلا وہ کوئی ہندی کی چندی کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ اسی دوران میں ایک دن میں حضرت کے ساتھ آرہا تھا۔ فرمایا "مولوی زکریا بہت دن سے ارادہ تھا کہ ابو داؤد پر کچھ لکھوں۔ لکھنا شروع بھی کیا اس وقت تک میرے حضرت گنگوہی زندہ تھے مگر ان کے انتقال کے بعد طبیعت بجھ گئی۔ پھر سوچا مولوی محمد یحییٰ موجود ہیں ان سے بحث ومباحثہ کرلیا کریں گے مگر ان کے انتقال پر طبیعت بالکل ہی بجھ گئی اور ارادہ ہی نکال دیا تھا مگر اب تم کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ اگر تم ساتھ دو تو ہوسکتی ہے" میں نے کہا حضرت ضرور اور یہ میری دعا کا اثر ہے۔ حضرت میری طرف مڑے اور فرمایا اس کا کیا مطلب؟ میں نے عرض کیا کہ جب میرے والد صاحب نے مشکوٰۃ شروع کرائی تو غسل کرکے دو رکعت نماز پڑھ کر ابتدا کرائی تھی اور پھر قبلہ رو ہو کر نہ جانے کیا کیا دعا کی ہوگی مگر میں نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ حدیث کا سلسلہ بہت دنوں میں شروع ہوا ہے اب یہ میرے ساتھ ہی رہے اس لئے میں بذل لکھوں گا اور اس میں دس بارہ سال لگ ہی جائیں گے اس وقت تک حدیث خود میرے یہاں بھی آجائے گی۔ چنانچہ ۴۵ھ میں بذل ختم ہوئی اور ۴۶ھ کے اندر ہی حدیث پاک کے اسباق میرے یہاں آگئے تھے۔

بہرحال اس کے بعد ۳۵ھ میں یہ ناکارہ مدرس ہوگیا۔ بے دھڑک میں ہمیشہ سے رہا ہوں اس لئے میں نے عرض کیا کہ اس سال ابو داود آپ کے پاس ہوگی۔ فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ ترمذی کے اندر دو گھنٹے لگتے ہیں جس کی وجہ سے بذل لکھنے کا حرج ہوتا ہے اس لئے اگر ابو داود شام کے گھنٹے میں کردی جائے تو آپ کا فائدہ یہ ہوگا کہ صبح کے چار گھنٹے بچ جائیں گے جو آپ کی تصنیف میں کام آجائیں گے۔ اور میرا فائدہ یہ ہوگا کہ میں بھی سماعت کرلوں گا۔ حضرت نے اسے منظور فرمالیا۔ چنانچہ اس سال مدرسی کے ساتھ ساتھ میں نے حضرت سے ابو داود پڑھی پھر اگلے سال میں نے عرض کیا کہ میری مسلم باقی رہ گئی ہے اس کو بھی پڑھادیں۔ چنانچہ دوسرے سال حضرت نے مسلم شریف پڑھائی۔ میرے حضرت کی سند یہ ہے

Marfat.com

کہ میں نے حضرت اقدس آقائی مولانا خلیل احمد صاحب سے اور اُنھوں نے مولانا الشاہ محمد مظہر صاحب نانوتوی سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سے اور انھوں نے استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے اور اُنھوں نے حضرت مولانا رشید الدین صاحب بخاری ثم دہلوی سے اور اُنھوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے اور اُنھوں نے حضرت اقدس مسند ہند شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے کتب احادیث پڑھیں۔

تیسری سند

میری اجازت کی ہے۔ میں یہ سند بیان کرنے سے پہلے ایک مختصر سی بات بتلاؤں۔ وہ یہ کہ ہمارے مدرسہ میں ایک مدرس حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب بھی تھے وہ یہاں کے ابتدائی طالب علم تھے۔ یہیں سے وہ فارغ ہو کر معین مدرس ہو گئے اس کے بعد ترقی کرتے کرتے مدرس دوم بن گئے اور چونکہ ہمارے مدرسہ میں بہت سے ملازم رکھنے کا دستور نہیں تھا اس لئے یہ مولانا عنایت الٰہی مدرس دوم بھی تھے محرّر اور مہتمم بھی تھے اور جتنی عدالتی کارروائیاں ہوتی تھیں ان سب کے نگراں بھی تھے۔ بڑے پرہیزگار اور متقی تھے ان کی پرہیزگاری کا یہ حال تھا کہ اپنا قلم، کاغذ، دوات الگ رکھتے تھے اگر گھر کوئی پرچہ لکھنا ہوتا تو ذاتی قلمدان سے لکھتے تھے مدرسہ کے کاغذ پر نہیں لکھتے تھے۔ مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے اور میں بھی ان سے بڑا بے تکلف تھا۔ میں نے کہہ رکھا تھا کہ اگر دیر سویر ہو جایا کرے تو میرے یہاں سے کھانا منگوا لیا کریں۔ ایک بار غایت محبت کی بنا پر مجھ سے فرمانے لگے کہ مولوی زکریا جس قدر استعدادیں فوت ہو رہی ہیں اور ناقص ہوتی جا رہی ہیں اسی قدر سندوں کے اندر زینت بڑھتی جا رہی ہے میں تمہیں اپنی سند دکھلاؤں گا ایک مٹیالے کاغذ پر ہے جس سے پنساری بھی سودا نہ باندھے۔ میں نے کہا "جی بہت اچھا ضرور دیکھوں گا" ایک بات تھی آئی گئی ہو گئی۔ ان کا مکان محلہ قاضی میں تھا۔ مدرسہ سے نکلنا میرے لئے مشکل تھا حتیٰ کہ ایک بار میرا جوتہ کسی نے مدرسہ (قدیم) سے اُٹھا لیا تو چونکہ بیت الخلاء مدرسہ کے اندر ہی ہے اور مدرسہ سے متصل مسجد ہے۔ اس زمانے میں تعلیم بھی یہیں ہوا کرتی تھی اور والد صاحب کے ساتھ میرا بھی کھانا آجاتا تھا اس لئے پورے چھ ماہ تک باہر نکلنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اسی طرح جب میں مدینہ منورہ ہجرت کے اختتام کے سال گیا تو لوگ تو وہاں جا کر مشاہد متبرکہ کو دیکھنے لگ جاتے تھے لیکن میں کہیں نہیں جاتا تھا۔ بس لیٹا ہوا کتاب ہی دیکھتا رہتا تھا۔ میرا اور حضرت کا قیام مولانا سید احمد صاحب جو کہ حضرت مدنی کے بڑے بھائی تھے کے یہاں رہتا تھا وہاں کے علماء آکر مولانا سے کہتے کہ یہ ہندی لوگ دو، تین دن کے لئے آتے ہیں اور سب کچھ دیکھ لیتے ہیں مگر یہ کیسا ہندی ہے کہ کہیں جاتا ہی نہیں بس کتاب ہی دیکھتا ہے۔ بہرحال ایک مرتبہ مولانا عنایت الٰہی صاحب بیمار ہوئے میں کسی ضرورت سے محلہ قاضی گیا۔ سوچا کہ مولانا سے بھی ملتا جاؤں۔ یہ سوچ کر حاضر ہوا دروازے پر دستک دی حضرت اندر سے تشریف لائے۔ میں نے کہلوایا بھی کہ تشریف نہ لائیں دِقّت ہو گی لیکن تشریف لائے اور خیریت دریافت فرمائی پھر فرمایا مولوی زکریا وہ سند تم نے دیکھنے کو کہا تھا۔ میں نے عرض کیا پھر کبھی دیکھ لوں گا فرمایا نہیں ابھی دیکھتے جاؤ۔ مجھے مجبوراً رُکنا پڑا۔ اندر تشریف لے گئے اور ایک مٹیالا کاغذ لائے جس پر حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کے دستخط اور مولانا احمد علی صاحب کی مہر تھی۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔

Marfat.com

"عنایت الٰہی طالب علم مدرسہ نے ہم سے پڑھا اور اچھا پڑھا۔"

بس یہ آدھی سطر کی سند ہے لیکن اب تمہاری سندوں پر العلامۃ الفلاں بن فلاں لکھا جاتا ہے لیکن پہلے سند ایسی ہوا کرتی تھی۔ مولانا وہ سند مجھ کو دینے لگے کہ اس تبرک کو تم لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ "اجی میں کیا کروں گا۔ البتہ اگر آپ اس پر مجھے اجازت (حدیث) لکھ کر دیدیں تو میرے لئے بھی کارآمد ہے۔" چنانچہ اُنھوں نے اس پر مجھے اجازت لکھ کر دی جواب تک میرے پاس محفوظ ہے۔ الحاصل مجھے اجازت حاصل ہے۔ حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب سابق مہتمم مدرسہ ہذا سے اور انھوں نے پڑھا حضرت مولانا محمد مظہر صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا اور حضرت اقدس مولانا الشاہ احمد علی صاحب محدث و محشی بخاری و بانی مدرسہ ہذا سے اور مولانا احمد علی نے پڑھا حضرت مولانا وجیہ الدین صاحب سہارنپوری اور حضرت شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی سے اور اُنھوں نے پڑھا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے اور انھوں نے پڑھا اپنے والد ماجد مسند ہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہم دہلوی سے اس سند میں حضرت مولانا احمد علی صاحب کا نام نامی آیا ہے۔ یہ پہلے کبوتر بازی کیا کرتے تھے اور بکثرت کبوتر پالا کرتے تھے۔ ایک بار کبوتر بازی کی غرض سے میرٹھ تشریف لیگئے جب انکی باری آئی تو کسی نے یہ کہدیا کہ "دیکھو یہ آئے ہیں علمی خاندان سے تعلق رکھنے والے" یہ بات ان کے دل کو لگی سب چھوڑ چھاڑ علم حاصل کیا اور حدیث تک پہنچے۔ اول مرتبہ حدیث مولانا وجیہ الدین صاحب سے پڑھی۔ جن کا حال مجھے معلوم نہیں۔ پھر حجاز جاکر حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب سے پڑھی اور پڑھنے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ صبح سے ظہر تک حدیث نقل کرتے تھے اور پھر ظہر بعد سے عصر تک حضرت مولانا سے پڑھا کرتے تھے۔ اِن کا خط بہت ہی عمدہ اور پاکیزہ تھا جیسے موتی بذل المجہود کے اندر جہاں کہیں نسخہ قلمیہ کا ذکر ہے اس سے مراد انہی کی ابو داود ہے۔ یہ تو سند کے متعلق بحث تھی جو ختم ہوگئی اس کو لامع کے مقدمہ اور اوجز کے اندر بھی لکھدیا ہے۔[۵]

---

[۵] ان تمام مذکورہ سندوں کو حسب ذیل نقشے میں بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

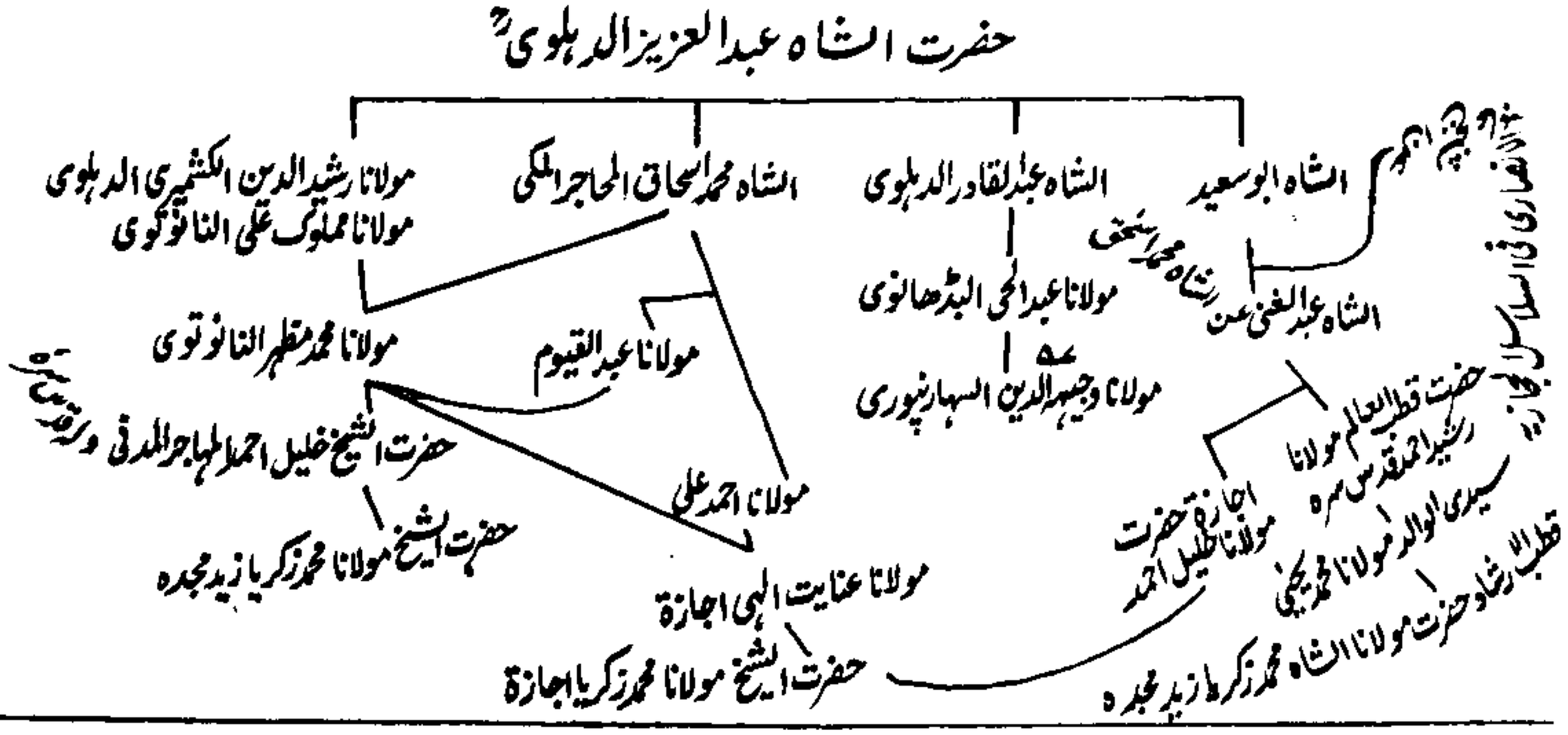

---

[۵] وھو الاخ الکبیر الشیخ لطف اللہ والد مولانا احمد علی المحدث الشہیر السہارنپوری کما فی ارواح ثلثہ ص منقول از مقدمہ۔

Marfat.com

سلسلۂ اسناد اور حضرت شاہ صاحب

ہندوستان کے اندر کوئی حدیث پڑھنے پڑھانے والا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے نکل کر نہیں جا سکتا۔ میں نے اپنی جوانی کے زمانہ میں بڑی تحقیق کی۔ قادیانیوں اور بدعتوں اور اسی طرح اہل حدیث کو خطوط لکھے کہ وہ اپنا سلسلۂ سند لکھ کر بھیجیں۔ جس کے پاس سے بھی جواب آیا اس میں منتہائے سند حضرت شاہ صاحب ہی تھے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ باہر جا کر عرب وغیرہ میں سند حاصل کرے جیسے میرے حضرت کی پانچ سندیں ہیں۔ تین سندیں ہندی ہیں۔ جن کی اصل حضرت شاہ ولی اللہ تک پہنچتی ہے اور دو سندیں حجازی۔ ایک مکہ معظمہ کے مفتی شافعیہ کی جانب سے دوسرے مدینہ منورہ کے مفتی حنفیہ[۵] سے

بحث حادی عشر آداب طالب

یہ میرا ایک نہایت اہم عنوان اور مبحث ہے اور پہلے میں ہمیشہ اس کو نہایت اہمیت کے ساتھ بیان کیا کرتا تھا اور اس پر عمل بھی خوب کرایا کرتا تھا لیکن اب ہم اس قابل نہیں رہے اس لئے بیان کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اگرچہ یہ بہت لمبی بحث ہے مگر میں نہایت مختصر طور پر اب بھی بیان کرتا ہوں۔ اُن میں سب سے پہلے اخلاص نیت ہے اس[۱] کے بعد درس کی پابندی ہے۔ میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میری کوئی حدیث نہیں چھٹی۔ یا تو میں نے پڑھی یا میرے ساتھی نے۔ والد صاحب کے درس میں تو یہی بات میں بھی کہہ سکتا ہوں اور بہ زور کے ساتھ کہہ سکتا ہوں لیکن اپنے حضرت کے یہاں کچھ عوارض کی بنا پر ایک دو حدیثیں رہ گئی ہوں گی۔ میں نے اپنے والد صاحب کے یہاں اس کا بھی اہتمام کر رکھا تھا کہ کوئی حدیث بلا وضو[۲] پڑھی جائے۔ میرا ایک دوست تھا حسن احمد محلہ کھالہ پار کا رہنے والا تھا اس قدر نیک تھا کہ کبھی کوئی فحش بات میں نے اس کی زبان سے نہیں سُنی۔ ہم دونوں نے یہ التزام کر رکھا تھا کہ جب کوئی ہم میں سے وضو کے لئے اُٹھے تو دوسرے کو کہنی مار دے تاکہ دوسرا ساتھی اپنے استاذ کو کسی اعتراض میں مشغول کر دے تاکہ حدیث نہ رہ جائے۔ ایک دو مرتبہ تو والد صاحب نے اس کو دیکھا لیکن جب چند بار اس کی نوبت آئی تو سمجھ گئے اسی درمیان میں میرا وہ ساتھی وضو کے لئے اُٹھا میں نے فوراً کہہ دیا کہ "ابن ہمام نے فتح القدیر کے اندر یہ لکھا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے"۔ میرے والد صاحب نے فرمایا کہ ہم تمہارے ابن ہمام سے کہاں لڑتے پھریں گے جب تک تمہارا ساتھی آئے ہم سے ایک قصہ سُن لو۔ اس کے بعد میرے والد صاحب کا معمول ہو گیا کہ جب بھی ہم میں سے کسی کو اُٹھتا دیکھتے تو حدیث روک کر قصہ سنانا شروع کر دیتے مگر میرے حضرت کے یہاں چونکہ یہ بات نہیں تھی اس لئے ایک دو حدیثیں چھوٹ بھی گئیں۔ تیسری[۳] چیز صف بندی ہے سبق میں انتشار کے ساتھ نہ بیٹھے۔ چوتھی[۴] چیز یہ ہے کہ درس میں نہ سوئے۔ اگر میرے یہاں کوئی سوتا تھا تو اس کی عزت افزائی ہاتھ سے کیا کرتا تھا اور اس کے پاس پہنچکر ایسا رسید کرتا کہ چار[۴]، پانچ[۵] روز تک تو اس کو نیند نہ آتی تھی اور خواص کے بچوں اور عزیزوں کی

---

۵ تفصیل کے لئے حضرت اقدس کی سوانح حیات "تذکرۃ الخلیل" مطبوعہ کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

خبر زیادہ لیا کرتا تھا کیونکہ دوسرے لوگ تو احتراماً ان کو کچھ نہیں کہتے تھے اور میں خوب مارتا تھا۔ میرے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا ایک عزیز تھا سبق میں سویا کرتا تھا میں نے اس کو تنبیہ کی اور مارا حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی اہلیہ محترمہ نے حضرت سے شکایت کی کہ اس کو انہی کے سبق میں نیند آتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص طالب علم کی رعایت کر کے اس کو مارے اور اس کو تنبیہ کرے تو کیا اس کو روکا اور منع کیا جائے گا ظاہر ہے کہ جب ان کے درس میں سوتا ہے تو دوسرے اساتذہ کے یہاں بھی سوتا ہوگا۔ پانچویں چیز یہ ہے کہ کتاب پر ٹیک نہ لگائے بالخصوص بخاری شریف جو کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ چھٹی چیز یہ ہے کہ غیر حاضری نہ کرے کیونکہ یہ میرے یہاں ایک سنگین جرم ہے۔ ساتویں یہ کہ اس کا بھی خیال رکھنا کہ میں ہمیشہ حدیث پاک میں اگر کوئی گالی کا لفظ آئے تو اس کا صاف صاف وہی ترجمہ کرتا ہوں تو ریہ نہیں کرتا لہٰذا اس کے ترجمہ کو نہایت وقار کے ساتھ سنا کرو اس پر ہنسنا یہ اس کا استہزا شمار ہوگا اس سے ہمیشہ بچو۔ اگر ہنسی ضبط نہ ہو تو مجبوری و معذوری ہے نیچے منہ کر کے ہنسا کرو۔ آٹھویں یہ کہ حضرات ائمہ اربعہ مجتہدین یہ ائمہ حدیث سے پہلے ہیں اور ائمہ اربعہ کا زمانہ ائمہ حدیث کے زمانہ سے کافی قبل کا ہے لہٰذا اگر کوئی حدیث پاک کسی امام کے خلاف نکل آئے اور تم کو اس پر مطلع کر دیا جائے تو اس سے اس امام کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی نہ کرنا یا کوئی جملہ ان کی شان کے خلاف ہرگز زبان سے نہ نکالنا بلکہ دل میں ہر ایک کی عزت برابر ہونی چاہیئے۔ نویں یہ کہ اساتذہ کا ادب کرے ایسے ہی کتب حدیث کا کیونکہ وہ رسول کریم علیہ السلام کا کلام ہے۔ دسویں یہ کہ بعض غالی مقلدین کی طرح ائمہ حدیث پر کوئی اعتراض نہ کرے فتلك عشرة كاملة

چند ضروری باتیں

(۱) دیکھو اصل دین قرآن و سنت ہے اور بس۔ آج کل عام طور سے مبالغہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ علم فقہ کو احناف وغیرہ نے احادیث و قرآن کا مدّ مقابل ٹھیرا رکھا ہے یہ جہالت ہے یا تجاہل۔ دراصل علم فقہ کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ علم فقہ کے بانی امام صاحب، امام مالک، امام شافعی امام احمد وغیرہ کی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا بلکہ کسی صحابی کے سامنے کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں جیسے قرآن کا سمجھنا موقوف ہے احادیث پر ایسے ہی علم حدیث کا سمجھنا اور اس میں بصیرۃ حاصل کرنا موقوف ہے علم فقہ پر جس طرح حضرات محدثین نے دن رات ایک کر کے احادیث جمع کیں ہیں ایسے ہی مجتہدین (فقہاء) حضرات نے اپنی پوری کوشش اور دن رات اس پر لگایا اور احادیث مجملہ کی توضیح کی، اختلاف روایات اور آپس کے تعارض کو ختم کیا اور تمام احادیث کا خلاصہ پکا پکایا ہمارے سامنے رکھ دیا۔ مثلاً تم پڑھو گے ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرتؐ میں اگر روزے میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لوں؟ آپ نے فرمایا ہرگز ایسا مت کرنا۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص اور آیا اور اس نے بھی بوسہ کی اجازت مانگی آپ نے اجازت مرحمت فرما دی، فرمایا کہ لے لیا کرو اب ہم لوگوں کے نزدیک دونوں میں تعارض ہوگیا اور ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ان دونوں حدیثوں کا کیا کریں لیکن حضرات فقہائے ان کے درمیان جمع فرمایا اور نہایت تتبع و تلاش کے بعد یہ بتلایا کہ اول اجازت چاہنے والا ایک نوجوان شخص تھا آپ نے اس کو اجازت نہیں دی کیونکہ وہ جوش کی وجہ سے تقبیل سے آگے بھی قدم بڑھا سکتا تھا بخلاف دوسرے شخص کے جو بعد میں اجازت طلب کرنے آیا تھا وہ شیخ اور بوڑھا تھا اور اس کو اپنے اوپر اطمینان تھا۔ اب اس طریقہ سے

Marfat.com

جمع فرمانا انہی حضرات کا کام تھا۔

(۲) حضرت امام ابوحنیفہؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہے تو گویا حضرت امام اعظم کا انتقال امام بخاری سے چوالیس ۴۴ سال قبل ہوگیا تھا۔ لہٰذا اب اگر امام بخاری کے زمانے میں کوئی روایت رُواۃ کے ضعف کی بنا پر ضعیف ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت امام اعظم کے زمانہ میں بھی وہ روایت ضعیف رہی ہو کیونکہ درمیان میں چالیس سال سے بھی زیادہ کا عرصہ ہے ممکن ہے کہ اس درمیان میں کوئی راوی ضعیف نکل آیا ہو۔ نیز امام اعظم احناف کی تحقیق کے مطابق تابعی ہیں۔ ایسی صورت میں تو امام صاحب کی کسی بھی روایت پر کلام نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ نے جو بھی روایت سُنی ہوگی وہ صحابی سے سُنی ہوگی اور الصحابۃ کلھم عدول کے تحت ہر روایت صحیح ہے اور اگر امام اعظم کو دوسرے علماء کی تحقیق کے مطابق تبع تابعی فرض کر لیا جائے تب بھی امام اعظم کی روایات پر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں حضورؐ کے درمیان دو واسطے ہونگے پہلا واسطہ صحابی کا اور اس کے عدل ہونے میں کسی کو شک نہیں۔ اب رہ گئے تابعی اس کے اندر اگر کچھ شک ہو سکتا ہے تو اس کا جواب احناف کی طرف سے ایک کلیہ کی شکل میں یہ ہے کہ میں اپنے استاذ کو زیادہ جانتا ہوں یا تو۔؟ یقیناً جو بعد میں پیدا ہوا ہے وہ کس طرح سے اپنے سے پہلے کو سمجھ سکتا ہے لہٰذا امام ابوحنیفہ کی ہر حدیث صحیح ہے اور کسی کا ان کی مرویات کو ضعیف کہنا غلط ہے۔ اس مختصر سی بات سے بہت سے اشکالات انشاء اللہ مندفع ہو جائیں گے۔ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

(۳) میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ امام بخاری نے تیئیس ۲۳ سال تک بخاری شریف پڑھائی (یہاں پہنچکر حضرت نے بطور تحدیث بالنعمۃ کے فرمایا کہ میں نے امام بخاری سے زیادہ پڑھائی ہے) اس مدت میں ان کے نوے ہزار نسخے ہونے چاہئیں حالانکہ نسخے چند ہی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شخص تعلیم و تعلّم سے فراغت کے بعد پڑھنے پڑھانے میں نہیں لگتا بلکہ اس میں تو وہی لگتا ہے جو کہ غریب ہو یا انتہائی مخلص۔ یہاں ایک تجربہ کی بات سنو وہ یہ کہ کسی ناظم مدرسہ کو ہرگز یہ نہیں چاہیئے کہ وہ کسی مدرس کو بلا تنخواہ رکھے اس کی وجہ یہ ہے کہ اب وہ اخلاص تو رہا نہیں جو سلف کے اندر تھا کیونکہ وہ تعلیم کو سب چیزوں پر مقدم رکھتے تھے۔ ہم نے بہتوں کو بغیر تنخواہ کے معین مدرس رکھا لیکن وہ معاش کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسباق میں ہرج ہونے لگا آج یہاں جا رہے ہیں اور کل وہاں۔ بالآخر ان کو جواب دینا پڑا۔

(۴) محدثین کے پانچ مرتبے ہیں۔ اول وہ مبتدی ہے جو خلوص نیت کے ساتھ حدیث پاک پڑھے یہ پہلا درجہ ہے اس کے بعد محدث یا شیخ الحدیث کا درجہ ہے اس کی تعریف میں اختلاف ہے اکثرین کی رائے یہ ہے کہ جو مسند درس پر بیٹھ کر حدیث پڑھائے اور بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ محدث یا شیخ الحدیث اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کو بیس ہزار احادیث متناً و سنداً یاد نہ ہوں۔ اس کے بعد حائط یا حافظ کا درجہ ہے۔ حافظ وہ شخص کہلاتا ہے جس کو ایک لاکھ احادیث سند اور متن کے ساتھ یاد ہوں۔ اس کے بعد حجۃ ہے محدثین کی اصطلاح میں حجۃ وہ شخص کہلاتا ہے جس کو تین لاکھ احادیث سنداً و متناً یاد ہوں۔ اس کے بعد حاکم ہے حاکم وہ شخص کہلاتا ہے جس کو تمام احادیث متناً و سنداً جرحاً و تعدیلاً یاد ہوں۔

Marfat.com

(۵) امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے چار لاکھ احادیث سے ابوداود کے لئے احادیث کا انتخاب کیا تھا۔ اور پھر چار حدیثیں پوری ابوداود سے منتخب کیں ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) انما الاعمال بالنیات الخ (۲) لایومن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ (۳) من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ (۴) الحلال بین والحرام بین وبینھما امور مشتبھات فمن اتقی الشبھات استبراء لدینہ وعرضہ اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم ۔
امام ابوداؤد کی پیدائش ۲۰۲ھ میں ہے۔ اور امام بخاری نے پانچ لاکھ اور دوسرے قول کی بنا پر چھ لاکھ احادیث سے بخاری کے لئے تین ہزار دو سو پچھتر احادیث کا انتخاب کیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ امام بخاری کو تین لاکھ صحیح اور تین لاکھ غیر صحیح احادیث یاد تھیں۔

الحمدللہ آج مورخہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ کو مقدمہ تقریر بخاری کی ترتیب وعناوین سے محض اللہ جل شانہٗ کے فضل سے فراغت حاصل کی۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے اور اپنے حبیب پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس کو قبول فرمائیں۔ آمین

دعاؤں کا محتاج
بندہ محمد شاہد غفرلہٗ سہارنپوری
(۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بسم اللہ پر تم کافیہ سے اب تک کلام سنتے چلے آئے ہو مختصراً یہاں بھی سُن لو۔ کوفیین کے نزدیک یہاں ابتدائی مقدر ہے یعنی ابتدئ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بصریین کے نزدیک ابتدائی مقدر ہے یعنی ابتدائی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کوفیین نے فعل مقدر مانا ہے کیونکہ وہ تجدد پر دلالت کرتا ہے اور بصریین نے اسم اس لئے مقدر مانا ہے کہ جملہ اسمیہ دوام پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ زمخشری نے اس کا متعلق لفظ اقراء مقدر مانا ہے یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اقراء اور ان لوگوں نے جو لفظ ابتدءُ یا ابتدائی محذوف مانا ہے اس کو اس وجہ سے رد فرما دیا کہ اس صورت میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ ابتدا اللہ کے کلام و نام سے نہیں ہوئی بلکہ خود تمہارے اپنے کلام سے ہوئی اور دوسری خرابی یہ ہے کہ اللہ کا نام صرف ابتدا کے ساتھ مخصوص ہوا۔ اور اقراء مقدر ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا پاک نام پوری قرأت کے ساتھ شامل حال رہے گا دوسرے یہ کہ ابتدا اللہ تعالیٰ کے کلام و نام سے ہوگی۔ یہاں ایک بہت بڑا اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے بخاری شریف کو خطبہ کے ساتھ شروع نہیں فرمایا اور بسملہ کے بعد احادیث شروع فرما دیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کل امر ذی بال لم یبدء بحمد اللہ فھو ابتر۔ لہٰذا اس حدیث کے تحت ان کو حمدلہ ذکر کرنا چاہیئے اس کے متعدد جوابات تم کافیہ میں بھی پڑھ چکے ہو کیونکہ وہاں بھی مصنفِ کافیہ نے اپنی کتاب کو بغیر حمدلہ کے شروع فرمایا ہے البتہ چند اور جوابات جو یہاں کے مناسب ہیں ان کو سنو۔

جواب ۱ جس حدیث کے اندر حمدلہ کا ذکر ہے وہ حدیث چونکہ امام بخاری کے شرائط کے مطابق نہیں۔ اس وجہ سے مصنف نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

جواب ۲ چونکہ بخاری شریف کے اندر باریکیاں بے انتہا ہیں تو یہاں بھی مصنف نے ایک باریکی پیدا کی ہے وہ یہ کہ حمدلہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کے اوصاف کمالیہ کا اظہار کرنا ہے اور یہ مقصود خود بسم اللہ الرحمن الرحیم سے پورا ہو گیا لہٰذا یہی حمدلہ کی جگہ کافی ہے۔ یہ جواب میرے والد صاحب کا ہے۔

جواب ۳ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ میں نے بعض اساتذہ کبار سے سُنا ہے کہ اس کے بعض نسخوں میں حمدلہ ہے۔ امام بخاری نے ابتدائے کتاب میں حمدلہ لکھی تھی جس طرح کہ اپنی دوسری تصنیفات میں لکھی ہے لیکن اس جواب کو حافظ ابن حجر نے رد کر دیا وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی کتابیں مؤطا وغیرہ بسملہ سے شروع ہیں ان میں حمدلہ نہیں ہے اگر کہیں ہوگی تو وہ الحاقی ہے۔

Marfat.com

جواب۴ یہ ہے کہ تأسی بالقرآن کی ہے اسلئے کہ سب سے پہلی آیت اقرا باسم ربک اور سب سے پہلی سورت سورۂ مدثر صرف بسم اللہ سے شروع ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے مؤطا، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ سب بغیر خطبہ کے شروع کی گئی ہیں۔

جواب۵ شان نزول وغیرہ سے معلوم ہوا کہ حدیث کل امر ذی بال الخ خطب وغیرہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس لئے کہ اس زمانے میں خطبہ وغیرہ کا افتتاح اشعار سے کرنے کا رواج تھا۔

جواب۶ یہ ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب کو کتاب ہی نہیں سمجھا (جس کی بنا پر بسملہ وغیرہ لکھتے) مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ بخاری جو اصح الکتب ہے اور جس کے اندر ہر حدیث وضو کر کے لکھی گئی ہے اس کو بھی ذی بال (مہتم بالشان) نہیں سمجھا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس حیثیت سے کہ خود یہ مصنف کی تصنیف ہے تو اپنی طرف نسبت کو حقیر سمجھتے ہوئے حمدلہ وغیرہ سے تعرض نہیں کیا۔

جواب۷ حدیث بالا میں جو حمدلہ کا حکم مذکور ہے تو اس سے مقصود ابتدا بالحمد ہے۔ کتابت حمد مقصود نہیں اور تصنیف و تالیف کا کام بسملہ و حمدلہ سے شروع ہوتا ہی ہے تو یقیناً مصنف امام نے بسم اللہ پڑھ کر کتاب شروع فرمائی ہوگی۔

جواب۸ یہ ہے کہ تأسی بالحدیث الشریف فرمائی اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے خطوط ہیں وہ صرف بسملہ کے بعد بدون حمدلہ کے من محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے شروع ہوئے ہیں۔

جواب۹ اللہ تعالیٰ نے تقدم بین یدی اللہ تعالیٰ ورسولہ سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ اگر مصنف حمد ذکر فرماتے تو یہ تقدم علی اللہ والرسول ہو جاتا ہے اس لئے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔

جواب۱۰ یہ ہے کہ حدیث ابتداً منسوخ ہے۔

جواب۱۱ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے سخت اصرار پر یہ ناکارہ ۱۳۸۴ھ میں حج و زیارت کے لئے گیا تھا وہاں مدینہ منورہ میں ایک خواب دیکھا کہ یہ ناکارہ مسجد نبوی میں بخاری شریف پڑھانے پر مامور ہوا۔ مجھے بہت ہی فکر سہم اور اپنی ناقابلیت کا استحضار بار بار عذر معذرت پر میں نے کہا کہ میں کتابیں وغیرہ ساتھ نہیں لایا کہ بوقت ضرورت مراجعت کر سکوں امام بخاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں پاس بیٹھا رہا کروں گا اور مدد دیتا رہا کروں گا۔ سبق شروع ہو گیا۔ میں نے شروع میں خطبہ نہ ہونے کے متعلق جو توجیہات ہم کیا کرتے ہیں شروع کیں حضرت امام بخاری پاس تھے انھوں نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ اس کی تالیف کتابی صورت سے نہیں ہوئی بلکہ الگ الگ کراس (اجزاء) کتاب العلم، کتاب الطہارۃ وغیرہ تالیف ہوتے رہے بعد میں ان کو مرتب کر لیا گیا اس لئے خطبہ کی نوبت نہیں آئی۔

باب اصل میں بوب تھا واؤ کو الف سے بدل دیا باب ہو گیا یہ اجوف واوی ہے کیونکہ اس کی جمع ابواب آتی ہے لفظ باب میں علماء کے تین اقوال ہیں اول یہ کہ یہ اضافت کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ تنوین کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تیسرے یہ کہ وقف کے ساتھ پڑھا جائے گا اسمائے معدودہ کے طرز پر۔ لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ

Marfat.com

وقف اشیاء معدودہ میں وہاں ہوتا ہے جہاں پر ان کے درمیان فصل نہ ہو اور یہاں ابواب کے درمیان فاصلے ہیں۔ یہ آخری توجیہہ علامہ کرمانی کی ہے۔ اگر تنوین کے ساتھ ہو تو کوئی اشکال نہیں لیکن اگر اضافت کے ساتھ ہو تو اشکال یہ ہوگا کہ کیف صدارت کلام کو چاہتا ہے اور وہ یہاں پر نہیں ہے کیونکہ کیف باب کے تحت واقع ہو رہا ہے۔ لہٰذا صدارت کہاں رہی اس کا جواب یہ ہے کہ صدارت کا مقصد اس جملہ کے ابتدا میں واقع ہونا ہے جس کو لفظ کیف سے شروع کیا جا رہا ہے اور یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ کان کے ابتدا میں واقع ہے اور پھر سارا جملہ باب کا مضاف الیہ بنا دیا گیا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بخاری کے دوسرے نسخوں میں اس مقام پر لفظ باب موجود نہیں ہے۔ اشکال یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو باب سے تعبیر فرمایا کتاب سے کیوں تعبیر نہیں فرمایا۔ باوجودیکہ آئندہ بہت سے تراجم کو کتاب سے تعبیر فرما دیں گے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ کتاب سے اس وجہ سے تعبیر نہیں فرمایا تاکہ آئندہ آنے والی کتاب اس کی قسم نہ بنے کیونکہ وحی مقسم ہے اور باقی تمام ابواب آتیہ خواہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے سب کی سب قسمیں ہیں وحی کی۔ لہٰذا اگر تمام کو کتاب کے عنوان سے تعبیر فرماتے تو کوئی بھی مقسم نہ رہتا تو فرق پیدا کرنے کے لئے مقسم کو باب سے اور باقی کو کتاب سے تعبیر فرما دیا یہاں پر بعض نسخوں میں باب کا لفظ نہیں جیسا کہ حافظ نے نقل کیا ہے۔ مصنفین کا قاعدہ ہے کہ وہ مضامین مختلفہ کو کتاب سے اور ایک نوع کے مضامین کو باب سے اور ایک جزئی کی تالیف کو فصل سے تعبیر کرتے ہیں۔

کیف کان

یہاں سے امام بخاری یہ بتلا رہے ہیں کہ وحی کی ابتدا کیونکر ہوئی تو گویا یہ ایک سوال ہے کیفیت کے متعلق۔ لیکن میں نے متعدد بار خود بخاری کے ابواب کو شمار کیا ہے تو پہلی جلد میں بیس ابواب اور جلد ثانی میں دس باب ایسے ہیں جن کے اندر اصالتہً لفظ کیف کان واقع ہوا ہے اور اصالتہً کا مطلب یہ ہے کہ کہیں پر امام بخاری نے باب و ترجمہ ذکر کرنے کے بعد کیف وغیرہ کہہ دیا مگر وہاں کیفیت وغیرہ کچھ بھی مقصود نہیں۔ بخلاف ان تیس بابوں کے۔ شراح نے ہر جگہ کیفیت بیان کرنے کے واسطے مختلف توجیہات بیان کی ہیں جن کو میں اپنے مواقع پر بیان کروں گا۔ مثال کے طور پر تم اسی باب کے اندر دیکھ لو کہ پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات ذکر فرمائی ہے اور اس کے اندر وحی کی کیفیت کا قطعاً بھی ذکر نہیں۔

چکی[عہ] کا پاٹ ان سارے ابواب کے اندر یوں ہے کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ تعالیٰ کا مقصود ان ابواب سے جن کو کیف کان سے شروع فرماتے ہیں۔ کیفیت کو بیان کرنا نہیں بلکہ میں تو غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جہاں کہیں اختلافِ روایات ہو یا علماء کا اختلاف ہو یا احوال کے اندر اختلاف ہو تو امام بخاری اس اختلاف پر متنبہ کرنے کے لئے کیف کان سے باب باندھتے ہیں۔ اب رہ گیا وہ اختلاف وہ تم کسی اور جگہ تلاش کر لو اس کا امام بخاری نے ٹھیکہ نہیں لیا۔ مثلاً احوال کے اندر اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ ایک حال وحی کا مثل صلصلۃ الجرس ہے اور ایک

عہ یہ حضرت شیخ دام مجدہٗ العالی کی اپنی ایک اصطلاح ہے جس کو ہم مقدمہ تقریر بخاری میں ذکر کر چکے ہیں (شاہد)

Marfat.com

حال خواب وغیرہ کا ہے تو امام بخاری نے تنبیہہ فرمادی کہ یہ مت سمجھو کہ وحی کی حالت ایک ہی ہے بلکہ احوال مختلفہ ہیں۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کی رائے جیسا کہ اُنھوں نے اپنے تراجم کے اندر بسط کے ساتھ بیان فرمائی ہے یہ ہے کہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ امام بخاری بسا اوقات کوئی ترجمۃ الباب باندھتے ہیں مگر اس سے اس کے ظاہر معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ کچھ اور مراد ہوا کرتا ہے ایسے ہی یہاں بھی کیف کان سے کیف بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ عظمتِ وحی کو بتلا رہے ہیں کہ وحی جیسی عظیم الشان چیز کی ابتدا کیسے ہوئی تو آنے والی روایات نے بتلا دیا کہ ان اخلاقِ عالیہ پر ہوئی۔ میرے کہنے اور حضرت شیخ الہندؒ کے فرمان کا مطلب تقریبًا ایک ہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ حضرت نے اس کو صرف اسی باب کے ساتھ مخصوص فرمادیا اور میں نے پورے تیس[۳] ابواب کے اندر اس کو جاری کردیا۔ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یوں ہے کہ بسا اوقات امام بخاری ایک مرکب باب باندھتے ہیں اب یہ ضروری نہیں کہ ترجمہ کا ہر ہر جزء روایت سے ثابت ہوجائے بلکہ اگر کوئی سا جزء بھی کسی روایت سے ثابت ہوجائے تو یہی کافی ہے چنانچہ یہاں پر وحی کا ثبوت ہو رہا ہے۔ اور حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی رائے مبارک یہ ہے کہ ہر حدیث مذکور فی الباب سے الگ الگ ترجمہ کا ثابت کرنا ضروری نہیں بلکہ کسی ایک روایت سے اگر ترجمہ ثابت ہوجائے تو کافی ہے۔ فرق حضرت گنگوہیؒ اور علامہ عینیؒ کے درمیان یہ ہے کہ علامہ مذکور کے نزدیک تو کسی ترجمہ کے جزء کا ثابت ہوجانا کافی ہے اور حضرت گنگوہی کے نزدیک ترجمہ کا ثابت ہوجانا کافی ہے خواہ وہ کسی روایت سے ہو۔

بدؤ یہ لفظ بخاری کے مشہور نسخوں میں با کے فتحہ اور دال کے سکون اور ہمزہ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جس کے معنی ابتدا کے ہیں اور علامہ عینی نے بعض شراح سے بُدُوٌّ بضم الاول والثانی وتشدید الواؤ نقل کیا ہے جس کے معنی اظہار اور ظہور کے آتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ یہ ہمزہ کے ساتھ بدؤ ہے کیونکہ بعض نسخوں میں ابتدا کا لفظ وارد ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بدء بمعنی الابتدا ہے نہ کہ بدو بمعنی الظہور۔ اور اگر کسی نسخہ میں بدو بمعنی الظہور موجود ہو تو اس صورت میں حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد کی اشارتًا تائید ہوسکتی ہے کہ ارے وحی کا ظہور کہاں سے ہوگیا؟ روایات نے بتلا دیا کہ اوصافِ حمیدہ پر نزول ہوا۔ اب ایک بات مقابلہ کے طور پر جملہ معترضہ کی صورت میں یہ سُن لو کہ بخاری کی جلد ثانی کے ص۱۱۴۳ پر ایک باب آرہا ہے "باب کیف نزل الوحی" اس کے متعلق شراح نے لکھا ہے کہ اُس باب اور باب کیف کان بدو الوحی میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے لیکن میرے نزدیک عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ باقی تفصیل اسی مقام پر آئے گی۔

الوحی لغت میں اس کے معنی الاعلام فی خفاء کے آتے ہیں اور اصطلاح میں وحی الکلام المنزل من اللہ تعالیٰ علی انبیاء کو کہتے ہیں۔ اب یہ کہ وحی کی کتنی قسمیں ہیں اس میں اختلاف ہے۔ امام حلیمی نے چھیالیس قسمیں بیان فرمائی ہیں اس تقسیم کا مبنیٰ اور اس کا ماخذ وہ روایت ہے جس کے اندر آتا ہے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ[۵] ہے تو گویا وحی کی چھیالیس قسموں میں سے ایک قسم نبی کا خواب ہے سہیلی نے وحی کی کل

[۵] حدیث کے الفاظ یہ ہیں عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رؤیا المومن جزء من ستۃ واربعین جزءًا من النبوۃ... باقی صفحہ ۶۷ پر

Marfat.com

سات قسمیں بیان فرمائی ہیں اور یہی عامۃ الشراح کی رائے ہے۔ آول خواب۔ یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوا کرتا ہے اسی واسطے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے بیٹے کو ذبح کر دیا تھا اور اسی وجہ سے بعض علما نے بیان کیا ہے کہ اگر حضرات انبیاء کرامؑ سو رہے ہوں تو ان کو جگانا جائز نہیں ممکن ہے خواب میں وحی آ رہی ہو۔ دوسرے القاء فی القلب ہے یعنی اگر قلب پر کوئی شئے وارد ہو تو وہ وحی ہوگی اور اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اُمتی ولی کے قلب پر کچھ وارد ہو تو اس کو اہل فن اصطلاح کے اندر کشف سے تعبیر کرتے ہیں۔ بس فرق وحی اور کشف کے اندر یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ کا وارد وحی ہوتا ہے اور ہمیشہ صواب ہوتا ہے اور اولیا کا وارد صواب اور خطا کے درمیان ہوتا ہے تیسرے اللہ تعالیٰ کا من وراء الحجاب کلام فرمانا چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ حضرت موسیٰ سے کلام حجاب کی صورت میں ہی ہوا تھا۔ چوتھے یہ کہ ملک اپنی اصلی شکل کے اندر آکر کلام کرے پانچویں یہ کہ شکل انسانی میں آکر کلام کرے۔ چھٹے یہ کہ مثل صلصلۃ الجرس ہو یعنی گھنٹے جیسی آواز جس کا ذکر روایت میں آ رہا ہے۔ ساتویں یہ کہ حضرت جبریل کے واسطے سے وحی ہوا اور میرے نزدیک وحی کی کل چار قسمیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کا کلام من وراء حجاب سننا جیسے حضرت موسیٰ نے طور پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں سُنا تھا (۲) تلقی بالقلب جیسا کہ حدیث میں ہے اِنَّ روح القدوس نفث فی روعی اسی کو ہمارے صوفیاء کی اصطلاح میں کشف۔ القاء سے تعبیر کرتے ہیں (۳) خواب (۴) وہ وحی جو فرشتہ کے واسطے سے ہو۔ اور جن علماء نے وحی کی سات قسمیں بیان فرمائی ہیں وہ اس (۴) والی قسم کے اندر کئی شقیں نکالتے ہیں مثلاً یہ کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لائیں یا اسرافیل لائیں اور جبرئیل کی آمد کی دو شکلیں۔ یا تو وہ اپنی صورت میں آئیں یا آدمی کی صورت میں۔ مگر میرے نزدیک یہ تمام ایک ہی نوع میں داخل ہیں لہٰذا ان کو مستقل طور پر اقسام شمار کرنا ضروری نہیں۔

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اور نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیامبر اور واسطہ ہوتے ہیں اور فرق دونوں میں یہ ہے کہ نبی صاحب شریعۃ نہیں ہوتا اور رسول صاحب شریعت ہوتا ہے۔ رسول اللہ یہ عام لفظ ہے اللہ کے ہر رسول کو شامل ہے مگر اضافت کبھی کبھی عہد خارجی کی بھی ہوا کرتی ہے جیسا کہ تم نحو کے اندر پڑھ چکے ہو یہاں اضافت عہد خارجی ہے اس لئے اس سے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم

علمائے لکھا ہے کہ جہاں کسی صحابی کا ذکر آئے وہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا چاہیئے خواہ کتاب کے اندر لکھا ہوا ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آوے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے چاہے کتاب میں نہ ہو۔ اب یہاں ایک بات اور سنو وہ یہ کہ نفس درود پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ علامہ کرخی کی رائے یہ ہے کہ ایک بار عمر میں پڑھنا واجب ہے پھر اس کے بعد مستحب ہے اور علامہ طحاوی کی رائے (مذہب)

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۶۶) ستۃ واربعین جزا من النبوۃ رواہ البخاری ص۱۰۳۵ فی کتاب التعبیر۔ مرتب

Marfat.com

یہ ہے کہ جتنی مرتبہ آپ کا نام پاک آئے۔ ہر بار پڑھنا واجب ہے۔ یہ اختلاف دراصل ایک اور اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صلوۃ وسلام کا امر فرمایا ہے اور اصول فقہ کا قاعدہ جیسا کہ تم نور الانوار میں پڑھ چکے ہو یہ ہے کہ الامر المطلق لا یقتضی التکرار ولا یحتملہ۔ اسی قاعدہ کی بنا پر امام کرخی کے نزدیک ایک بار پڑھنا واجب ہے اور پھر مستحب ہو جاتا ہے لیکن امام طحاوی فرماتے ہیں کہ درود شریف کے پڑھنے کا حکم ایک سبب کی بنا پر ہے اور وہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم سامی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ تکرار سبب تکرار مسبب کا تقاضہ کرتا ہے لہٰذا جب بھی حضور پاک کا اسم سامی آئے گا درود کا حکم متوجہ ہوگا اور اس کا پڑھنا واجب ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اقیموا الصلوٰۃ میں نماز کا حکم فرمایا ہے لہٰذا ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد واجب ساقط ہونا چاہیئے مگر چونکہ وہ مفروض بالسبب ہے اور سبب وقت ہے لہٰذا جب بھی اوقات بدلیں گے نماز کا حکم متوجہ ہوگا اور وہ واجب ہوگی۔ یہ تو ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت یعنی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما امر بالصلوۃ والسلام کے باب میں مجمل ہے کہ کہاں ہونا چاہیئے اور اس کی تفصیل سنت سے یہ معلوم ہوئی کہ حکم سلام کا امتثال السلام عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ سے ہوا جو نماز کے اندر ہے اسی طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا امتثال نماز کے درود میں ہوا کیونکہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر درود کا حکم فرمایا ہے۔ ایک بات یہاں یہ بھی سُن لو کہ محدثین کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کتاب کے اندر غلط لکھا ہوا ہو تو اس کو درست نہ کیا جائے بلکہ وہاں اس طرح پڑھے فی الکتاب ھکذا والصحیح ھکذا۔ اور اس طرح پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اپنی طرف سے صحیح کر کے پڑھا تو پوری کتاب نہیں پڑھی اس لئے کہ مصنف نے جو لکھا ہے وہ تم نے پڑھا نہیں اگرچہ وہ غلط ہی تھا۔ اور اگر کتاب کا لکھا ہوا پڑھتے ہو تو وعید من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار میں داخل ہوگے کیونکہ وہ تو غلط ہے لہٰذا وہی صورت اختیار کرے جو ابھی بتلائی گئی ہے۔ کتاب کے اندر زیادتی ہرگز نہ کرے مجھے بڑا خلجان ہوتا ہے اور اس میں مجھے تو بڑا تجربہ ہے۔ میں تمہیں ایک قصہ سُناؤں میرے حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنے زمانہ تعلیم میں ترمذی کے اندر ایک جگہ اپنی تحقیق سے یہ لکھا کہ امام ترمذی کو یہاں غلطی ہوگئی صحیح یہ ہے جب حضرت ناظم صاحب علیہ الرحمہ نے ترمذی شریف پڑھائی تو اُنھوں نے اس پر یہ لکھدیا کہ "بظاہر امام ترمذی کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے اور حضرت کی نہیں۔ لیکن جب وہ میرے یہاں آئی تو میں نے حضرت کی تصویب کی۔ تو اگر نفس نسخہ میں ہی لکھا جاتا تو ایک ہی لفظ کے اندر کتنی تراش خراش ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام اگر کسی جگہ صرف راوی کا نام اپنے استاذ سے سنتے ہیں اور یہ لوگ اس کا نسب بیان کرنا چاہئیں تو یعنی سے تعبیر کر کے پھر اضافہ کرتے ہیں تاکہ استاذ کے الفاظ سے اشتباہ نہ رہے اسی طرح جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے اگرچہ نفس کتاب میں نہ ہو نیز صحابہ کا جہاں نام آئے وہاں رضی اللہ عنہٗ کہنا چاہیئے۔

Marfat.com

وقول اللہ عزوجل یہ لفظ بالرفع اور بالجر دونوں طرح پڑھا گیا ہے بالرفع ہونے کی صورت میں باب پر عطف ہوگا خواہ وہ بالتنوین ہو یا بالاضافۃ اور جر کی صورت میں باب کے تحت میں ہوگا اور باب مضاف ہوگا اور کیف کان پر عطف ہوگا۔ یہاں یہ بات غور سے سنو کہ حضرت امام بخاری یہ جملہ متعدد جگہ ذکر فرمائیں گے وہاں اس میں تین احتمال جاری ہوں گے۔ یا تو یہ جز ترجمہ ہوگا اس صورت میں مثبت بفتح الباء ہوگا اور یا مثبت بکسر الباء ہوگا یا ادنی ملابست کی وجہ سے ذکر فرما دیں گے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کریمہ کو ترجمۃ الباب کے ساتھ ادنی مناسبت ہوگی خواہ کسی قسم کی بھی مناسبت ہو اور بعض جگہ حضرت امام بخاری آثار بھی ادنیٰ مناسبت سے ذکر کرتے ہیں۔

انا اوحینا الیک یہاں یہ سوال ہے کہ اس آیت کو ترجمۃ الباب سے کیا مناسبت ہے اس لئے کہ اس میں کیفیۃ بدو الوحی کا کوئی تذکرہ نہیں اگرچہ نفس وحی کا ذکر ہے ان لوگوں پر تو کوئی اشکال نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض کیفیۃ بیان کرنا نہیں ہے جیسے حضرت شیخ الہندؒ اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ البتہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مقصود کیفیۃ وحی کو بیان کرنا ہے ان پر ضرور اشکال ہے اس کے متعدد جواب ہیں۔

(۱) آیت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو تشبیہہ دی گئی ہے حضرت نوح اور دیگر انبیاء کی وحی کے ساتھ اور ظاہر ہے کہ ان کی وحی کی ابتدا بھی ہوگی اور اس کی کیفیۃ یہی ہوگی لہٰذا اس سے کیفیۃ ابتداء وحی خود ثابت ہوگئی۔

(۲) وحی کے مختلف معانی آتے ہیں اصل معنی تو اس کے کلام خفی کے ہیں اور گاہے وحی کے معنی مطلقاً الہام اور القاء کے آتے ہیں۔ اسی معنی کے لحاظ سے قرآن کریم میں وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النحل وارد ہوا ہے تو حضرت امام بخاری اس آیت کو ذکر فرما کر اشارہ فرماتے ہیں کہ حضور کی طرف جس وحی کی ابتدا ہوئی ہے وہ وحی رسالت ہے نہ کہ وحی الی الحیوانات جس کا تعلق امور تکوینیہ سے ہے لہٰذا اس سے خود کیفیۃ وحی معلوم ہوگئی کہ وحی وحی ارسال تھی۔

(۳) مقصود صرف ابتداء وحی میں تشبیہہ دینا نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو مختلف انبیاء علیہم السلام کی مختلف انواع وحی سے تشبیہہ دینی ہے جو ان پر مختلف طور سے بھیجی جاتی رہیں لہٰذا اس میں اشارہ ہوگا کہ آپ کی وحی جملہ انواع وحی کی جامع ہوگی یعنی ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ اور ظاہر ہے کہ ان انواع کی کوئی ابتدا بھی ہوگی اور کیفیت بھی۔

(۴) اس آیت سے تنبیہہ کرنا ہے اس بات پر کہ وحی کے لئے تین چیزیں لازم ہیں مُرسِل، وہ تو اللہ کی ذات ہے اور مُرسَل الیہ، وہ انبیاء ہیں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور نمبر (۳) واسطہ۔ مقصود آیت وحی کے جملہ لوازمات کو بیان کرنا ہے اور ان ہی میں سے ابتدا ہے جو مرسل سے مرسل الیہ کی طرف واسطہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ آیت کریمہ میں حضرت نوح کا ذکر بطور خاص کیوں فرمایا جب کہ ان سے قبل اور بھی انبیاء گزرے ہیں اور ان پر بھی وحی آئی ہے۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے نبی مُرسل ہیں

Marfat.com

اور احکام تکلیفیہ سب سے پہلے خاص طور سے انہی کے زمانہ میں نازل ہوئے۔ چنانچہ حدیث حشر میں اول مرسل حضرت نوح کو ہی بتلایا گیا ہے اس وجہ سے انہی کا نام بطور خاص ذکر کر دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ و السلام کو ان کی قوم نے بہت ستایا اور اُنھوں نے صبر کیا تو اس سے اشارہ کر دیا کہ تم کو بھی تکلیف ہوگی مگر صبر کرنا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام شیوع کفر میں مبعوث ہوئے ان سے پہلے کفر کا شیوع نہیں ہوا تھا تو اس سے اشارہ کر دیا کہ آپ بھی شیوع کفر میں مبعوث ہوئے ہیں۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ طوفان نوح کی وجہ سے تمام انسان ہلاک ہو گئے تھے سوائے حضرت نوحؑ اور ان کے متبعین کے تو یہ موجودہ نسل انہی سے چلی ہے اسی بنا پر ان کو آدم ثانی کہا جاتا ہے تو آیت کریمہ میں باپ کی وحی کے ساتھ تشبیہ دیدی ہے۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ علمائے لکھا ہے کہ حضرت آدم کا زمانہ طفولیت کا ہے۔ احکام تکلیفیہ ان کے زمانے میں بہت کم تھے۔ معاش وغیرہ کی تعلیم ان کے زمانہ میں زیادہ تھی اور حضرت شیث کو علم زراعت اور حضرت ادریس کو علم صناعت عطا فرمایا گیا۔ احکام تکلیفیہ کی ابتدا حضرت نوح کے دور سے ہوئی تو خاص طور سے حضرت نوح کو ذکر فرما کر تنبیہ کرنا ہے کہ آپ کی وحی احکامات تکلیفیہ کی جنس سے ہے۔

چھٹا جواب حضرت گنگوہی نے دیا ہے کہ ایک چیز کے ساتھ تشبیہ دینے سے دوسری چیز کی نفی نہیں ہوتی جیسے اگر کسی کو کوّے کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو اس سے کوّلہ کی سیاہی سے مشابہت کی نفی نہیں ہوتی۔

ساتواں جواب یہ ہے کہ حضرت نوح انبیا، اولوالعزم میں ہیں۔ حضرت نوح کی تخصیص سے اشارہ فرمایا گیا کہ آپ بھی اولوالعزم انبیاء میں ہیں۔

والنبیین من بعدہ

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی جملہ انواع وحی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نازل فرمائی گئی ہیں۔

حدثنا

یہ محدثین کی ایک اصطلاح ہے اور اس کے ساتھ دو لفظ اور ہیں۔ ایک اخبرنا دوسرے انبأنا بخاری ومسلم میں کثرت سے حدثنا اور نسائی میں بکثرت اخبرنا اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں انبانا ملے گا اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ تینوں ایک ہیں یا ان میں فرق ہے یعنی ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں۔ علماء سلف جس میں امام بخاری بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں سب ایک ہیں۔ چنانچہ حضرت امام بخاری آئندہ ایک باب باندھ کر اس کو ثابت فرمائیں گے کہ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ لیکن متاخرین جن میں مشارقہ اور امام نسائی داخل ہیں فرماتے ہیں کہ لغت اور معنی کے اعتبار سے تو کوئی فرق نہیں لیکن استعمال کے اعتبار سے فرق ہوگا وہ اس طرح پر کہ اگر استاذ پڑھے اور شاگرد سنیں تو اس کو حدثنا سے تعبیر کریں گے اور اگر استاذ سُنے اور شاگرد پڑھیں تو اس کو اخبرنا سے تعبیر کریں گے اور جہاں نہ استاذ قرأت کرے اور نہ شاگرد بلکہ صرف استاذ اپنی کتاب شاگرد کو دے کر یا اوائل پڑھوا کر اجازت دیدے تو اس کو انبانا سے تعبیر کیا جائے گا تحدیث کے معنی آتے ہیں حدیث بیان کرنا اور اخبار اور انبانا دونوں ہم معنی ہیں یعنی خبر دینا۔ ایک قاعدہ محدثین

Marfat.com

کے یہاں یہ ہے کہ ابتداء میں تو حدثنا جلی قلم سے لکھتے ہیں اور اس کے بعد جب دوبارہ لکھتے ہیں تو باریک لکھا کرتے ہیں تاکہ سند حدیث کے اندر ابتدا اور غیر ابتدا کا امتیاز ہو جائے۔ اسی طرح ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ دوسری مرتبہ حدثنا یا اخبرنا تحریر کرنے سے پہلے قال کو کتابۃً حذف کر دیتے ہیں اگرچہ وہ قراءتاً باقی رہتا ہے گویا تقدیری عبارت قال حدثنا قال اخبرنا ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرات محدثین حدثنا کے بجائے صرف ثنا اور اخبرنا کے بجائے صرف انا تحریر کرتے ہیں اور کبھی رنا سے تعبیر کرتے ہیں اور انبانا کو نباء سے تعبیر کرتے ہیں۔ متقدمین کی کتابوں میں یہ چیز بکثرت ملتی ہے یہاں پر ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ استاذ کا پڑھنا اور شاگرد کا سننا اولیٰ ہے یا برعکس بہتر ہے۔ حضرات محدثین کے یہاں استاذ کا پڑھنا اور شاگرد کا سننا اولیٰ ہے اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے یہاں استاذ کا سننا اور شاگرد کا پڑھنا اولیٰ ہے محدثین اپنی دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب شاگرد پڑھے گا تو بسا اوقات وہ غلط پڑھے گا اور ممکن ہے استاذ غافل ہو جائے تو سارے تلامذہ غلط ہی پڑھیں گے اور غلط ہی نقل کریں گے اور جب استاذ پڑھے گا تو صحیح پڑھے گا لہٰذا اس میں اعتبار اور اعتماد زیادہ ہے یہی رائے قدماء حضرات کی بھی ہے لیکن فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ غلطی ہر جگہ تو ہوتی نہیں۔ کہیں کہیں ہوتی ہے لہٰذا اگر استاذ پڑھتا چلا جائے گا تو شاگردوں کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ یہ جگہ مزلۃ اقدام ہے لہٰذا جب شاگرد پڑھے گا اور استاذ اس کو غلطی بتلائے گا تو تمام طلباء اس کو سنیں گے اور ضبط کر لیں گے لہٰذا صحت کے اعتبار سے یہی اولیٰ ہے۔ چنانچہ امام مالک اپنے فقیہ ہونے کی وجہ سے شاگردوں سے پڑھوایا کرتے تھے۔

الحمیدی

علماء نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام نے اپنی کتاب میں جہاں بہت سی باریکیاں رکھی ہیں۔ ان میں مناسبت کے طور پر ایک باریکی یہ ہے کہ سب سے پہلی حدیث حمیدی اور سفیان کی ذکر فرمائی جو مکی ہیں اور دوسری حدیث امام مالک کی ذکر فرمائی۔ جو مدنی ہیں تو اس سے اشارہ کیا کہ وحی کی ابتدا مکہ سے ہوئی ہے اور اس کا پھیلاؤ مدینہ پاک میں ہوا۔

قال حدثنا سفیان

محدثین کے یہاں جو نام بغیر کسی کی طرف نسبت کے آئے تو وہ اعرف پر محمول کیا جاتا ہے لیکن بعض مرتبہ اس میں اشتباہ ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے یہاں اعرف ہمارے یہاں غیر اعرف ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے وسعت مطالعہ اور علمی معلومات کثیرہ کی بنا پر ان کو پہچانتے ہیں لیکن ہم ان سے کم واقف ہوتے ہیں اب اس حدیث کے اندر سفیان کا ذکر ہے اور سفیان دو ہیں اور دونوں مشہور ہیں۔ ایک سفیان بن عیینہ دوسرے سفیان ثوری اب ان کو پہچاننے کی صورت یہ ہے کہ جہاں اونچے طبقہ میں نام آتا ہے تو اس سے سفیان ثوری مراد ہوتے ہیں کیونکہ وہ اونچے طبقہ کے ہیں۔ اور اگر سند میں نیچے کے درجہ میں سفیان آئیں تو اس سے سفیان بن عیینہ مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی سفیان بن عیینہ مراد ہیں۔ اس مقام پر شراح یہ تحریر کرتے ہیں کہ امام بخاری نے سند اول کے اندر تحدیث کے چاروں متداول طریقے درج کر دیئے ہیں۔ یعنی تحدیث، اخبار، سماع، عنعنہ۔ مگر مجھے اس سند میں عنعنہ نہیں ملا اس لئے میں یوں کہا کرتا ہوں کہ امام بخاری نے سند اول کے اندر تحدیث کے جو اکثری صیغے ہیں ان کو جمع فرما دیا اور چونکہ عنعنہ تینوں کو عام اور شامل ہے اس لئے وہ بھی اس میں آگیا۔ ہاں البتہ شراح

Marfat.com

کی یہ رائے حافظ ابن حجر کے نسخے پر صادق آسکتی ہے کیونکہ ان کے نسخے میں عن یحییٰ بن سعید الانصاری ہے۔

الانصاری محدثین کے یہاں ایک اصطلاح ہے جو نحو والوں کی اصطلاح کے خلاف ہے وہ یہ کہ چند ناموں کے بعد جو کوئی صفت واقع ہو تو وہ نحو کے قاعدہ کے موافق اقرب نام کی صفت ہوتی ہے اور محدثین کے یہاں وہ اول نام کی صفت ہوگی جیسے مضاف اور مضاف الیہ کے بعد آنے والی صفت نحاۃ کے یہاں مضاف الیہ کی ہوگی لیکن محدثین کے یہاں مضاف کی ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے یہاں استاذ مقصود ہوتا ہے اور اسی کے لئے وہ باقی سند کی کڑی ذکر کرتے ہیں تو اس سند کے بعد جو صفت آئے گی تو اس کا موصوف وہی ہوگا جو متکلم کا مقصود ہے۔ درمیان کے اسماء تو تابع ہیں اور نحو والوں کے یہاں اعراب مقصود ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب نحو اور حدیث کے قاعدہ میں تعارض ہوجائے تو حدیث کی کتب میں حدیث کے قاعدہ کو ترجیح ہوگی۔ بعض علمائے لکھا ہے کہ بخاری کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ روایت عزیز ہو یعنی اس کے ہر طبقے کے اندر کم از کم دو راوی ضرور موجود ہوں۔ جیسا کہ تم نخبۃ میں پڑھ چکے ہو۔ لیکن بخاری کی یہ پہلی روایت ہی اس کے خلاف ہے کیونکہ یحییٰ بن سعید کے نیچے نیچے تو یہ روایت مشہور کیا بلکہ متواتر ہے کیونکہ یحییٰ سے نقل کرنے والوں کی تعداد میں مختلف قول ہیں بعض نے دو سو بعض نے ڈھائی سو اور بعض نے سات سو تک شمار کرائے ہیں لیکن ان سے اوپر محمد بن ابراہیم تیمی اور علقمہ اور حضرت عمر یہ سب چونکہ تنہا ہیں اس لئے اس اعتبار سے غریب ہے۔ حافظ ابن حجرؒ رواۃ کی اس تعداد کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اتنے نہیں ملے۔ حافظ اگرچہ حافظ ہیں مگر اُنھوں نے ساری کتب احادیث کا احاطہ تو کیا نہیں ممکن ہے کہ ان کو نہ ملے ہوں کیونکہ حافظ سے پہلے بہت سی کتابیں ضائع بھی تو ہوئی ہیں۔ بہر حال یحییٰ ابن سعید الانصاری تک تو یہ روایت غریب ہے ہر راوی ایک دوسرے سے متفرد ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت عمر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے میں متفرد ہیں۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں یہ بات غور سے سنو کہ تین چیزیں ہیں ایک صَلوٰۃٌ وَ سَلَامٌ دوسرے ترضّی (رضی اللہ عنہ کہنا) تیسرے رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اس میں اختلاف ہے کہ ان کا استعمال ہر ایک پر جائز ہے یا نہیں۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ہر ایک پر ان جملوں کو استعمال کرسکتے ہیں۔ باقی ائمہ ثلٰثہ کے یہاں صلوٰۃ وسلام کا استعمال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ بعض دعائیں اگرچہ لغت کے اعتبار سے عام ہوتی ہیں لیکن عرف میں وہ خاص ہوجاتی ہیں۔ اسی قاعدہ کے تحت علما کی رائے یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور رضی اللہ عنہ کہنا حضرات صحابہ کے ساتھ اور رحمۃ اللہ علیہ غیر صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ رحمۃ اللہ علیہ کو صحابہ وغیرہ پر محمول کرنے میں زیادہ اشکال نہیں البتہ بے ادبی میں شمار ہوگا۔

علی المنبر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ میں منبر نہیں تھا بلکہ ۸ھ یا ۷ھ میں بنا ہے جیسا کہ آگے آوے گا۔ اور حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو جو منبر پر پڑھا ہے وہ اہمیت کی وجہ سے پڑھا ہے۔

Marfat.com

انما الاعمال بالنیات

یہ حدیث اپنے ظاہر پر کسی کے یہاں بھی نہیں اس لئے کہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اعمال کا وجود نیت سے ہوتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ چھت پر سے گرنے والا گرنے کی نیت نہیں کرتا۔ ایسے ہی ٹھوکر کھانے والا ٹھوکر کھانے کی نیت نہیں کرتا۔ لہٰذا تقدیری عبارت ماننا ضروری ہے چنانچہ امام شافعی رضی اللہ عنہ صِحَّۃُ الْاَعْمَالِ مقدر مانتے ہیں اور حضرات احناف ثَوَابُ الْاَعْمَالِ مقدر مانتے ہیں اس قسم کی تقدیریں اجتہاد سے نکالی جاتی ہیں اور ائمہ کے یہاں احادیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اس کا مبنی اور مناط متعین کرنے کے اندر اختلاف ہوا ہی کرتا ہے۔ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ طہارت من الانجاس میں نیت شرط نہیں ہے۔ اگر کپڑے پر پیشاب لگ جائے اور سمندر میں پڑ جائے اور بغیر نیت طہارت کے نکال لیا جائے تو پاک ہو جائے گا۔ شافعیہ نے الزام دیا کہ پھر تم تیمم میں کیوں نیت شرط قرار دیتے ہو؟ حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ لفظ تیمم خود نیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ یم کے معنی لغت میں قصد کرنا ہے اور نیز تیمم طہارت کے اندر اصل نہیں ہے بلکہ خلیفہ اور تابع ہے اس لئے نیت کرنی پڑے گی سبب وُرود حدیث بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے جو حنفیہ کہتے ہیں کہ ثوابِ عمل نیت پر موقوف ہے نہ کہ صحتِ عمل یہاں حدیث میں ثواب مراد ہے کیونکہ مصنف کا مقصود اس جگہ یہ حدیث بیان کرنے سے نیک نیتی پر متنبہ کرنا ہے۔ دوسرا کلام اس حدیث پر یہ ہے کہ انما الاعمال بالنیات فرمایا نیت اور عمل دونوں کو جمع لائے۔ اس کے اندر مقابلۃ الجمع بالجمع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مقابلۃ الجمع بالجمع انقسام آحاد علی الاحاد کو متقاضی ہوتا ہے۔

ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ ہر ہر عمل کے واسطے الگ الگ ایک نیت ہو گی یعنی ایک عمل کے ساتھ ایک نیت ہو گی۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مقصد یہ ہے کہ ایک عمل کے ساتھ مختلف نیات متعلق ہو سکتی ہیں مثلاً کوئی شخص مسجد میں جاتا ہے اس نیت سے کہ نماز پڑھے۔ تو اگر کسی صالح شخص سے ملنے کی نیت کرے اور کسی کی مدد کرنے کی نیت کرے تو ہر ایک نیت کا ثواب الگ الگ ملے گا۔ اس معنی ثانی کے اندر لطافت ہے تیسرا کلام انما لکل امرئٍ مانوی پر ہے کہ یہ جملہ جملۂ اولیٰ کی تاکید ہے یا تاسیس ہے اس کے اندر دونوں قول ہیں۔ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ جملۂ اول ہی کی تاکید ہے یعنی جو پہلے جملہ کا مطلب ہے وہی اس جملہ کا بھی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تاکید پر کلام کو اس وقت حمل کرتے ہیں جب کہ تاسیس ممکن نہ ہو۔ لیکن یہاں تاسیس پر کلام کو حمل کرنا ممکن ہے وہ اس طرح کہ پہلے جملہ (انما الاعمال بالنیات) کے اندر تو شارع علیہ السلام نے یہ بتلا دیا کہ عمل کا وجود شرعی نیت پر موقوف ہے اور اس جملہ سے یہ بتلا رہے ہیں کہ جو کام کرے گا اس پر وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہو۔ مثلاً کوئی شخص مسجد میں جاتا ہے کسی غرض فاسد یا کسی دوست سے ملنے کی وجہ سے تو اس کا مسجد میں جانا سبب عذاب ہو گا ؎

رفتم بسوئے مسجد بنیم جمال یار
دستش دراز کردہ دعا را بہانہ ساخت

Marfat.com

چکی کا پاٹ یہاں یہ ہے کہ اگر کلام کو تاسیس پر حمل کرنا ہے تو جو معنی اس جملۂ ثانیہ کے بیان کئے ہیں وہ تو پہلے ہی جملے سے معلوم ہو گئے کیونکہ جب پہلے جملے سے یہ معلوم ہو گیا کہ اعمال کا وجود شرعی نیت پر موقوف ہے تو اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر اس نے نیت فاسدہ کی ہے تو اس کا وجود بھی فاسد مرتب ہو گا لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ اس جملۂ ثانیہ سے تعددِ منوی کی طرف اشارہ فرما دیا کہ ایک عمل کے ساتھ مختلف نیات متعلق ہو سکتی ہیں، صاحب مظاہر حق نے اس کی ایک لمبی چوڑی مثال دی ہے کہ اگر کوئی مسجد جا رہا ہو راستہ میں کسی بزرگ کے پاس بیٹھنے کی نیت کرے اور کسی کی مدد کی نیت کرے ایسے ہی کسی مریض کی عیادت کی نیت کرے وغیر ذالک تو ان سب پر الگ الگ ثواب ملے گا۔

یہاں اس جملہ پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جو نیت کرے گا وہی مرتب ہو گا حالانکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی رمضان میں نفلی روزے کی نیت کرے تو نفل نہیں واقع ہو گا بلکہ فرض واقع ہو گا۔ تو یہاں پر مانوی مرتب نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان چونکہ نفل کا محل نہیں ہے لہٰذا اس کی نیت نفل لغو ہو جائے گی اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ فرض کے اندر نفل خود داخل ہے۔ گویا فرض عبادتِ نافلہ مع شئ زائد ہے تو اس صورت میں مانوی مرتب ہوا لیکن مع شئ زائد۔

یہ روایت بخاری شریف میں سات جگہ مذکور ہے۔ ایک جگہ نیات جمع کا صیغہ مذکور ہے باقی چھ[۵] مقامات پر مفرد کا صیغہ ہے جہاں پر جمع کا صیغہ ہے وہاں پر تو تعدد منوی کا لحاظ فرمایا گیا اور جہاں مفرد کا صیغہ لائے ہیں وہ اس وجہ سے کہ نیت فعل قلب ہے اور قلب ایک ہی ہے اس لئے وہاں پر مفرد کا صیغہ ذکر کر دیا۔

فمن کانت ہجرتہ الی دنیا یصیبہا

امام بخاری نے یہاں پر پوری حدیث ذکر نہیں فرمائی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ حدیث جو مختصر کی ہے وہ کس نے کی ہے بعض کہتے ہیں امام بخاری نے کی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے اساتذہ نے کی ہے۔ بہر حال کسی نے بھی اختصار کیا ہو یہ حدیث پوری نہیں ہے۔ بلکہ پوری حدیث یہ ہے:۔ انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرأ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ و رسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او الی امراۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ یہاں پر امام بخاری نے جملہ فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ کو چھوڑ دیا۔ شراح نے تو اس سے کوئی تعرض نہیں کیا لیکن اب سے تیسرے سال پہلے جب مدینہ پاک حاضر ہوئی تو وہاں حضرت مولانا بدر عالم صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہر جگہ تو پوری حدیث مذکور ہے سوائے یہاں کے کہ یہاں پوری حدیث ذکر نہیں فرمائی تو میں نے اس کی یہ وجہ بتلائی کہ جلب منفعت سے دفع مضرت اولیٰ ہے اور جملہ فمن کانت ھجرتہ الی دنیا کے اندر دفع مضرت کی جا رہی ہے اور مصنف کا مقصود بھی یہی ہے کہ لوگوں کے اندر نیک نیتی ہونی چاہیئے یہ نہ سوچے

---

[۵] بقیہ چھ مواقع بخاری کے اِن صفحات میں تلاش کیجئے ص۱۳، ص۳۴۳، ص۵۵۱، ص۵۹۷، ص۹۹۰، ص۱۰۲۵ شاہد غفرلہٗ

Marfat.com

کہ پڑھ کر دنیا کماؤں گا۔

میرے پیارو! یہ علم اس لئے نہیں کہ اس سے دنیا کمائی جائے۔ اگر تم دنیا سے مُنہ موڑ لو تو یہ خود تمہارے قدموں میں آپڑے گی کیونکہ اللہ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔

ایک قصہ سُنو وہ یہ کہ ایک مسافر تھا کئی دن کا بھوکا۔ وہ ایک جنگل میں مسجد میں پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ تین کونوں میں ایک ایک آدمی گردن جھکائے بیٹھے ہیں۔ اس کو ڈھارس ہوئی۔ یہ بھی ایک کونے میں جا بیٹھا۔ اتنے میں ایک نوجوان خوب صورت لڑکی خوان لے کر آئی۔ یہ اس کو دیکھنے لگا۔ اوّلاً وہ ان تینوں میں سے ایک کے پاس آئی اور کہا کہ حضرت کھانا حاضر ہے۔ کئی دفعہ کہنے کے بعد اُنھوں نے سر اُٹھایا۔ اس نے فوراً ایک خوانچی میں سے ایک خالی طشتری اور تھوڑا سا پانی نکال کر ان کے ہاتھ دُھلائے اور دسترخوان بچھا کر عمدہ بریانی کی ایک بڑی پلیٹ رکھ دی۔ اُنھوں نے اس میں سے کچھ کھا کر باقی چھوڑ دیا۔ کھانے کے درمیان جب کوئی ہڈی نکلتی تو وہ آدمی اس کے مُنہ پر مارتے۔ یہی قصہ دوسرے اور تیسرے آدمی کے سامنے بھی پیش آیا۔ اور یہی صورت وہاں بھی ہوئی۔ اس کے بعد اس لڑکی نے تینوں رکابیوں کے بچے ہوئے کھانے کو ایک جگہ کیا اور اس کے پاس لائی۔ یہ تو منتظر ہی تھا کھانا شروع کر دیا اور جب اس کے یہاں بھی ہڈی نکلی تو یہ سوچ کر کہ شاید یہاں کا یہی دستور ہو کہ ہڈی مُنہ پر مارتے ہیں اس نے بھی مار دی۔ اس عورت نے ایک تھپڑ مارا اور کہا کہ اگر کھانا ہو تو کھالے ورنہ چھوڑ دے۔ اس آدمی نے کہا کہ ابھی تو ان لوگوں نے یوں ہی ہڈی ماری تھی میں یہ سمجھا کہ یہاں کا یہی دستور ہے۔ اس عورت نے کہا تو نہیں جانتا میں کون ہوں؟ میں دنیا ہوں اور یہ لوگ مجھ سے روٹھے ہوئے ہیں ان کو منا رہی ہوں اور تو، تو میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

تو پیارو اگر دنیا کو چھوڑ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور دے گا۔ اللہ تعالیٰ پر توکّل کرو مگر توکل کے یہ معنی نہیں کہ دل میں تو کچھ ہو اور بظاہر توکل ہو بلکہ واقعی توکل کرو پھر دیکھو۔

ایک آدمی کہیں گاؤں میں ایک مسجد میں پہنچا۔ وہاں کے امام نے شام کو کھانے پر بلایا۔ اس نے پوچھا کیا چیز ہے مساجد کے امام سخت مزاج تو ہوتے ہی ہیں کہنے لگا یہ ہے وہ ہے فلاں فلاں چیز ہے مختلف قسم کی روٹیوں اور ترکاریوں کا نام لیا۔ اس آدمی نے کہا بس تم کھاؤ یہ سب میرے مطلب کا نہیں میں تو مرغ پلاؤ کھاتا ہوں۔ امام کو غصہ آیا اور اس نے خوب طعن و تشنیع کی۔ جب مسجد کا دروازہ بند کر کے امام سو گیا یہ آدمی بھی ایک طرف لیٹ گیا۔ بارہ بجے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ امام کو بڑا غصہ آیا کہ کوئی تعویذ والا یا جھاڑ پھونک والا ہوگا۔ اُٹھ کر دیکھا تو ایک عورت طباق میں پلاؤ لئے کھڑی تھی۔ اور بڑی منت سے کہہ رہی تھی کہ ملّا جی یہ مُرغ پلاؤ ہے اسے لے لو میرا بچہ چھ ماہ سے کھویا ہوا تھا میں نے نذر مانی تھی کہ اگر آگیا تو مسجد میں مُرغ پلاؤ بھیجوں گی وہ آج دوپہر آگیا۔ میں پکانا نہیں جانتی تھی پہلے مُرغ تلاش کیا پھر فلاں سے پکوایا اس لئے دیر ہوگئی۔ امام صاحب یہ سُنکر ششدر رہ گئے۔ امام صاحب نے طباق لے کر دروازہ بند کیا اور اس آدمی کے پاس آئے۔ اِدھر اس شخص نے خرّاٹے بھرنے شروع کر دیئے۔ امام نے بڑی دیر میں اس کو جگایا کہ تیری غذا آگئی۔ اس آدمی نے کہا تم بھی آجاؤ۔ امام نے کہا کہ میں کس مُنہ سے آؤں ابھی تو میں نے تم کو ملامت کی تھی۔ اس

Marfat.com

نے کہا کہ میں ساری تو کھانے کا نہیں اور کل کے لئے بچا کر رکھنے کا نہیں تم کو باسی کھانی ہوگی (اچھا یہ ہے) کہ ابھی کھالو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے تو یہ دنیا خود بخود آتی ہے۔

اوالیٰ امراۃ ینکحہا یہاں پر امراۃ ینکحہا تخصیص بعد التعمیم ہے کیونکہ عورت بہت زیادہ محل فتنہ ہے اس لئے اس کی تخصیص فرمادی کیونکہ انسان زنا وغیرہ کے اندر اسی کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے۔ ایک بات اس حدیث کے متعلق یہ سنو کہ جیسے آیات کا شان نزول ہوتا ہے ایسے ہی احادیث کا بھی شان ورود ہوتا ہے چنانچہ اس حدیث کا بھی شان ورود احادیث میں ملتا ہے لیکن وہ صحاح کی کتابوں میں نہیں ملتا بلکہ طبرانی وغیرہ میں ملتا ہے کہ ایک آدمی نے ام قیس نامی عورت سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ انھوں نے کہلا بھیجا کہ اس شرط پر نکاح کر سکتی ہوں کہ تم ہجرت کرلو۔ چنانچہ انھوں نے اسی بنا پر ہجرت کی۔ اسی وجہ سے ان کو مہاجر ام قیس کہنے لگے۔ شراح فرماتے ہیں کہ ان صحابی کا نام معلوم نہیں ہوسکا مگر میری رائے یہ ہے کہ قصداً ان کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تاکہ ایک صحابی اس خاص بات کے ساتھ بالتعین مشہور نہ ہوں البتہ ان صحابی کو صرف مہاجر ام قیس کہا جاتا ہے۔

فہجرتہ الی ماہاجر الیہ ہجرت جس طرح یہ ہے کہ ایک وطن کو چھوڑ کر دوسرا وطن اختیار کیا جائے اسی طرح ہجرت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معاصی سے اجتناب کیا جائے اسی کو حدیث پاک میں المہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ ورسولہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ یہ حدیث امام ابوداؤد کے مختارات اربعہ میں سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث سے اپنی کتاب منتخب کی ہے اور پھر ان میں سے چار حدیثیں انتخاب کی ہیں۔ ایک انما الاعمال بالنیات دوسری لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ اور تیسری من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ اور چوتھی الحلال بین والحرام بین یہ چاروں احادیث اصول دین میں سے ہیں۔ بعینہٖ یہی چار احادیث امام ابوحنیفہ کی وصایا میں ان کے مختارات سے لکھی ہوئی ہیں۔ البتہ اس کے علاوہ ایک حدیث اور امام صاحب نے اختیار کی ہے یعنی المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ۔ چونکہ اس حدیث کا مضمون لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ میں آگیا اس لئے امام ابوداود نے اس کو چھوڑ دیا مگر حضرت امام صاحبؒ نے غایت اہتمام کی وجہ سے اسے بھی شمار فرمالیا۔ کیونکہ عالم کے اندر آج کل جو آئے دن لڑائیاں رہتی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ کوئی کسی کو اپنے ہاتھ اور زبان سے محفوظ نہیں رکھتا۔ اگر ہم لوگ تعرض کرنا ہی چھوڑ دیں تو کچھ بھی پیش نہ آئے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ چار احادیث اصول دین میں سے کیونکر ہیں؟ اس کی وجہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ انما الاعمال بالنیات میں تصحیح عبادات واعمال آگئے۔ اور حدیث ثانی لایؤمن الخ میں حقوق العباد آگئے اور حدیث ثالث من حسن اسلام المرء کے اندر اوقات کا تحفظ آگیا اور چوتھی حدیث الحلال بین میں تقویٰ[1] آگیا اور

---

[1] یعنی جہاں کسی مسئلہ میں ائمہ میں اختلاف ہو تو جانب احوط اختیار کرے۔

Marfat.com

یہی سارے اصول دین ہیں۔

اب یہ کہ اس حدیث پاک کو ترجمۃ الباب سے کیا مناسبت ہے ؟کیونکہ اس کے اندر نہ تو وحی کا ذکر ہے اور نہ بدأت وحی کا۔ اس کے علمائے چند جوابات دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام صاحب نے بمنزلہ خطبہ کے ذکر فرمائی ہے۔ خطبہ کے اندر وہ مضامین ذکر کئے جاتے ہیں جو مضامین کتاب کی طرف مشیر ہوں اور چونکہ یہ حدیث جوامع احادیث میں سے ہے اس لئے اس کو بمنزلہ خطبہ قرار دیا یا اس وجہ سے کہ حضرت عمرؓ نے منبر پر خطبہ میں ذکر فرمایا تھا۔ یہی اس کے اندر بھی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے اس حدیث سے اپنے حسن نیت کی طرف بطور تحدث بالنعمۃ کے اشارہ فرما دیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اخلاص سے لکھا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ابتداً ذکر فرما کر تحسین نیت کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور کتاب پڑھنے والوں کو اس طرف رغبت دلائی کہ وہ اپنی نیّات کو درست کریں مگر ان تینوں جوابوں پر اعتراض یہ ہے کہ ان میں سے اگر کوئی ایک بھی مقصود ہوتا تو باب سے پہلے ذکر فرماتے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے بعض نے ایک چوتھا جواب یہ دیا کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں سب سے پہلے ہی بیان کر دی تھی اور باب بدو الوحی ہے لہذا مدینہ کی وحی کی ابتدا ہوگئی۔

اسی نوع کا ایک جواب یہ بھی ہے جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے کہ اس حدیث کے پہلے راوی یعنی حمیدی اور ان کے استاذ سفیان بن عیینہ مکی ہیں اور دوسری سند کے راوی امام مالک مدنی ہیں تو مصنف نے اس سے اشارہ فرمایا کہ ابتداء مکہ مکرمہ سے ہوئی اور انتہا مدینہ منورہ سے ہوئی لہذا اس سے ابتدائے نزول وحی معلوم ہوگیا اور علامہ عینی نے قاعدہ کلیہ بیان فرمایا تھا کہ حدیث کا باب کے کسی جزء سے منطبق ہو جانا کافی ہے اور یہاں وحی سے انطباق ہو رہا ہے کیونکہ یہ احادیث وحی ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدؤ کی اضافت وحی کی طرف بیانی ہے اور مقصود ابتداء امر جو کہ وہ وحی ہے یعنی ابتدائے دین کو بیان کرنا ہے ان کے نزدیک بھی کوئی اشکال نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہ حدیث بھی وحی کے اقسام میں سے ہے اور وحی کو ہی بیان کرنا مقصود ہے۔

حضرت اقدس شیخ الہندؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اصول تراجم میں سے ایک اصول یہ ہے کہ امام بخاری جو ترجمہ باندھتے ہیں گاہے اس کا مدلول مطابقی مقصود نہیں ہوتا بلکہ معنی التزامی اور ثابت بالالتزام مقصود ہوتا ہے تو یہاں نہ ابتداء مقصود ہے اور نہ وحی مقصود ہے بلکہ بدلالت التزامیہ وحی کی عظمت بیان کرنا ہے کہ انا اوحینا یعنی ہم نے وحی بھیجی ہے کسی معمولی ذات نے وحی نہیں بھیجی کہ عظمت و تقدیس میں کچھ قصور ہو۔ تو یہاں امام بخاری نے یہ حدیث لاکر اشارہ فرمایا کہ اتنی عظیم الشان وحی کا نزول جو ہوا ہے وہ اعلیٰ درجہ کی حسن نیت پر ہوا ہے۔

حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حمیدی مکی ہیں اور مالک مدنی ہیں اس ترتیب سے دونوں روایتیں ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ وحی کی ابتدا مکہ میں ہوئی اور اس کا پھیلاؤ مدینہ میں ہوا۔

Marfat.com

عن عائشۃ ام المومنین رضؓ

تمام ازواج مطہرات آیت قرآنی وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُ الْمُؤْمِنِیْنَ کی بناء پر امہات المومنین ہیں لیکن یہاں پہلا اشکال یہ ہے کہ جب یہ امہات المومنین ہیں تو ان سے پردہ کیوں ہے؟ دوسرا اشکال یہ ہے کہ انکی اولاد سے دوسرے مومنین کو نکاح کرنا کیسے جائز ہے؟ پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ بیشک یہ امہات المومنین ہیں لیکن ان سے جو پردہ کیا جاتا ہے وہ بھی نص قرآنی فَاسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ کی بناء پر ہے۔ رہا نکاح کا تعلق تو چونکہ یہ اُمہات کے حکم میں ہیں حقیقی اُمہات نہیں ہیں بلکہ باعتبار تعظیم و توقیر کے ہیں۔ اس لئے ان سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ امہات باعتبار ادب کے ہیں نہ کہ باعتبار نسب کے۔ اس پر بعض نے اعتراض یہ کیا کہ پھر ان سے نکاح کیوں جائز نہیں؟ میں نے ایک چلتا سا جواب دے دیا کہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر کے اندر زندہ ہیں اور جب زندہ ہیں تو نکاح باقی ہے اور کسی منکوحہ سے دوسرے کو نکاح کرنا جائز نہیں اور اس کا واقعی جواب یہ ہے کہ خود قرآن میں ہے وَلَا تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖٓ اَبَدًا اصل حرمتِ نکاح اس آیت کی بناء پر ہے۔ اس حرمت کی علت کیا ہے؟ وہ کچھ ہو ممکن ہے کہ یہی حضور کی حیات ہو یا اور کچھ ہو۔

کیف یاتیک الوحی

یہاں پر دو اشکال ہیں ایک تو یہ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ وحی کے مشہور طریقے سات ہیں اگرچہ میرے نزدیک چار ہی ہیں لیکن حدیث کے اندر دو ہی کو ذکر فرمایا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ حدیث کے اندر اتیان وحی کا ذکر ہے اور یہ بدو الوحی سے اعم ہے لہذا ترجمہ کیسے ثابت ہوا۔ اول کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہی دو طریقے کثیر الوقوع ہیں اس لئے اعم و اغلب کے بیان پر اکتفا کر لیا نہ یہ کہ انہی کے اندر انحصار طرق وحی ہے اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب اعم اغلب طرق وحی دو ہیں تو انہی میں سے کسی ایک میں بدأت بھی ہوتی ہوگی۔

مثل صلصلۃ الجرس

صلصلۃ کہتے ہیں زنجیر کا لوہے پر کھینچنا اور جرس ڈھول کو کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ شدت اور سختی کے اعتبار سے ایسی آواز ہوتی تھی جیسے ڈھول پر زنجیر کھینچی جائے ایک دوسری روایت میں سلسلہ سین کے ساتھ بھی واقع ہوا ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہے۔ اب یہ کہ یہ آواز کیسی ہے اور کیا چیز ہے اس کے اندر چھ قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یہ باری تعالیٰ کے کلام نفسی کی اپنی اصلی آواز ہوتی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موحیٰ بہ میں تخلیق صوت ہوتی تھی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اصلی آواز ہوتی تھی اور جب وہ شکل انسانی میں آتے تھے تو اس وقت انسانی آواز ہوا کرتی تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مشہور قاعدہ ہے وہ یہ کہ جب کوئی شے کسی دوسرے کا زی (ہیئت) اختیار کرتی ہے تو اس شے کے اوصاف خود اس میں آجاتے ہیں چنانچہ اگر جن چاہے تو تم کو اُٹھا کر پھینک دے اور وہی جن جب سانپ کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو ایک ہی لاٹھی میں مرجاتا ہے۔ بہرحال جبرئیل جب اپنی شکل میں ہوتے ہیں تو ان کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسے کہ رعد کے متعلق سنا ہے کہ وہ ایک فرشتے کی آواز ہے یہاں یہ بات سنو کہ اگر بجلی کڑکے اور کوئی شخص آیت کریمہ ویسبح الرعد بحمدہٖ والملائکۃ من خیفتہٖ پڑھے تو وہ آدمی نہ صرف بجلی سے محفوظ رہتا ہے بلکہ جس مکان وغیرہ میں

Marfat.com

کھڑے ہوکر یہ آیت پڑھے گا تو وہ بھی بجلی کی زد سے محفوظ رہے گا۔ میری بچی[1] جو اس وقت صاحب زوج ہوچکی ہے جب وہ تین سال کی تھی تو دروازہ پر کھڑی تھی کہ ایک دم بجلی کڑکی مولوی نصیر الدین دروازہ پر تھے اس نے پوچھا کہ مولوی صاحب اس وقت کونسی دُعا پڑھتے ہیں۔ وہ منہ دیکھنے لگے۔ اس نے کہا کہ میں نے تو اس لئے پوچھا تھا کہ تم جلدی سے بتلا دوگے اچھا اب میں تم کو بتلاؤں وہ دعا یہ ہے ویسبح الرعد بحمدہٖ والملائکۃ من خیفتہ۔ چوتھا قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے کی یہ آواز ہوتی جیسے کہ ریل کے آنے کی آواز دور سے ہی معلوم ہوجاتی ہے پانچواں قول یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے پروں کی یہ آواز ہوا کرتی تھی علماً اسی کو اصح الاقوال بتلاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اذا قضی اللہ فی سماء امراً ضربت الملائکۃ باجنحتھا خضعانا لقولہ کانھا سلسلۃ علی صفوان۔ چھٹا قول حضرت شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حواس مبارکہ وحی کے وقت اِس عالم کی اشیاء سے معطل ہوکر دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوجایا کرتے تھے اور اس تعطل کے بعد حواس میں جو ایک کیفیت پیدا ہوتی تھی یہ اس کی تعبیر ہے جیسے تم کانوں کو خوب بند کرلو تو تم کو ایک آواز سُنائی دے گی کیونکہ تم باہر کی آواز سے بالکل منقطع ہوچکے ہو اور جب یہ انقطاع ختم ہوجائے گا اور اُنگلی ہٹاؤ گے تو پھر وہ آواز بھی ختم ہوجائے گی۔ ان تمام اقوال میں میرے[2] نزدیک اول قول صحیح ہے۔

وہو اشدّہ علی زیادہ شدید ہونے کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ تعطل کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر جبرئیل اپنی اصلی شکل میں آکر کلام فرمائیں تو اس آواز سے قرآن کا اخذ کرنا بڑا مشکل ہے بہ نسبت اس کے کہ حضرت جبرئیلؑ شکل انسانی میں آکر کلام فرمائیں۔ ان دونوں وجہ سے حضورؐ کو بہت زیادہ شدت معلوم ہوتی تھی۔

فیفصم عنی یہ لفظ تین طرح سے ضبط کیا گیا ہے باب افعال سے علی بناء الفاعل۔ دوسرے مجرد سے بھی علی بناء الفاعل۔ تیسرے علی بناء المفعول۔ باب ضرب یضرب سے۔ یہاں اس سے مراد ہٹانا اور ازالہ کرنا ہے

واحیانا یتمثل لی الملک رجلاً یہ رجلاً روایات کے اندر نصب ہی کے ساتھ آتا ہے۔ مگر وجہ نصب کیا ہے؟ اس کے اندر چند اقوال ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مفعول مطلق ہے اور تقدیری عبارت ہے یتمثل لی الملک تمثل رجل مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کا اعراب دے کر مضاف کے قائمقام بنادیا۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی یتمثل لی الملک برجل اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حال ہے اور تقدیری عبارت ہے یتمثل لی الملک حال کونہٖ رَجلاً۔ علماء نے لکھا ہے

---

[1] یاد رہے کہ وہ بچی راقم سطور (مرتب) ہی کی والدہ ماجدہ ہیں۔ شاہد

[2] اس لئے کہ باری تعالیٰ کا صوت سے تکلم کرنا روایات میں مصرح ہے امام بخاری کا میلان بھی کتاب التوحید میں اسی طرف ہے

Marfat.com

کہ جبرئیل علیہ السلام اکثر حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آیا کرتے تھے حسن ظاہری کی بنا پر کیونکہ حضرت دحیہ حسین وجمیل بہت تھے ؎

قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا یہاں سے حضرت عائشہؓ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وھو اشدہ علیّ کی توضیح اور تبیین فرما رہی ہیں کہ وہ نوع اول حضورؐ پر ایسی سخت گزرتی تھی کہ سردی کے سخت زمانے میں بھی آپ پسینہ پسینہ ہوجایا کرتے تھے۔ اس حدیث کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ یہاں پر وحی کے دو طریقے مذکور ہیں ان میں سے ایک طریق ابتدار وحی کا ضرور ہوگا۔ جیساکہ ابھی گذر گیا۔ اور علامہ عینی کے نزدیک تو مناسبت بالکل ظاہر ہے کیونکہ اس کے اندر وحی کا ذکر ہے۔

حدثنا یحییٰ بن بکیر یہی ایک حدیث ایسی ہے جس کو ابتدا روحی سے بظاہر مناسبت ہے اور کیفیت مذکور ہے ورنہ بقیہ احادیثِ باب کے اندر ترجمہ سے مناسبت تکلف سے کرنی پڑتی ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا اس روایت پر اشکال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی شادی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعمر شش ۶ سالگی ہوئی۔ اب خواہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہو یا ہجرت والے سال اس سے ہمیں بحث نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت حضرت عائشہؓ پیدا ہی کہاں ہوئی تھیں جو یہ حدیث بیان کررہی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعد میں براہِ راست حضورؐ سے سُنا ہوگا اور اگر یہ مان لیں کہ حضورؐ سے نہیں سُنا تو حضرت صحابہ کرامؓ سے سُنکر بیان فرما رہی ہوں گی۔ بس اتنا فرق ہے کہ اول صورت میں یہ حدیث متصل ہوگی اور دوسری صورت میں اس کو مرسلات صحابہؓ میں سے شمار کیا جائے گا اور مرسلاتِ صحابہؓ بھی ہمارے نزدیک حجت ہیں۔

الرؤیا الصالحۃ میں بتلا چکا ہوں کہ وحی کی چھیالیس ۴۶ قسمیں ہیں ان میں سے ایک رویاء صالحہ بھی ہے اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس کو وحی میں شمار کرنا صحیح نہیں کیونکہ نبوت اور وحی کا سلسلہ تو غار حراء سے شروع ہوا ہے۔ اور خوابوں کا سلسلہ نبوت سے چھ ۶ ماہ قبل ہی شروع ہوگیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نصوص سے ثابت ہے کہ انبیاء کرامؑ کے خواب وحی میں داخل ہیں لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ یہ نوع اول ہے جو پہلے سے شروع ہوگئی تھی اور دوسری نوع وحی کی غار حراء سے شروع ہوئی۔ یا یوں کہا جائے کہ رویاء صالحہ کی حیثیت مقدمہ کی سی ہے اور حقیقی وحی وہ ہے جس کا سلسلہ غار حراء سے شروع ہوا۔

؎ بعض تقاریر میں یہاں یہ اضافہ ہے کہ تم ماقبل میں پڑھ چکے ہو کہ وحی کی سات قسمیں ہیں لیکن اسی حدیث کے اندر ان میں سے صرف دو مذکور ہیں ایک نوع مثل صلصلۃ الجرس دوسری نوع واحیانا یتمثل لی الملک ان دو پر اکتفا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اول نوع اشد اور سخت اور اعلیٰ نوع ہے اور نوع ثانی بکثرت واقع ہوتی تھی تو اول کو اہمیت کی وجہ سے اور دوسرے کو کثرت وقوع کی وجہ سے ذکر کردیا۔

Marfat.com

اِلّاجاءت مثل فلق الصبح یعنی جیسے خواب دیکھتے تھے ویسا ہی پیش آتا تھا چونکہ ان رویائے صالحہ کی وجہ سے ایک جلاء باطنی اور ایک نور پیدا ہوگیا تھا اس لئے دُنیا کی کدورتوں سے طبیعت متنفر ہوگئی تھی پھر کیا تھا وہ ہوا جو آگے آرہا ہے کہ خلوت سے محبت ہوگئی۔

ثم حبب الیہ الخلا صوفیاء کا کہنا ہے کہ جب ذکر کے آثار شروع ہوتے ہیں تو آدمی کو خلوت بہت پسند ہوتی ہے اس کا ماخذ حدیث پاک کا یہی جملہ ہے۔

فیتحنث فیہ تحنث تفعل کے وزن پر حنث سے مشتق ہے حنث کے معنی گناہ کے آتے ہیں لیکن چونکہ باب تفعل کے جہاں اور خواص ہیں ایک خاصیت سلب ماخذ بھی ہے جس طرح باب افعال کی ایک خاصیت سلب ماخذ ہے تو جب حنث کو باب تفعل میں لائے تو اس کا ماخذ یعنی حنث کے جو معنی گناہ کے تھے وہ مسلوب ہوگئے۔ اب سلب الحنث کے لئے تعبد ضروری ہوگیا۔ تو تحنث کی تفسیر تعبد کے ساتھ تفسیر باللازم کے طور پر کردی یہ ابن شہاب زہری کی طرف سے ادراج ہے کہ وہ تحنث کی تفسیر کر رہے ہیں۔

یہ نیچری اور مودودی قسم کے لوگ خانقاہوں میں بیٹھنے کو شریعت کے خلاف اور چلہ کشی کو لا رہبانیۃ فی الاسلام کے خلاف سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ بھلا جب سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت کی ضرورت پیش آئی جن کا سینۂ اطہر بالکل صاف تھا تو ہم بیچارے کیا ہیں اور ہماری کیا حیثیت ہے اور یہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت میں نبوت کے ملنے سے قبل ہی بیٹھا کرتے تھے بلکہ نبوت ملنے کے بعد بھی آپ کا خلوتوں میں رہنا اور جنگلوں میں قیام فرمانا ثابت ہے اور دلیل اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد شریف کی باب الہجرتؐ میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے مجھ کو اونٹنی دی اور فرمایا کہ اس پر سامان وغیرہ باندھ دو پھر آپ جنگل میں دو، دو، تین تین دن کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چونکہ اس سے تبتل حاصل ہوتا ہے اور اختلاط سے جو اثر دل پر پڑتا ہے وہ دور ہوجاتا ہے ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کو لکھا تھا کہ "جی چاہتا ہے کہ خلوت اختیار کرلوں؟" حضرت گنگوہی نے اس کا جواب یہ دیا کہ "یہ ہمارے اکابر کا طریقہ نہیں ہے"۔ اس جواب سے یہ سمجھ لینا کہ تبتل اختیار کرنا اکابر کا طریقہ نہیں یہ غلط ہے بلکہ حضرت گنگوہیؒ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بالکلیہ تبتل اختیار کرلے اور ان مدارس و خوانق کو چھوڑ دیا جائے یہ ہمارے سلف کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ ظاہر شریعت پر رہتے ہوئے عوائق دنیا سے اپنے قلب کو فارغ کرنے کے لئے خلوت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ اپنی متعدد تصانیف میں مختلف عبارات کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ چند چیزیں ایسی ہیں جن پر مجھے مجبور کیا گیا منجملہ ان کے یہ ہے کہ میراجی

عـہ عن المقدام بن شریح عن ابیہ قال سالت عائشۃ عن البداوۃ فقالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبدو الی ھذہ التلاع وانہ اراد البداوۃ مرۃ فارسل الیّ ناقۃ محرمۃ من ابل الصدقۃ فقال یا عائشۃ ارفقی فان الرفق لم یکن فی شئ قط الازانہ ولانزع من شئ قط الا شانہ۔ ابوداود (بذل صـ۱۹۲ ج۳)

Marfat.com

چاہتا تھا کہ کسی کی تقلید نہ کروں لیکن مجھے اس پر مجبور کیا گیا کہ تقلید تو کرنی ہی پڑے گی چاہے کسی کی کرو۔
چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کو خلاف طبع تقلید پر مجبور کیا گیا ہے اسی وجہ سے کہیں کہیں ان کی زبان سے خلاف تقلید بھی بات نکل جاتی ہے مگر چونکہ اجبار ہے اس لئے جلدی سنبھل جاتے ہیں۔ اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہندوستان میں بلا تقلید حنفیہ چارہ ہی نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ توکل اختیار کروں۔ ترک اسباب کے ساتھ یا اسباب کے ساتھ۔ یہ یہاں کی بحث نہیں آگے آئے گی اور اسی طرح میرا جی چاہتا تھا کہ حضرت علیؓ کی افضلیت کا قائل ہوجاؤں کیونکہ وہ بچپن میں اسلام لائے اور اسلام کے اندر ان کا نشوونما ہوا۔ اس کے علاوہ وہ حضورؐ کے نسب میں اتنے قریب ہیں کہ چچا زاد بھائی ہیں اور صوفیا کے سارے سلاسل تقریباً انہی سے ملتے ہیں۔ بخلاف حضرات شیخین کے کہ ان کی زندگی کا ایک حصہ کفر میں گزرا ہے اور حضورؐ کے نسب میں بھی وہ اتنے قریب نہیں لیکن مجھے اس پر مجبور کیا گیا کہ میں حضرات شیخین کی افضلیت کا قائل رہوں اور جب میں نے وجہ دریافت کی تو بتلایا گیا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ سے میری ظاہری شریعت کا تحفظ ہے اور حضرت علیؓ سے باطن شریعت کا اور ظاہر مقدم ہوتا ہے باطن پر۔ یہی وجہ ہے کہ ظاہر شریعت کے جو کام ہیں ان کو نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ اور یہی مطلب حضرت گنگوہیؒ کے فرمان کا بھی ہے کہ ظاہر شریعت کے پابند بنے رہو یہ نہیں کہ درس وافتاء کو چھوڑ کر بالکل گوشہ نشین بن جاؤ۔ بہرحال میرا خیال یہ ہے کہ بزرگوں کا یہ چلہ بھی اسی سے ماخوذ ہے اور اس کا اصل ماخذ تو قرآن پاک کی آیت وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ ہے کیونکہ اس آیت میں حضرت موسیٰؑ کو بھی چلہ گزارنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرا ماخذ کتاب القدر کی وہ روایت ہے جس میں آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن منی کا قطرہ نطفہ کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر چالیس دن بعد علقہ اور پھر چالیس دن بعد مضغہ بنتا ہے تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اربعینہ کو احوال کے تغیر میں بہت دخل ہے اور میرا تو یہ بھی خیال ہے کہ تبلیغ والوں کے یہ تین چلّے اسی حدیث سے ماخوذ ہیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب ابھی تک نبوت ہی نہیں ملی تو عبادت کس چیز کی کرتے تھے؟ اس کا جواب عام طور سے یہ دیا جاتا ہے کہ ملت ابراہیمی کے کچھ آثار اس وقت تک باقی تھے اور اسی کو اختیار فرما رکھا تھا اور شعائر ابراہیمی کے مطابق ہی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس کا مؤید یہ ہے کہ بعض روایات میں یتحنث بالثاء المثلثۃ کے بجائے یتحنف بالفاء واقع ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دین حنیفی یعنی ملت ابراہیمی کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب کے اندر طریقۂ عبادت تعلیم کیا گیا تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ عبادت سے مقصود اللہ کا ذکر اور اس کے ساتھ تعلق کا پیدا کرنا ہے ہر فطرت سلیمہ اس کا تقاضہ کرتی ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور اس کی عبادت کی جائے اور بھلا حضورؐ سے بڑھ کر کون سلیم الفطرت ہوسکتا ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زائد سلیم الفطرت ہیں

تو اس کے مقتضی پر کہ اقرار بوبیتہ ووحدانیۃ اقدس ہے عمل کریں گے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ کا ارشاد یہ ہے کہ اگرچہ کسی کے پاس دعوت نہ پہنچی ہو لیکن پھر بھی اس کے لئے وحدانیت کا اعتراف

Marfat.com

ضروری ہے

قبل ان ینزع الی اہلہ بعض روایات میں ہے کہ کبھی کبھی ایک ماہ[۵] تک نہیں لوٹتے تھے۔

فقال اقرا یہاں اشکال یہ ہے کہ جب فرشتے کو یہ معلوم تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قاری نہیں ہیں۔ اور پڑھے لکھے نہیں تو فرشتے نے قرات کا حکم کیسے دیدیا؟ یہ تکلیف مالایطاق نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تکلیف مالایطاق نہیں بلکہ پڑھانے کی ابتدا ہے جیسے کوئی استاذ کسی چھوٹے سے بچے کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ متا بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لے۔ پیارے بسم اللہ کہہ لے تو یہاں بھی حضرت جبرئیلؑ نے قرأت کا حکم نہیں دیا بلکہ تعلیم قرأت کا حکم دیا ہے لیکن حضور نے ظاہر الفاظ سے یہ سمجھا کہ مجھے قرأت کا حکم کیا جا رہا ہے اسی وجہ سے جواباً ما انا بقاری فرمادیا۔

حتی بلغ منی الجہد الجہد دال کے رفع اور نصب دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن مطلب الگ الگ ہوگا۔ رفع کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مشقت میرے لئے اپنی حد کو پہنچ گئی یعنی مجھ کو انتہائی تکلیف ہوئی۔ کیونکہ وہ فرشتے تھے اور حضورؐ بشر اور نصب کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ جبرئیل میری طرف سے مشقت کو پہنچ گئے یعنی انھوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ خود پسینہ پسینہ ہوگئے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ جب ایک آن میں قوم لوط کی بستی کو اُلٹ دیں تو جب وہ اپنی مشقت کو پہنچیں گے اور حضورؐ کو دبائیں گے تو حضورؐ زندہ کیسے رہیں گے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ جبرئیل اس وقت آدمی کی شکل میں تھے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب آدمی کسی کی زی اختیار کرتا ہے تو اس کے اثرات بھی اس میں آجاتے ہیں تو اب حضرت جبرئیل میں صرف انسانی طاقت باقی رہ گئی تھی۔ اسی نوع سے حضرت موسیٰؑ کا حضرت عزرائیلؑ کے تھپڑ مار کر آنکھ کا نکال دینا ہے

فغطنی الثالثۃ اس حدیث کے اندر یہ لفظ تین جگہ آیا ہے اس سے علمائے ظاہر نے اس پر استدلال کیا کہ استاذ کو تین مرتبہ شاگرد کو متنبہ کرنے کا حق ہے کیونکہ اس وقت جبرئیلؑ معلم تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متعلم تھے۔ یہ تو علماء ظاہر فرماتے ہیں۔ اب اشکال یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جناب فخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے استاذ کیسے بن گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا پڑھانا نبوت سے قبل کا تھا۔ اور پڑھتے پڑھتے حضورؐ کا مرتبہ بلند ہوگیا۔ اور یہ عام طور سے ہوتا ہے کہ شاگرد اپنے استاذ پر بعض مرتبہ فوقیت لے جاتا ہے۔ آن غطات ثلثہ کے متعلق علماء باطن یہ فرماتے ہیں کہ غطہ اولی اس واسطے تھا کہ حضرت جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے اقرأ کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا ما انا بقاری تو حضرت جبرئیلؑ نے دیکھا کہ عوائق بشریت مانع ہو رہے ہیں اس واسطے اس سے فارغ کرنے کے لئے ایک مرتبہ بھینچا اور دوبارہ

---

[۵] جاورت بحراء شہرا۔ مسلم شریف

Marfat.com

اقراء کہا اس پر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا بقاری کے ساتھ جواب دیا تو حضرت جبرئیل نے چاہا کہ اب اور استعداد پیدا ہو۔ لہٰذا تحصیل ملکیت کے واسطے دوبارہ بھینچا اور پھر اقراء کہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی تواضع کے ساتھ پھر ما انا بقاری فرمادیا۔ اس پر حضرت جبرئیلؑ نے تیسری بار اتحاد بالملکیۃ حاصل ہونے کے واسطے بھینچا۔

اتحاد بالملکیۃ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ مشائخ مریدین پر جو توجہ ڈالتے ہیں اس کی چار قسمیں ہیں سب سے پہلی قسم نسبت انعکاسی ہے جو سب سے ضعیف ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ فی نفسہ مرید میں کچھ ہوتا نہیں لیکن شیخ کے پاس بیٹھنے سے شیخ کا عکس اس کے قلب پر پڑتا ہے۔ مجاہدہ اور حضرات مشائخ کی صحبت سے قلب کے اندر ایک صفائی پیدا ہوجاتی ہے جس سے وہ مثل آئینہ کے ہوجاتا ہے اور اس کے اندر اشیاء منعکس ہونے لگتی ہیں اور اس کے دل کے اندر اثر پڑتا ہے یہ نسبت سب سے ادنیٰ درجہ کی ہے کیونکہ اس کی بقاء صرف اس وقت تک ہے جب تک شیخ کی مجلس میں رہے اور جب وہاں سے دور ہوگا وہ نسبت بھی ختم ہوجائے گی۔ جیسے آئینہ کہ جب تک سامنے ہے اس کے اندر عکس موجود رہے گا اور جب سامنے سے ہٹ جائے گا تو عکس بھی ختم ہوجائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نسبت پختہ نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے بعض مشائخ کو دھوکہ ہوجاتا ہے۔ اور وہ لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ اس کا اپنا اثر ہے اس کو خلافت دیدیتے ہیں۔ اور بعد میں اس کا نقص ظاہر ہوتا ہے۔ تو شیخ کو اعلان کرنا پڑتا ہے کہ فلاں سے یہ حرکات صادر ہوئی ہیں اس وجہ سے ان کی اجازت واپس لی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں اجازت ہی نہیں تھی جو واپس لی جاتی اس لئے کہ اجازت تو نسبت پر موقوف ہے اور وہ اس سے خالی تھا۔ اس نسبت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی عطر فروش کے پاس رہتا ہو تو جب تک وہ اس کے پاس رہے اس کا دماغ عطر سے معطر ہوتا رہے گا اور جب وہاں سے اُٹھے گا تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا۔

دوسری نسبت جو اس سے اونچی ہے اس کا نام القائی ہے کیونکہ یہاں شیخ اپنی نسبت کو مرید کی طرف القا کرتا ہے اور اپنے انوار باطنیہ اور قوت روحانیہ سے یہ معلوم کرلیتا ہے کہ اب مرید میں کچھ صلاحیت پیدا ہوگئی۔ یہ درجہ اول سے قوی ہے مگر ہے یہ بھی ضعیف۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چراغ کہ جب تک اس میں تیل رہے گا اور سخت ہوا سے محفوظ رہے گا جلتا رہے گا ورنہ بجھ جائے گا۔ اسی طرح شیخ اپنے قلب سے انوار کا تیل اس کے چراغ میں ڈالتا ہے اور اپنی قوت نورانیہ سے اس کو روشن کردیتا ہے۔ اب مرید کا کام یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرے اور معاصی کی ہوا سے اس کی حفاظت رکھے بالخصوص نظر بد سے کہ وہ سم قاتل ہے۔

تیسری نسبت اصلاحی کہلاتی ہے یہ اول دو سے بہت قوی ہے اس کے اندر مرید اپنے قلب کو ریاضات اور مجاہدوں سے بالکل صاف کرلیتا ہے اور شیخ کے توجہ ڈالنے پر اس کے انوارات پوری طرح سے قبول کرلیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بڑی محنت کے بعد نہر کھودے اور اس کو بالکل صاف کرے اور اس کا دہانہ کسی دریا سے ملادے جس کی وجہ سے اس کی نہر میں بھی پانی آجائے۔ اب اگر اس نہر میں کوئی خس وخاشاک اور مٹی وغیرہ آئے گی تو پانی کے دباؤ سے خود بخود بہتی چلی جائے گی۔

Marfat.com

چکی کا پاٹ یہ ہے کہ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے من قال لا إله إلا الله دخل الجنة اس پر حضرت ابوذرؓ نے فرمایا وان زنی وان سرق تو آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا وان زنی وان سرق۔ اور چوتھی نسبت نسبتِ اتحادی ہے کہ شیخ کے ساتھ طبیعت اتنی متحد ہو جائے کہ جو اس کے قلب میں آئے وہی مرید کے قلب میں بھی آئے

حضرت شاہ صاحب نے اس کی مثال میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے ایک باورچی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا وہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے۔ ان بزرگوں کا قاعدہ یہ رہا ہے کہ اپنی ذات کے لئے آنے والے ہدایا سے اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے اس سے خوش ہوتے ہیں کہ ان کے مہمان کے لئے کوئی ہدیہ لاوے۔ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں فاقہ تھا۔ ان کو مہمانوں کی مہمان نوازی کی فکر ہوئی۔ اس باورچی کو معلوم ہوا تو یہ ایک بڑا سا خوان کھانے کا لایا۔ حضرت خواجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا "اپنے جیسا بنا دو" حضرت ایک دم ٹھٹک گئے اور فرمایا "کچھ اور مانگ لے"۔ لیکن وہ نہیں مانا حضرت نے دوبارہ اصرار کیا۔ پھر اس کے اصرار پر حضرت اس کو اپنے حجرہ میں لے گئے۔ اب حضرت نے حجرہ میں کیا کیا اس کو تو کسی نے ذکر نہیں کیا مگر ہمیں اس حدیث نے بتلا دیا کہ بھینچا ہوگا۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد دونوں حضرات باہر تشریف لائے تو صورت تک ایک ہو چکی تھی۔ صرف اتنا فرق تھا کہ حضرت کے تو ہوش و حواس درست تھے مگر وہ مدہوش تھا۔ اور تین دن بعد انتقال کر گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ مرید کو آہستہ آہستہ ترقی دیتے ہیں لیکن بعض مشائخ اس کے خلاف کرتے ہیں کہ ذکر لسانی کے کچھ ہی دن بعد ذکر قلبی اور دوسرے اوراد شروع کرا دیتے ہیں جو نقصان دہ ہوتا ہے۔

بہرحال حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ نے جو یہاں تین مرتبہ بھینچا وہ اسی نسبت اتحادی کے پیدا کرنے کے لئے کیا تھا چکی کا پاٹ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو نسبت حاصل تھی وہ نسبت اتحادی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا وہی ابوبکرؓ سے بھی واقع ہوا۔ مثلاً اساریٰ بدر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ یہ تھا کہ سب کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا کہ سب کی گردن اُڑا دی جائے اسی طرح جب صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو حضرت عمرؓ غصے سے بھرے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ کیا یہ دین حق نہیں ہے، کیا ہم حق پر نہیں؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی نرمی سے جواب دیا کہ ہاں میں اللہ کا سچا نبی ہوں اور ہمارا دین برحق ہے اور تم حق پر ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر ایسا کیوں ہوا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ایسا ہی مناسب ہے"۔ حضرت عمرؓ یہاں سے اُٹھ کر سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور وہی بات کہی جو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کہہ کر آئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ نے بھی لفظ بہ لفظ وہی جواب دیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دے چکے تھے۔ اسی اتحاد کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بلا فصل ہوئے۔ اگر اس وقت خدانخواستہ حضرت عمرؓ یا اور کوئی خلیفہ بن جاتا تو کہرام مچ جاتا۔ اس لئے کہ ایک طرف تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صدمہ ہوتا اور دوسری طرف چونکہ وہ اتحاد حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں تھا تو لقیناً

Marfat.com

کچھ نہ کچھ کام خلاف بھی صادر ہو جاتے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے۔ پھر جب وفات نبوی کا غم کچھ ہلکا ہو گیا اور انتظامات درست ہو گئے تو حضرت عمرؓ کو بنا لیا گیا کیونکہ اب ضرورت انہی کی تھی یہاں فوج بھیج وہاں بھیج، یہ انتظام وہ انتظام۔ اِس کی سرکوبی اُس کی تادیب۔ یہ سب حضرت عمرؓ ہی کر سکتے تھے۔ چھٹی کا پاٹ یہ ہے کہ حضورؐ نے قبل الوحی جو چھ ماہ ریاضت اور مجاہدہ میں گذارے جس کے اندر مناماتِ اور رویا، صالحہ کا خوب ورود ہوا تو اس وقت آپ کا قلب مبارک صاف ہو چکا تھا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے آپ سے ملاقات کی تو نسبت انعکاسی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد غطہ اولیٰ سے نسبت القائی اور غطہ ثانیہ سے نسبت اصلاحی اور غطہ ثالثہ سے نسبت اتحادی پیدا ہوئی اور پھر اس کے بعد تیرہ سال قبل الہجرۃ جو معارج اور منازل طے فرمائے وہ بعد کی ترقیات ہیں۔

اقرأ باسم ربك الذي خلق

یہاں پر چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ اول یہ کہ سب سے پہلے قرآن پاک کا کونسا حصہ نازل ہوا۔ کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اقرأ کی اولین پانچ آیات نازل ہوئیں۔ اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور تیسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سورہ مدثر نازل ہوئی۔ ان تینوں کے درمیان علمائے نے جمع کی یہ صورت اختیار فرمائی ہے کہ اولیتِ حقیقیہ ان پانچ آیاتِ اقرأ کو حاصل ہے کیونکہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہی سب سے پہلے نازل ہوئی۔ اور پوری سورۃ جو سب سے پہلے نازل ہوئی...... وہ سورۃ فاتحہ ہے تو گویا اس کی اولیت اس حیثیت سے ہے کہ سب سے پہلے کامل سورت سورہ الحمد ہی نازل ہوئی اور چونکہ اقرأ کی ان آیات کے نزول کے بعد فترۃ الوحی واقع ہو گئی تھی جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ بعض روایات کے مطابق تین سال مدۃ فترۃ ہے اس کے بعد سورہ مدثر نازل ہوئی تو اس حیثیت سے سورۂ مدثر اول ما نزل ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ جہات تینوں کے اندر مختلف ہیں۔ اس لئے ہر قول اول ما نزل ہونے کے اعتبار سے صحیح ہے۔

دوسری بات جس کا جاننا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ میں بخاری شریف کے ابتداء میں بتلا چکا کہ علامہ زمخشری نے بسم اللہ کا متعلق اقرأ مانا ہے جو بسم اللہ سے مؤخر ہے۔ لیکن یہاں اعتراض یہ ہے کہ قرآن پاک میں اقرأ کو مقدم فرما دیا جو اسمِ رب سے مقدم ہو گیا۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اقرأ باسم ربک میں جو اقرأ ہے اس کا تعلق باسم ربک سے نہیں ہے بلکہ یہ تو بطور تنبیہ کے ہے جس طرح ایک استاذ اپنے شاگرد کو تنبیہ کرتا ہے۔ اور فی الحقیقت اس کا متعلق محذوف ہے اور تقدیری عبارت ہے۔ اقرأ باسم ربک الذی اقرأ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل کی طرف سے امر بالقراءۃ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلسل انکار ہوا تو اس سبب سے اس میں اہمیت پیدا ہو گئی اس لئے اقرأ کو مقدم فرما دیا۔

اور تیسری بات یہاں یہ ہے کہ آیت کریمہ اقرأ باسم ربک میں ابتداء نہ تو اسم جلالہ یعنی لفظ اللہ سے ہو رہی ہے حالانکہ وہ علم ذات ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اسم اعظم بھی ہے اور نہ ہی اسماء جمالیہ یعنی الرحمٰن اور الرحیم [illegible] جیسا کہ میں بخاری شروع

کرتے وقت بیان کرچکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اور تربیت الشئ یہ ہے کہ اس کی ساری چیزوں کی کفالت کی جائے جیسے ماں بچے کی کفالت کرتی ہے۔ کہ چونکہ بچہ نہ خود اُٹھ سکتا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے نہ کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے اس لئے سب امور کی نگہداشت ہی کرتی ہے۔ اسی طرح اللہ رب العالمین ہیں کہ سب چیزوں کی کفالت کرتے ہیں اب چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ما انا بقاری فرما رہے تھے اس لئے اسم رب سے شروع کر کے اس طرف متوجہ کیا کہ رب کے نام سے پڑھو۔ جب وہ رب ہے تو جو ضروریات قرأت وغیرہ کی پیش آئیں گی وہی سب کی کفالت کرے گا اور پڑھنے کو آسان فرمائے گا۔ اسکے بعد مزید شانِ ربوبیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرمایا خلق الانسان من علق یعنی جس ذات نے ایک نطفہ ناپاک اور پانی کے ایک قطرے سے افضل المخلوقات اور احسن المخلوقات کو پیدا فرمایا وہی قرأت بھی سکھلا دے گا۔ اس کے بعد مزید ترقی کر کے فرمایا علّم بالقلم اس سے اشارہ فرمایا کہ جو ذات ایک بے جان شے یعنی قلم کے ذریعہ سے علم سکھاتی ہے اور آدمی علم سیکھ جاتا ہے تو اگر وہ ذات ہی براہِ راست علم سکھانے پر اُتر آئے تو کیسے علم نہیں سیکھ سکتے۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ بہت ممکن ہے اللہ جل شانہٗ نے اس جملہ علّم بالقلم سے اشارہ فرما دیا ہو کہ علم کو قلم سے مقید کرنا چاہیئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث میں جو یہ آتا ہے۔ قیدوا العلم بالکتاب یہ اسی جملہ کریمہ کی شرح ہو۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ علم قلم سے مدتوں باقی رہتا ہے۔ چنانچہ یہی بخاری شریف جو میری تحقیق کے مطابق ۲۳۳ھ میں لکھی گئی۔ آج ایک ہزار برس سے زائد ہو گئے اسی طرح باقی ہے۔ اور اگر کوئی حفظ یاد کرے تو کچھ ہی دن باقی رہتا ہے۔

فرجع بہا

اے بالآیات والنبوۃ۔

فدخل علی خدیجۃ بنت خویلد

حضرت خدیجہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ لاڈلی اور چہیتی بیوی تھیں۔ ان کی عمر شریف چالیس برس کی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔ اور خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت پچیس سال کی تھی۔ اب یہیں سے ان آریوں کا اُسکال ختم ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام شادیاں یعنی گیارہ عورتوں سے نکاح محض شہوت پرستی کی بنا پر کئے تھے (نعوذ باللہ منہ) بھلا جب حضور اپنی پوری جوانی میں تھے اور خوب شباب کا زمانہ تھا اس وقت تو آپ نے ایک بڑھیا پر قناعت کر لی جو کہ بیوہ بھی تھی اور جب آپ خود بوڑھے ہو گئے تو دوسری عورتوں سے نکاح شروع کیا۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ اس تعدد ازواج میں یقیناً کوئی مصلحت ہو گی اور وہ مصلحت یہی تھی کہ ان کے ذریعہ سے دین کو فروغ ہو گا۔ ورنہ آپ اپنی جوانی میں ضرور کسی جوان سے نکاح فرماتے۔ نیز اگر حضورؐ کا شہوت ہی کی غرض سے نکاح کرنا مقصود ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کیوں انکار فرما دیتے جب کہ ابتداء دعوت اسلام کے وقت قریش نے آپ کے سامنے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ کو نکاح کی غرض ہے تو آپ جس لڑکی سے چاہیں نکاح کر لیں

Marfat.com

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء سے چل کر جو سیدھے حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپ کا اپنا گھر تھا اور مصیبت میں آدمی اپنے گھر ہی جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت خدیجہؓ آپ کی بیوی تھیں اور جب کوئی پریشانی کی بات ہوتی ہے تو آدمی بیوی ہی سے کہتا ہے۔

فقال زمّلونی زمّلونی

پہلی بات یہاں پر رہی ہے جو میں نے کہی تھی کہ لیتفصد عرقا پر زملونی زملونی سے اشکال ہوتا ہے اس لئے کہ تفصد عرق کا تقاضا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرمی محسوس ہوتی تھی اور زملونی زملونی کا تقاضہ یہ ہے کہ سردی معلوم ہوتی تھی اس لئے کہ جب کسی کو سردی لگتی ہے تو اسکو لحاف وغیرہ اڑھاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرمی عین نزول وحی کے وقت میں معلوم ہوتی تھی جیسا کہ روایات کے اندر آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی اور پسینہ پیشانی مبارک سے ٹپک رہا تھا اس کے بعد جب آثار ختم ہو گئے تو آپؐ نے پسینہ صاف کیا اس کے بعد جو سردی لگتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ پسینہ آنے کے بعد جب ہوا لگتی ہے تو سردی بھی محسوس ہوتی ہے۔ اسکے بعد جو روایات وحی کے ذکر میں آتی ہیں اور ان میں پسینہ اور گرمی کا ذکر ہے اور چادر وغیرہ اوڑھنے کا ذکر نہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا میں خوف بھی ہوا کرتا تھا اس لئے سردی کے اثرات زیادہ معلوم ہوتے تھے۔ پھر جب طبیعت مبارکہ خوگر ہو گئی تو چادر اوڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ دوسرا جواب اصل اشکال کا یہ بھی دیا گیا ہے کہ آدمی کو جب خوف ہوتا ہے تو چادر اوڑھتا ہی ہے خواہ اس کے ساتھ حرارت ہو یا نہ ہو۔

دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زملونی کیوں فرمایا زملینی فرمانا چاہیئے تھا۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ ایسے مواقع (یعنی مواقع خدمت) پر محاورات میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ گھر جا کر عام طور سے بیوی سے کہا جاتا ہے کہ کھانا لاؤ۔ یہی جواب میرے نزدیک راجح ہے۔ اور دوسرا جواب بعض شراح نے یہ دیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام بھی تھے اور باندیاں بھی تھیں اور اس وقت چونکہ پردہ کا دستور نہیں تھا اس لئے حضورؐ نے سب کو خطاب فرما دیا جس کے اندر حضرت خدیجہؓ بھی شامل ہیں۔

لقد خشیت علی نفسی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان کا خوف کیوں ہوا اس کی بارہ وجوہات میں نے حاشیہ لامع الدراری میں لکھ دی ہیں دیکھ لینا۔ بعض ان میں سے ضعیف بھی ہیں وہاں ان کے ضعف کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے۔ چند اقوال یہاں بھی سُن لو۔

(۱) حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ کو خوف اس وجہ سے پیش آیا کہ نہ معلوم اعبار نبوت کا تحمل ہو سکے یا نہیں۔

(۲) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضورؐ اس خیال سے ڈر گئے کہ یہ کوئی جن یا شیطان تو نہیں ہے۔ مگر یہ جواب بالکل غلط ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضورؐ کو اپنی نبوت کے اندر ہی شک تھا حالانکہ ہر نبی کو اپنی نبوت پر ایسے ہی ایمان لانا ضروری ہے۔ جیسے کہ اس کی اُمت کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

(۳) علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ جملہ حضرت خدیجہؓ کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے فرمایا [illegible] اور یہ فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ ان کو یقین نہ آتا۔ کیونکہ

Marfat.com

فاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی بڑائی کی بات کرتا ہے تو دوسروں کو ناگواری ہوتی ہے۔ اور اگر تواضع اور عاجزی کے ساتھ بات کرے تو طبیعت خود بخود پسیج جاتی ہے۔ اس لئے حضرت خدیجہؓ کو اولاً مانوس کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اپنے ہی خوف کا اقرار کرلیا اور جب حضرت خدیجہؓ نے آپ کا یہ تکسر دیکھا تو فوراً آپ کے اوصاف جمیلہ شمار فرما کر آپ کی ڈھارس بندھادی۔

(۴) چکی کا پاٹ یہ ہے کہ چونکہ حضرت جبرئیلؑ نے خوب دلوچا تھا اس لئے آپ کو اپنی موت کا خوف ہونے لگا کیونکہ حضورؐ کو یہ خطرہ تھا کہ اگر حضرت جبرئیلؑ نے دوبارہ دلوچا تو کہیں موت واقع نہ ہوجائے۔

مایخزیک اللہ ابدا میرا خیال یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے اس جملہ سے حضرت گنگوہیؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ آپ کا یہ سارا خوف اس وجہ سے تھا کہ شاید آپ اعبائے نبوت کا تحمل نہ کرسکیں۔

انک لتصل الرحم حضرت خدیجہؓ نے تمام اوصاف میں سب سے پہلے صلہ رحمی کو ذکر کیا۔ کیونکہ غیر کے ساتھ حُسنِ سلوک کچھ زائد مشکل نہیں۔ اس لئے کہ اگر کسی کی حالت گری ہوئی دیکھی اس کے ساتھ احسان کردیا۔ مگر چونکہ قرابت داروں کے ساتھ ہر وقت سابقہ پڑتا ہے اور ان کی نرم گرم سُننی پڑتی ہے اس لئے ان کے ساتھ اگر احسان کرنا بھی چاہے گا تو وہ سختیاں اور بے عنوانیاں یاد آکر طبیعت رُک جائے گی تو حضرت خدیجہؓ نے سب سے پہلے اسی کو تبلایا کہ آپ تو دوسروں کی غلطیوں کو خیال میں لائے بغیر صلہ رحمی کرتے ہیں پھر کیسے خدا آپ کو ضائع کردے گا۔ یہاں یہ ضابطہ سُن لو کہ جو شخص جتنا زیادہ صلہ رحمی کرے گا وہ اتنا ہی غیر کے ساتھ احسان اور حُسن سلوک کرنے والا ہوگا۔

وتحمل الکل یعنی آپ بوجھ برداشت کرتے ہیں۔ کل یعنی بوجھ جس سے حسّی اور معنوی دونوں مراد ہوسکتے ہیں۔

وتکسب المعدوم یہ باب افعال اور مجرد دونوں سے آتا ہے۔ مجرد کی صورت میں لازم اور متعدی دونوں طرح سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر متعدی ہو تو ترجمہ یہ ہوگا کہ آپ فقیر کو کماتے ہیں یعنی دوسرے سے کہہ کر اس کی مدد کراتے ہیں اور اگر لازم ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ فقیر کو کماتے ہیں یعنی اس کو مال عطا فرماتے ہیں۔

وتقری الضیف یعنی مہمان داری کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان داری کا کیا پوچھنا۔

وتعین علی نوائب الحق علماء نے لکھا ہے کہ حق کی قید لگا کر باطل سے احتراز کرلیا گیا یعنی اگر کوئی حق کام درپیش ہو تو اس میں تو مدد فرماتے ہیں لیکن اگر کوئی ناحق کام مثلاً کوئی زنا کرنے جارہا ہو تو اس میں اعانت نہیں فرماتے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نوائب حق سے مراد آفات سماویہ

Marfat.com

ہیں جیسے کثرت باراں کے سبب سے مکانات کا منہدم ہوجانا وغیرہ اور آفات سماویہ کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی کہ جب کوئی آسمانی آفت آتی ہے تو آدمی زیادہ مجبور ہوتا ہے کہ یہ تو اللہ کی جانب سے ہے اس میں بشر کو چارۂ کار ہی نہیں لیکن جب حضورؐ آفات سماویہ غیر اختیاریہ میں بھی مدد فرماتے ہیں تو آفات ارضی میں تو ضرور مدد فرمائیں گے۔

ورقہ بن نوفل یہ ورقہ بن نوفل اور زید بن نفیل وغیرہ ان لوگوں میں ہیں جو ابتداً مشرک تھے پھر بتقاضائے فطرت سلیمہ شرک سے تائب ہوکر وحدانیۃ باری کے قائل ہوئے۔ حتیٰ کہ زید بن نفیل تو بتوں کی مذمت بیان کرنے میں بہت آگے تھے کہا کرتے تھے کہ ان کی پرستش کرتے ہو جن کو اپنے ہاتھ سے بناتے ہو اور جو تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کرسکتے۔ یہ زید جب شرک سے بیزار ہوئے تو علمائے یہود کے پاس گئے اور ان لوگوں سے یہودی ہونے کی درخواست کی۔ انھوں نے کہا شوق سے ہوجاؤ مگر اس مذہب سے کچھ حصہ غضب الٰہی کا بھی ملے گا۔ پھر نصاریٰ کے پاس جاکر نصرانیت قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی ان لوگوں نے کہا ہوجاؤ۔ مگر کسی قدر حصہ ضلالت کا بھی ملے گا۔ اِن کے پوچھنے پر نصاریٰ نے دین ابراہیمی قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ جس پر اُنھوں نے ملت ابراہیمی کو اختیار کیا اور زمانہ نبوت سے پہلے ہی انتقال کرگئے۔ اور ان کے دوسرے ساتھی ورقہ بن نوفل نے نصرانیت اختیار کی اور بعد میں نصرانیت کے بہت بڑے عالم ہوئے کہ انجیل کو عبرانی زبان سے عربی میں منتقل کیا کرتے تھے اور عربی زبان سے عبرانی زبان میں منتقل کیا کرتے تھے۔

فیکتب من الانجیل بالعبرانیۃ تورات عبرانی زبان میں تھی اور انجیل سریانی زبان میں تھی۔ ورقہ چونکہ نصرانی تھے اس لئے انجیل کا ترجمہ سریانی زبان سے عبرانی زبان میں کرکے اپنے یہاں کے لوگوں کو دیتے تھے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عبرانیۃ کے بجائے عربیہ ہے کیونکہ خود ورقہ کی زبان عربی تھی جیسا کہ حاشیہ کے اندر العربیۃ ہی واقع ہوا ہے اور یہی کتاب التفسیر میں بھی آرہا ہے۔ لیکن علمائے دونوں میں اس طرح جمع کیا ہے کہ (ورقہ) دونوں زبانوں میں ماہر تھے۔ عربی کے بھی کیونکہ یہ ان کی مادری زبان تھی اور عبرانی کے بھی۔ لہٰذا انجیل کو سریانی زبان سے عبرانی زبان میں منتقل کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ عرب میں یہود بھی رہتے تھے جو عبرانی زبان جانتے تھے۔ کیونکہ تورات بھی اسی زبان میں نازل ہوئی ہے تو بعض کو عبرانی زبان میں اور بعض کو عربی زبان میں ترجمہ کرکے دیا کرتے تھے۔

اسمع من ابن اخیک ورقہ بن نوفل حضورؐ کے چچا نہیں تھے مگر چونکہ اہل عرب ہر بڑے کو چچا اور ہر چھوٹے کو بھتیجا بطور تعظیم و شفقت کے کہتے ہیں اس لئے حضرت خدیجہؓ نے بھی ابن اخ کہدیا۔

ہذا الناموس ناموس کے معنی صاحب السّر کے ہیں۔ یہ وزن اور معنی میں مثل جاسوس کے ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ناموس وہ شخص کہلاتا ہے جو سرِ خیر کا متلاشی ہو اور جاسوس وہ ہے جو شر کا تجسس کرتا ہو۔ اور یہاں ناموس سے مراد فرشتہ ہے۔

Marfat.com

نزل اللہ علی موسیٰ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ورقہ نے حضرت عیسیٰؑ کا نام کیوں نہیں لیا جب کہ ورقہ نصرانی تھے۔ علماء نے اس کے چند جوابات دیئے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہاں بہ نسبت نصرانیوں کے یہودی زیادہ تھے اس لئے حضرت موسیٰؑ کی شہرت زیادہ تھی اس لئے انہی کا نام ذکر فرمایا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ان کی قوم کی طرف سے شدت اور سختی میں مبتلا کیا گیا تھا تو وہ اس بات میں حضورؐ کے شریک تھے اس وجہ سے ان کو ذکر فرما دیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت فیما بین الیہود والنصاریٰ مسلّم تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ کا ذکر فرمایا۔ بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کو صرف نصاریٰ مانتے تھے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر جو وحی اُتری تھی وہ امثال وعبر اور رافۃ ورحمت پر مشتمل ہوتی تھی بخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی کے کہ اس میں اوامر ونواہی تھے اور جہاد وقتال کا حکم تھا تو ورقہ نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آئے گی اس میں اوامر ونواہی ہوں گے اس پر اشکال یہ ہے کہ ورقہ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضورؐ پر آنیوالی وحی اس قسم کی ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ ورقہ کتب سماویہ کے عالم تھے اور انہی کتابوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وغیرہ مذکور تھے۔

یا لیتنی فیہا جذعا اے قویا شاباً جذعہ اصل میں قوی اونٹ کو کہتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کاش میں ایام دعوت واسلام میں قوی ہوتا تاکہ ان کا مقابلہ کرتا جس وقت کہ وہ لوگ آپؐ کو شہر سے نکالیں گے۔

او مخرجی ہم چونکہ اہل عرب میں عصبیتہ بہت ہوتی ہے اور وہ اپنے اہل قرابت کی حمایت کرتے ہیں خواہ حق پر ہوں یا ناحق پر اس لئے آپؐ کو خبر اخراج پر تعجب ہوا۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی بہت محبوبانہ گزری تھی۔ امین وصادق کے لقب سے آپؐ مشہور تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت عجیب معلوم ہوئی کہ آپ کو آپ کی قوم ملک سے نکال دے گی۔ چنانچہ جب آپؐ کو اس پر استعجاب ہوا تو حضرت ورقہ نے اس کی وجہ بیان فرمائی۔

لم یات رجل قط بمثل ما جئت بہ الا عودی ورقہ نے کہا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ تو ہوتا چلا آیا ہے کہ آپ جیسی چیز (نبوت) جو کوئی بھی لے کر آیا اس کو ستایا اور اس سے دشمنی کی گئی۔

وان یدرکنی یومک انصرک نصرًا مؤزرا یہاں حضرت ورقہ حضورؐ کی مدد کا وعدہ کر رہے ہیں۔ اب ایک بات غور سے سُنو وہ یہ کہ جب ورقہ آپ کی مدد کرنے کو کہہ رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ حضورؐ پر ایمان لائے ہوں گے جب ہی تو مدد کا وعدہ کر رہے ہیں۔ اب اگر ان کو مسلمان مان لیا جائے تو اب اول المومنین ورقہ ہوئے اور حضرت صدیق اکبرؓ سے مقدم ہوئے۔ چنانچہ حافظ

Marfat.com

ابن حجر نے اصابہ کے اندر صحابہؓ کی قسم اول میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔ قسم اول کا مطلب یہ ہے کہ حروف تہجی کے اعتبار سے حافظ نے اصابہ کے اندر صحابہؓ کا تذکرہ کیا ہے اور ہر حرف کے چار درجے متعین کئے ہیں۔ مثلاً الف قسم اول الف قسم ثانی۔ الف قسم ثالث۔ اور الف قسم رابع۔ اور طریقہ حافظ کا یہ ہے کہ قسم اول میں کبار صحابہ کے نام ذکر فرماتے ہیں اور قسم ثانی میں ان صغار صحابہ کے اسماء لکھتے ہیں جن کو رویت حاصل ہے اور قسم ثالث میں مخضرمین کا ذکر فرماتے ہیں۔ مخضرم وہ کہلاتا ہے جس کو حضورؐ کا زمانہ ملا ہو۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکا ہو۔ اور قسم رابع میں ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی صحبت کے وہ خود منکر ہیں۔ اگرچہ کسی اور نے ان کو صحابی لکھ دیا ہو۔ ورقہ کی صحبت کا بعض حضرات نے انکار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے ان کو قسم اول میں شمار کیا ہے اب آیا یہ حضرت صدیق اکبرؓ سے قدیم الاسلام ہوئے یا نہیں اس لئے کہ ابتداء وحی کا واقعہ ہے ممکن ہے حضورؐ ابوبکرؓ سے ورقہ سے پہلے ہی مل چکے ہوں اور ابوبکرؓ ایمان لائے ہوں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اول من آمن اس وجہ سے ہیں کہ بالتصریح اشہد ان لا الہ الا اللہ کہنے والوں میں سب سے پہلے ہیں اور حضرت ورقہ اگرچہ مقدم ہیں مگر بالتصریح کلمہ گو نہیں کیونکہ ان کا ایمان ان کے اقوال سے مستفاد ہوتا ہے۔

ثم لم ینشب ورقۃ ان توفی ورقہ بن نوفل ملک شام چلے گئے تھے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مکہ کے لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن گئے تو یہ اعانت کے لئے وہاں سے چل دیئے مگر راہ میں کسی نے قتل کر دیا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ مکہ میں ہی کچھ دنوں بعد انتقال فرمایا۔

وفترالوحی یہ فترت مسلسل تین سال تک رہی۔ اب یہ کہ اس کی حکمت کیا تھی؟ حقیقی حکمت تو اللہ تعالیٰ شانہ ہی جانتے ہیں مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ فترت اس لئے واقع ہوئی تاکہ آپ آیات منزلہ میں غور و فکر کریں اور تدبر و تفکر کریں اور بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ وحی چونکہ ایک وزنی چیز تھی جیسے کہ قرآن مجید میں ہے اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا تو کچھ دنوں کے لئے اس کو روک دیا گیا تاکہ طبیعت مبارکہ اس بوجھ کی خوگر ہو جائے اور ثقل برداشت کرنے لگے۔ بطور جملہ معترضہ کے ایک اشکال یہ سنو کہ جب وحی ایک ثقیل چیز ہوتی ہے تو ہم کو اس کا ثقل کیوں نہیں معلوم ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم غور و فکر ہی نہیں کرتے اور اس کے حقائق نہیں سمجھتے ورنہ اکابر کے متعلق مشہور ہے کہ قرآن پڑھتے تھے اور دہاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ یا پھر اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرما کر کھا ہے اور اس کے ثقل کو خفت سے بدل دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ فترۃ تحصیل اُنس کے لئے ہوئی۔ کیونکہ اگر پے در پے اس امر ثقیل کا نزول ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ طبیعت مبارکہ میں نفرت اور وحشت پیدا ہو جاتی۔ جیسا کہ بار بار کی سختی سے بسا اوقات وحشت ہونے لگتی ہے۔ یا اس جواب کو یوں تعبیر کرو کہ چونکہ اعباء رسالت سے آپ کو خوف تھا تو اس کے تحمل کے لئے مہلت دیدی گئی۔

یہاں ایک توجیہہ فترۃ کے بارے میں یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ صوفیاء کے یہاں معمول ہے کہ جب کسی کو تلقین

Marfat.com

وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں تو اس کو اپنے سے کچھ دنوں کے لئے دور کر دیتے ہیں تاکہ اس کا علم ہو جائے کہ جو نسبت مرید کو حاصل ہے وہ نسبت انعکاسی تو نہیں۔ یہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ تاکہ صوفیاء کے لئے مشعل راہ ہو۔

قال ابن شہاب یہ تعلیق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہو گیا چونکہ ابتداء حدیث سے لے کر یہاں تک کے حالات حضرت عائشہؓ کی روایت سے بواسطہ عروہ مذکور تھے مگر قصہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا اس لئے امام زہری فترۃ وحی کے واقعہ کو دوسرے واسطے سے بیان فرما رہے ہیں اور وہ واقعہ حضرت جابرؓ کی روایت میں بواسطہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن موجود ہے۔

وہو یحدث ہو کی ضمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جابر دونوں کی طرف لوٹ سکتی ہے۔[۵]

فرعبت اس لئے کہ جب یہ دیکھا کہ ایک معلق کرسی پر فرشتہ بیٹھا ہے تو یہ عجیب بات دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔

والرجز فاہجر رجز کے معنی یا تو امور قبیحہ کے ہیں یا عبادۃ الاوثان کے ہیں۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ آپ نے تو کبھی بتوں کی عبادت نہیں فرمائی پھر کیونکر اس کے ترک کا حکم دیا جا رہا ہے جواب یہ ہے کہ بسا اوقات کسی شے سے جو منع کیا جاتا ہے وہ اس کی غایت قباحت کے پیش نظر منع کیا جاتا ہے گو مخاطب نے اس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ جیسے بیعت میں شیخ یبایعن علی ان لا یشرکن باللہ شیئا و لا یسرقن ولا یزنین کے الفاظ کہلواتا ہے حالانکہ ہر آدمی زانی اور چور نہیں ہوتا۔

تابعہ عبداللہ بن یوسف متابعۃ کی دو قسمیں ہیں۔ متابعۃ تامہ۔ متابعۃ ناقصہ۔ متابعۃ تامہ یہ ہے کہ کوئی شخص ابتدا ہی سے استاذ میں راوی حدیث کا شریک بن جائے اور متابعۃ ناقصہ یہ ہے کہ اوپر سند میں کوئی آدمی حدیث کے راوی کی متابعت کرے۔ متابعت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے روایت اور راوی کو تقویت ملتی ہے۔

وقال یونس و معمر بوادرہ یہاں سے امام بخاری اختلاف روایات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ زہری کے شاگرد عقیل نے تو فوادہ کہا اور یونس و معمر نے بوادرہ کہا ہے۔ بوادر جمع ہے بادرہ کی۔ بادرہ گردن اور مونڈھے کے درمیانی حصہ کو بولتے ہیں۔ خوف کی شدت میں جس طرح دل کانپتا ہے۔ اسی طرح یہ حصہ بھی حرکت کرنے لگتا ہے۔ یہ روایت باب بدو الوحی کے بالکل مطابق ہے اور چونکہ حضرت

---

۵ دوسری تقاریر میں ھو کی ضمیر صرف حضورؐ کی طرف راجع کی گئی ہے۔ اور یہی ہمارے حضرت کے نزدیک راجح ہے کما ھو فی مذکور فی ھامش اللامع۔

Marfat.com

شیخ الہند کے نزدیک ترجمہ کا مقصد عظمت وحی کو بتلانا ہے اس طرح موافقت ہو جائے گی کہ حضرتؐ جیسے عظیم الشان اور فخر الرسل جیسے اس کو لے کر آئے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ترجمہ کی غرض ان اوصاف جمیلہ کو بیان کرنا ہے جن پر وحی نازل ہوتی ہے تو یہ بھی اسی روایت نے بتلا دیا کہ وہ اوصاف صلہ رحمی وغیرہ کرنا ہے۔

لاتحرک بہ لسانک

اس روایت کو ابتداء وحی کے ساتھ اس طرح مناسبت ہے کہ یہ واقعہ ابتداء وحی کا ہے اور اس کے اندر یہ بیان فرمایا ہے کہ ابتدائے وحی میں یہ کیفیت ہوتی تھی لہذا کیفیۃ بدو الوحی ثابت ہوگئی۔ یہ آیت سورۃ قیامہ میں مذکور ہے۔ اور اس آیت سے قبل اور بعد دونوں جگہ قیامت کے احوال مذکور ہیں اور اسی مناسبت سے سورۃ کا نام قیامہ بھی رکھا گیا ہے۔ لیکن اس آیت پر اشکال یہ ہے کہ اس کا قیامت سے کیا جوڑ ہے؟ اس کا جواب[1] یہ ہے کہ قرآن پاک کے ذریعہ سے تربیت پیدا کرنی مقصود ہے تو جیسے مربی درمیان کلام میں کوئی بات غیر متعلق کہہ دیتا ہے۔ مثلاً باپ اپنے ایک چھوٹے سے بچے کو کھانا کھلا رہا ہو اور ساتھ ساتھ خوب پند و نصائح اور تربیت کے لئے ایک قسم کی افہام و تفہیم کر رہا ہو اور اسی اثنا میں بچہ کسی غیر مناسب جگہ ہاتھ ڈال دے تو باپ درمیان گفتگو ہی میں اس کو منع کر دیتا ہے کہ ایسا مت کرو، اس میں ہاتھ مت ڈالو۔ اور اتنا کہہ کر پھر پہلی بات شروع کر دیتا ہے۔ تو اسی طرح سے یہ آیت کریمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیلؑ کے واسطے سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک سکھا رہے تھے اور حضورؐ اس خوف سے کہ کہیں بھول نہ جاؤں اپنی زبان سے اس کو بار بار دہراتے تھے تو درمیان کلام میں ہی تنبیہ کر دی کہ ایسا مت کرو۔ اس کے بعد پھر سابقہ کلام شروع فرما دیا۔

یعالج من التنزیل شدۃ

اس جملہ سے عظمت وحی کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اسی عظمت کی وجہ سے جلدی جلدی پڑھنے میں مشغول ہو جاتے تھے اور یہیں سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اس ترجمۃ الباب کا مقصد عظمت وحی کو بیان کرنا ہے۔

وکان مما یحرک شفتیہ

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ سارے حروف شفوی نہیں ہیں لہذا مطلقاً یحرک شفتیہ کہنا کیسے صحیح ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لاتحرک بہ لسانک فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ زبان کی حرکت ہماری نظروں کے سامنے نہیں ہے اس لئے اس کو ذکر نہیں فرمایا۔ بخلاف حضرت باری تعالیٰ کے۔ اور شفتین ہمارے سامنے ہوتے ہیں ان کی حرکت ہم کو نظر آتی ہے اس لئے اس کو بیان کر دیا۔

---

[1] اس اشکال کے امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے چند جوابات دیئے ہیں جن میں ایک جواب یہ بھی ہے۔ علامہ جلال الدین محلی فرماتے ہیں والمناسبۃ بین ھذا الایۃ وما قبلھا ان تلک تضمنہ الاعراض عن ایات اللہ تعالیٰ وھذہ تضمنت المبادرۃ الیھا بحفظھا۔

Marfat.com

قال ابن عباسؓ فانا احرکہما یہاں حضرت سعید بن المسیب نے کما رایت ابن عباس یحرکہما فرمایا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ نے کما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرکہما نہیں فرمایا بلکہ کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرکہما فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ سعید بن مسیبؒ نے حضرت ابن عباسؓ کو تحریک شفتین کرتے دیکھا تھا اور حضرت ابن عباسؓ نے دیکھا نہیں تھا کیونکہ ابتداء وحی میں تو ابن عباسؓ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ رہا یہ سوال کہ ابن عباسؓ کو پھر یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحریک شفتین مبارکین فرمایا کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو براہِ راست حضرت رسالت پناہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے سُنا ہوگا یا کسی اور صحابی سے اگر صحابی سے سُنا ہوگا تو یہ روایت مراسیل صحابہ کے قبیل سے ہوگی۔

اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ عامۃ المفسرین نے اس جملہ کی تفسیر ان علینا توضیح مشکلاتہ وتبیین مبہماتہ سے کی ہے اور ابن عباسؓ نے ان تقراہ کے ساتھ کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمارے ذمہ آئندہ اس کو پڑھوانا ہے آپ اس کو بھول نہیں سکتے۔ یہاں پر جمہور کی اور ابن عباسؓ کی تفسیر میں فرق ظاہر ہے۔

حدثنا عبدان یہاں پر سند میں ح واقع ہوئی ہے۔ اس کے اندر اختلاف ہے کہ یہ حاء مہملہ ہے یا خاء معجمہ۔ جو لوگ خاء معجمہ قرار دیتے ہیں وہ اس کے اندر دو اقوال بیان کرتے ہیں اوّل یہ کہ یہ مخفف ہے الخ کا یعنی کوئی مضمون طویل ہو یا کوئی آیت یا حدیث ہو اور لکھنے والا اس کو پورا نہیں لکھتا تو تخفیف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے الخ لکھ دیتا ہے اور معنی اس کے الی آخر الکلام کے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مخفف ہے اسناد آخر کا۔ لیکن دوسری جماعت کثیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حاء مہملہ ہے اس جماعت کے اندر چار فریق ہیں ایک فریق کی رائے یہ ہے کہ یہ الحدیث کا مخفف ہے لہٰذا یہاں پہنچ کر الحدیث پڑھنا چاہیے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مخفف ہے صحّ کا۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ جہاں کہیں کسی تحریر میں کوئی تردد ہو جاتا ہے تو قاعدہ یہ ہے کہ اس تحریر پر چھوٹا سا صحّ بنا دیتے ہیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ عبارت میں شک وشبہ نہ کرو یہ عبارت صحیح ہے۔ اس صورت میں اس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ صرف تنبیہ کے لئے ہوتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ الحائل کا مخفف ہے۔ حائل کے معنی آڑ کے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سند اول اور سند ثانی کے درمیان حائل ہو رہی ہے اس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ تحویل کا مخفف ہے ای تحویل من سند الی سند آخر۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہاں پہنچ کر حا پڑھا جائے گا۔

اب ان اقوال کے بعد اس کی حقیقت سُنو۔ جب کسی حدیث کی دو سندیں ہوں اور

عہ مزید وضاحت کے لئے لامع اور اس کے حاشیہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

عہ ان اقوال کی مزید تفصیل کے لئے مقدمہ اوجز المسالک صہ کی مراجعت کی جائے۔

Marfat.com

اوپر کا حصہ دونوں کا ایک ہو اور نیچے سے دونوں سندیں الگ الگ ہوں تو تطویل سے بچنے کے لئے دونوں مختلف سندوں کو ذکر کر کے جب اتحاد شروع ہوتا ہے تو وہاں ح بنا دیتے ہیں۔

ومعمر نحوہ اس حدیث کے لئے امام بخاری نے دو سندیں ذکر فرمائیں ہیں پہلی سند میں عبدان نقل کرتے ہیں عبداللہ سے اور وہ یونس سے اور یونس زہری سے تو گویا عبدان کی سند میں زہری سے نقل کرنے والے صرف یونس ہوئے۔ اور دوسری سند کے اندر بشر بن محمد نقل کرتے ہیں انہی عبداللہ سے اور یہ یونس اور معمر سے نقل کرتے ہیں اور یونس و معمر امام زہری سے نقل کرتے ہیں تو اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے معمر کے بعد نحوہ کیوں بڑھایا سیدھی طرح یونس و معمر عن الزھری کہہ دیتے؟ اس کا جواب تم شرح نخبہ میں پڑھ چکے ہو اور طحاوی شریف میں بھی اس کا جواب آچکا ہے۔ کیونکہ امام طحاوی روایات ذکر کرنے کے بعد سرد اسانید کرتے ہوئے یہ لفظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں وہ یہ کہ نحوہ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ اگرچہ زہری سے یونس و معمر دونوں نقل کرتے ہیں مگر الفاظ حدیث یونس کے ہیں۔ معمر اس کے صرف معنی و مفہوم کو ذکر کرتے ہیں۔ بعینہ الفاظ نہیں بیان کرتے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اگر تم نے سیرت پڑھی ہوگی تو تم کو معلوم ہوگا کہ حضور واقعی ایسے ہی تھے۔ مگر یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ روایات میں آتا ہے کہ آپ کے گھر مدتوں آگ نہیں جلا کرتی تھی کچھ نہ ہونے کی وجہ سے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دو دو ماہ گزر جاتے تھے اور ہمارے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ لہٰذا یہ روایات آپ کے جود کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ جود اور آپ کی یہ سخاوت آپ کے فقر و فاقہ کے مخالف نہیں کیونکہ حضور کا یہ فقر و فاقہ اسی جود کی وجہ سے تھا کہ جو کچھ آیا فوراً تقسیم کرا دیا اور گھر اس وقت تک تشریف ہی نہیں لے گئے جب تک کہ وہ سارا تقسیم نہ ہو گیا۔ لہٰذا جس کا یہ حال ہوگا اس کے پاس کیا رہے گا۔ اور اسی پر بس نہیں اگر اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو کسی دوسرے سے لے کر دیا کرتے تھے چنانچہ حضرت بلالؓ کو کہہ رکھا تھا کہ وہ قرض لے کر دے دیا کریں اور پھر بعد میں ہم اس کو ادا کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت بلالؓ اسی طرح قرض لے کر حاجتمندوں کو دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک یہودی نے کہا کہ بلالؓ تم روزانہ قرض مانگتے ہو۔ لوگوں سے لینے کی ضرورت نہیں بس مجھ سے لے لیا کرو اور جب تمہارے پاس کہیں سے آجائے تو ادا کر دیا کرو۔ حضرت بلالؓ کو اس کی بڑی خوشی ہوئی اور اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ ان خبیث کافروں کا دستور یہ ہے کہ جب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب مقروض کا مکان وغیرہ سب فروخت ہو سکتا ہے تو آکر تقاضہ شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ یہودی بھی اسی کا منتظر تھا۔ ایک دن حضرت بلالؓ کو آواز دی۔ او حبشی، او حبشی! یہاں آ۔ حضرت بلالؓ تشریف لے گئے۔ اس نے کہا کہ اس مہینے کے کتنے دن باقی رہ گئے ہیں؟ فرمایا چار دن۔ کہنے لگا یا تو چار دن کے اندر سارا قرض ادا کر دے ورنہ غلام بنا لوں گا اور پھر اسی طرح بکریاں چراتا پھرے گا حضرت بلالؓ کو یہ سنکر بڑا غم ہوا۔ دن تو کسی طرح گزر گیا۔ شام کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

Marfat.com

حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کر کے دوچار دن کے لئے کہیں روپوش ہوجانے کی اجازت مانگی اور عرض کیا کہ جب آپ کے پاس کچھ آئے گا تو آپ ادا فرمادیں پھر میں ظاہر ہوجاؤں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت عطا فرمادی۔ حضرت بلالؓ شب میں روپوش ہوجانے کی تیاری فرمارہے تھے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آدمی بُلانے کے لئے پہنچا۔ حضرت بلالؓ حاضر خدمت ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم نے دروازہ پر کچھ سامان دیکھا ہے؟ عرض کیا کہ چار اونٹنیاں مال سے لدی ہوئی کھڑی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ شاہ فدک نے میرے پاس ہدیہ بھیجا ہے تم اس سے اپنا قرض اداکردو۔ چنانچہ بلالؓ صبح ہی صبح اس یہودی کے پاس لے گئے اور اس کا سارا حساب ادا کردیا۔ یہودی بھی حیرت میں رہ گیا۔ بعد میں حضورؐ نے پوچھا کہ بلال کچھ مال باقی ہے؟ عرض کیا ابھی تو بہت باقی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ سب کو تقسیم کردو۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے تھوڑا سا تقسیم کرکے باقی اس خیال سے روک لیا کہ کل کو پھر کوئی مصیبت پیش آئے گی اس میں کام دے گا۔ جب بلالؓ خدمت میں حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ سب تقسیم ہوگیا۔ انھوں نے عرض کیا آدمی کم آئے تھے اس لئے بچ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک وہ سارا مال ختم نہیں ہوگا میں گھر نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ رات آپ نے مسجد میں گزاری مکان تشریف نہیں لے گئے[۵۷]

بہر حال اس حدیث کے اندر حضورؐ کے تین جود کا ذکر ہے۔ پہلا جود تو اجود الناس سے معلوم ہوا اور دوسرا اجود مایکون فی رمضان سے معلوم ہوا حتیٰ کہ ماہ رمضان میں قرض لے کر بھی لوگوں کو کھلایا کرتے تھے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب مسرت ہوتی ہے تو آدمی خوب خرچ کرتا ہے حضورؐ کو رمضان میں زیادہ خوشی و مسرت ہوتی تھی۔

حین یلقاہ جبرئیلؑ تیسرا جود اس جملہ سے معلوم ہوا کہ رمضان میں جب آپ کی حضرت جبرئیلؑ سے ملاقات ہوتی تو اس وقت کے جود کا حال نہ پوچھو اس وقت صفت جود اور بڑھ جاتی ہے۔

فیدارسہ القرآن یدارس فعل مضارع کا صیغہ ہے مدارستہ سے جو باب مفاعلۃ کا مصدر ہے اس کے معنی دور کرنے کے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ دور فرمایا کرتے تھے اور یہی ان حفاظ کی دلیل ہے جو رمضان شریف میں دور کرتے ہیں۔ یہاں القرآن کا لفظ اپنے ظاہری معنی کے لحاظ سے یہ چاہتا ہے کہ ہر رمضان میں پورے قرآن کا دور فرماتے تھے۔ اور یہی ایک جماعت کی رائے ہے کہ رمضان میں تو حضرت جبرئیل کے ساتھ پورے قرآن کا دور ہوتا تھا اور رمضان شریف کے علاوہ بقیہ ایام میں آیات و سور علی حسب الضرورۃ اُترتی رہتی تھیں۔ مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ قرآن سے مراد ماانزل ہے اس لئے کہ اگر پورے قرآن کا دور فرماتے تو قصہ افک میں اتنی پریشانی کیوں برداشت کرنی پڑتی کیوں کہ واقعہ افک سنہ ۶ھ کے اندر ہے تو اگر چھ سال تک دور کیا تھا تو ساری بات گویا پہلے ہی سے معلوم تھی پھر اتنی پریشانی کیوں ہوتی۔ ایسے ہی یسئلونک عن الروح میں سکوت نہ فرماتے۔ یہ دونوں باتیں دلیل ہیں اس بات

---

[۵۷] اخرجہ ابوداؤد مفصلاً فی باب الامام یقبل ھدایا المشرکین۔

Marfat.com

پر کہ صرف اسی کا دور ہوتا تھا جس قدر کہ وحی میں نازل ہو چکا ہوتا تھا اور میری بھی یہی رائے ہے۔

فلرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود بالخیر من الریح المرسلہ چونکہ ہوا بادل کو لاتی ہے اور اس سے پانی برستا ہے جو ان کثیر نعمتوں کے پیدا ہونے کا سبب ہے اس لئے اس کثرت خیر کو ریح مرسلہ سے تشبیہ دیدی۔ یعنی ہوا جو کہ اتنی خیرات کثیرہ کا سبب ہوتی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ خیر کے سخاوت کرنے والے تھے یہاں پہنچکر روایت پر تو کلام ہو چکا اب یہاں اس کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت ثابت کرنی ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ واجود مایکون فی رمضان میں لفظ رمضان سے ترجمہ ثابت ہے اس لئے کہ تم نور الانوار میں پڑھ چکے ہو کہ قرآن پاک سماء دنیا پر رمضان میں نازل ہوا۔ تو اس لفظ رمضان میں کیفیت بدؤ وحی کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ سب سے پہلے جو وحی کی بداءت کی کیفیت ہے وہ یہ ہے کہ رمضان میں پورا لوح محفوظ سے سماء دنیا پر نازل ہوا۔ یعنی باء زمانی کی طرف اشارہ ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ترجمہ یلقاہ سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ لقاء اپنے عموم کی وجہ سے لقاء بوقت ابتداء وحی کو بھی شامل ہے۔

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باب کا مقصود عظمت وحی کو بیان کرنا ہے لہذا حضرت فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ وحی (قرآن) کی عظمت یہ بتلائی کہ اس کا دور حضرت جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے تھے۔ بس یہ مدارستہ ہی عظمت کے لئے کافی ہے۔

اور چوتھا قول میں یہ نقل کیا کرتا ہوں کہ باب کی غرض ان اوصاف جلیلہ عالیہ کو ذکر کرنا ہے جو نزول وحی کے سبب ہیں۔ حدیث پاک میں تین مراتب جود کے بیان فرمائے گئے ہیں جیسا کہ گزر چکا تو مقصد یہ ہے کہ وہ صفات عالیہ ہیں جس پر نزول وحی مرتب ہوئی۔ اور جن شراح کے نزدیک ترجمہ کی غرض صرف وحی کو ثابت کرنا ہے ان کے یہاں حدیث کی مناسبت ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اور حضرت گنگوہیؒ کی رائے پر بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ مقصود مجموعۂ روایات سے مجموعہ ترجمہ کو ثابت کرنا ہے نہ کہ ہر ہر روایت سے۔ اور جن کے نزدیک ترجمہ کی غرض بدء امر یعنی امر دین کی ابتداء بیان کرنی ہے ان کی رائے پر بھی کوئی اشکال نہیں۔ اس لئے کہ اس روایت میں ابتداء امر کا تذکرہ موجود ہے۔

حدثنا ابوالیمان اس حدیث کو حدیث ہرقل سے تعبیر کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو زمانہ مکی زندگی کا گزرا ہے وہ تیرہ برس ہے اور نہایت شدت وسختی اور بہت ہی اذیتوں کا زمانہ ہے اس کے بعد ہجرت کا حکم ہوا۔ صحابۂ کرام اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ پہنچ گئے اور پھر اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا الآیۃ کے ذریعہ سے مدافعانہ جہاد کی اجازت نازل ہوئی، بدر، اُحد، احزاب خندق وغیرہ یہ تمام جہاد اسی وقت ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ کے اندر خواب دیکھا کہ ہم مکہ

Marfat.com

میں عمرہ کی غرض سے داخل ہوئے۔ چونکہ انبیا، علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خواب وحی ہوا کرتا ہے۔ اس لیے صحابہؓ کو بڑی خوشی ہوئی کہ اب چل کر اپنے گھروں کو دیکھیں گے چنانچہ آپ ۶ھ کے اندر عمرہ کے واسطے تشریف لے گئے۔ لیکن چونکہ ہر خواب کا فوراً پورا ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے حدیبیہ میں پہنچ کر کفار نے عمرہ کرنے سے روک دیا۔ اور مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا اور تمام دیہات وغیرہ سے آدمی لڑنے کے لئے بلا لئے اور کہا کہ ہم امسال عمرہ نہ کرنے دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی لڑتے رہتے ہیں اور تم بھی لڑتے رہتے ہو کچھ دن کے واسطے لاؤ صلح ہی کر لیں۔ چنانچہ دس سال کی مُدت پر صُلح فرمالی۔ اب یہ کہ شرائطِ صُلح کیا تھیں وہ اپنی جگہ پر آجائیں گی۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے بہت دب کر صلح کی ہے۔ حضرت عمرؓ کو ان شرائط پر بہت طیش آرہا تھا اسی طیش کی حالت میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں ؟ فرمایا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ کفار باطل پر نہیں ؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں باطل پر ہیں۔ یہی سوالات بعینہٖ حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ سے اسی طیش کی حالت میں جا کر کئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے وہی جوابات دیئے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے۔ جیسا کہ میں نسبت اتحادیہ کے ذیل میں بیان کر چکا ہوں۔ بہرحال ان لوگوں سے صلح ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس مدت میں ہمیں دوسروں سے نمٹنے دو اگر ہم ان پر غالب آگئے تو پھر جو تمہاری سمجھ میں آئے کرنا اور اگر انھوں نے ہم کو ختم کر دیا تو تم راحت سے ہو جاؤ گے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر سے واپس ہونے لگے تو راستہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت کریمہ سُنائی اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ اگرچہ علماء نے اس کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے بعض کے نزدیک اس سے فتح مکہ مُراد ہے لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ اس سے یہی قصہ مراد ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا کہ اے عمرؓ کیا میں ساری دُنیا سے پیاری صورت تم کو نہ سُناؤں ؟ عرض کیا کہ سُنائیں۔ حضورؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت عمرؓ کو طیش آہی رہا تھا کہنے لگے یا رسول اللہؐ کیا یہی فتح مبین ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں یہی فتح مبین ہے۔ چونکہ یہ صُلح بہت سی فتوحات اور بالخصوص فتح مکہ کا مقدمہ ہے اور مقدمۃ الشی کا حکم نفس شے کا ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس کو فتح مبین سے تعبیر فرما دیا۔

یہ واقعہ ماہ ذی قعدہ ۶ھ کا ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ سے جب امن ملا تو آپ دوسروں کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے ان یہود کو نکالا جنہوں نے حضورؐ کے خلاف غزوہ بدر و احزاب میں کفار کی مدد کی تھی اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی تھیں۔ اسی میں محرم ۷ھ کے اندر غزوہ خیبر واقع ہوا۔ اسی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقطار ارض میں مختلف بادشاہوں کے پاس تبلیغی والا نامہ جات بھیجے انہی میں ایک والا نامہ قیصر روم کے نام تھا جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبیؓ کی معرفت آخیر ذی الحجہ میں بھیجا تھا جس کو حضرت دحیہ ابتدائے محرم میں لے کر پہنچے تھے۔ اس حدیث کے اندر اسی خط کا تذکرہ ہے۔ ہرقل روم کا بادشاہ تھا اور یہ نصرانی اہل کتاب میں سے تھا۔ ان کی لڑائی ملک فارس کے بادشاہ سے ہوئی تھی۔ وہ ایک مرتبہ غالب آگئے۔

Marfat.com

اور اہل روم مغلوب ہو گئے۔ اسی کا ذکر قرآن پاک میں الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ میں ہے۔ بہرحال قرآن پاک کے وعدہ کے مطابق اس کے بعد اہل فارس مغلوب ہوئے اور رومی غالب آگئے تو اس کے شکرانہ میں ہرقل شاہ روم بیت المقدس آیا ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم کا والا نامہ وہاں پہنچا۔ چونکہ قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائیوں میں گھرے رہتے تھے اور کہیں سفر وغیرہ نہیں کر سکتے تھے۔ جب صلح حدیبیہ ہو گئی تو وہ بھی سفر کے لئے نکلے ان میں ابوسفیان کا قافلہ انہی ایام میں جب کہ قیصر وہاں موجود تھا بغرض تجارت شام پہنچا ہوا تھا جب والا نامہ ہرقل کو ملا تو اس نے ان لوگوں کو اپنے سامنے بلایا اور ابوسفیان کو آگے باقی اس کے ساتھیوں کو اُن کے پیچھے بٹھادیا اور یہ اس نے اس لئے کیا تا کہ سامنے ہونے کی صورت میں جو اشارہ بازی ہوتی ہے وہ نہ ہو سکے۔ اس کے بعد اُس نے دس سوال کئے اور وہ نمبروار جواب دیتے رہے۔

ہرقل یہ بکسر الہاء وفتح الراء وسکون القاف اور بکسر الہاء وسکون الراء وکسر القاف دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔ یہ روم کے بادشاہ کا نام ہے اور وہاں کے بادشاہوں کا لقب قیصر ہوا کرتا ہے۔ جیسے فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا ہے۔ لہٰذا ان روایتوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہوگا جن میں بعض میں تو قیصر کا لفظ ہے اور بعض میں ہرقل کا لفظ ہے[عـــہ]

یہ حدیث اسی مناسبت سے حدیث ہرقل کہلاتی ہے۔ اس کو امام بخاری نے تیرہ جگہ ذکر فرمایا ہے تین جگہ مفصل اور دس جگہ اختصار کے ساتھ کچھ کچھ ٹکڑے۔ تفصیل کے ساتھ ایک تو یہاں تمہارے سامنے موجود ہے اور دوسرے صفحہ ۴۱۲ پر اور تیسرے صفحہ ۶۵۳ پر آئے گی۔

فاتوہ یعنی ابوسفیان اور اُس کے ساتھی قیصر کے پاس آئے، یا قیصر کے فرستادے ابوسفیان کے پاس آئے۔

وہم بایلیا اس ھم کے اندر بھی دونوں احتمال (مذکور) ہیں یا تو قیصر اور اس کے اتباع مراد ہیں یا پھر ابوسفیان اور اس کے ساتھی۔

وحولہ عظماء الروم اے من عمائد السلطنۃ واراکین الدولۃ ومن الاساقفۃ والرہابنۃ۔

عـــہ بعض تقاریر میں مندرجہ ذیل مضمون کا بھی اضافہ ہے فلیفتش اگرچہ بعض محدثین نے اس پر حمل کیا ہے کہ نامہ مبارک ایک تو ہرقل کے پاس بھیجا گیا اور ایک قیصر کے پاس روانہ کیا گیا مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی والا نامہ تھا جو ہرقل کے پاس بھیجا گیا اور جو اس بادشاہ کا نام بھی ہے اور لقب بھی ہے۔

عـــہ و جزم الشیخ شاید مجدہ فی تراجمہ بالاحتمال الاول ولم یذکر الثانی۔

Marfat.com

وعابترجمانہ اور ترجمان اس لئے بُلایا کہ ابوسفیان وغیرہ عربی تھے ان کی زبان عربی تھی اور قیصر وغیرہ کی زبان یونانی افرنجی تھی۔

ایکم اقرب نسبًا اقرب النسب کو اس لئے پوچھا کہ قریب کا آدمی جس قدر حالات سے مطلع ہوگا دوسرا (اس قدر) نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ قریبی آدمی کا ہر وقت رہنا سہنا معاملہ وغیرہ ہوتا ہے۔

فقال ابوسفیان قلت انا اقربہم نسبًا اور یہ اس لئے کہا کہ ابوسفیان اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا پانچویں پشت میں ایک ہوجاتے ہیں۔ تو گویا پانچویں پشت میں آکر ابوسفیان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا زاد بھائی ہوجاتا ہے ابوسفیان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ ابوسفیان بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ پھر عبد مناف کے چار لڑکے ہوئے۔ ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل۔ عبد شمس سے ابوسفیان تھا اور بنو ہاشم کی اولاد سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

فاجعلوہم عند ظہرہ اے ظہر ابی سفیان ابوسفیان کی پشت پر اسلئے کردیا کہ ممکن ہے ابوسفیان کوئی سچ بات کہنا چاہے تو یہ لوگ سامنے ہونے کی وجہ سے اشارہ وغیرہ سے منع کردیں۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس لئے پیچھے کردیا کہ اگر سامنے ہوتے اور وہ کوئی بات معلوم کرنا چاہتا تو ممکن ہے کہ سامنے ہونے کے سبب سے حجاب اظہارِ حق سے مانع ہوتا۔

فواللہ لولا الحیاء من ان یاثروا یعنی اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ اگر میں نے جھوٹ بول دیا تو وہ پردۂ راز میں نہیں رہے گا۔ بلکہ افشا ہوکر رہے گا اور مجھے اس کا بھی خوف نہ ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کچھ نہیں ہوگا اور میں رسوا ہوجاؤں گا اور نہ معلوم میرے جھوٹ پر کتنے قصائد لکھے جائیں گے تو میں جھوٹ بول دیتا۔

ثم کان اول ما سألنی قیصر نے دس چیزوں کے متعلق سوال کیا جو آرہے ہیں۔

ذونسب وہ تو بڑے شریف نسب والے ہیں۔

ہذا القول منکم احد قبلہ قط یہ دوسرا سوال ہے۔ یہاں اشکال یہ ہے کہ لفظ قط کلام منفی کے اندر تاکید کے لئے ہوتا ہے اور یہاں کلام مثبت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے۔

Marfat.com

قال فاشراف الناس اتبعوہ ام ضعفاءہم یہ چوتھا سوال ہے۔ یہاں ہرقل نے جو یہ سوال کیا کہ شرفاء نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا ہے یا ضعفاء نے ؟ تو اس سے شرافت نسبی مراد نہیں بلکہ شرافت فی اعین الناس مراد ہے۔ ورنہ تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ وغیرہ سارے کے سارے قریش تھے۔

قلت بل ضعفائہم اس پر اشکال یہ ہے کہ اس وقت حضرت عمرؓ و حضرت امیر حمزہؓ جیسے حضرات اکابر تھے ان کو ضعفاء میں کیسے شمار کیا۔ پہلا جواب یہ ہے کہ غالب کے اعتبار سے کہدیا دوسرا جواب یہ ہے کہ ضعفائہم کا مقابل ان کے نزدیک وہ لوگ ہیں جن کی ناک بہت اونچی ہوتی ہے اور اپنے آپ کو خود بھی بڑا سمجھتے ہیں۔ اور یہ حضرات ان میں سے نہیں تھے۔

ایزیدون ام ینقصون یہ سوال خامس ہے۔

قال فہل یرتد احد منہم سخطۃ لدینہ یہ سوال سادس ہے۔ یعنی کیا ان میں سے کوئی ان کے دین سے بیزار ہو کر مرتد ہوتا ہے اور پھر اپنا آبائی دین اختیار کر لیتا ہے؟ یہ سوال اس نے اس وجہ سے کیا کہ کسی دین کے چھوڑنے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں مثلاً کوئی مالدار کسی کو یہ کہدے کہ اگر تو اپنا دین چھوڑ دے تو تجھے مال و دولت دوں گا۔ یا کوئی کسی عورت پر اس کے عشق کی وجہ سے اس کا دین اختیار کرے اور ایسا تو بہت ہوتا ہے کہ عورت سے شادی کرنے کے واسطے مسلمان سے کافر اور کافر سے مسلمان ہو جاتے ہیں لہذا اس نے یہ سوال کیا کہ دین سے بیزار ہو کر تو کوئی اس کو نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ اگر دین کے اندر خامی پا کر مرتد ہو جائے تو یہ اس دین کے نقصان کی دلیل ہوگی۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ چند مسلمان ایسے تھے جو بعد میں مرتد ہو گئے تھے مثلاً عبید اللہ بن جحش وغیرہ۔ لہذا ان کا انکار کرنا کیسے صحیح ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے اپنے سوال میں سخطۃ لدینہ کہا تھا یعنی اپنے دین سے ناراض ہو کر مرتد ہوا ہو۔ اور ایسا کوئی نہیں بلکہ یہ لوگ کسی اور وجہ سے مرتد ہوئے ہیں۔

فہل کنتم تتہمونہ بالکذب یہ ساتواں سوال ہے۔ ایک تو ہوا کرتا ہے کسی کا کاذب ہونا مثلاً کوئی جھوٹ بولنے کے اندر مشہور ہو اور لوگ جانتے ہوں کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جھوٹ بولنا تو ثابت نہ ہو مگر لوگ اس کو کسی وجہ سے متہم بالکذب کرتے ہوں۔ یہ مرتبہ پہلے مرتبے سے ادون ہے تو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم متہم بالکذب نہ تھے تو کاذب تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوں گے اس لئے ان سے نوعیت سوال یہ اختیار کی گئی۔ ابوسفیان نے کہا کہ نہیں ہم ان کو متہم بالکذب نہیں سمجھتے۔

قال فہل یغدر یہ آٹھواں سوال ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو عہد معاہدہ ان کے اور تمہارے درمیان ہوتا ہے تو کیا حضورؐ (نعوذ باللہ) بدعہدی کرتے ہیں۔ ابوسفیان نے اس کی بھی نفی کر دی۔

Marfat.com

قال ولم تمکنی کلمۃ ادخل فیہا شیئاً غیر ہذہ الکلمۃ ابوسفیان یہ کہتا ہے کہ میرا تو بس یہ جی چاہتا تھا کہ بالکل حضورؐ کے خلاف کہوں اور خوب جھوٹ تراشوں مگر کیا کروں موقعہ ہی نہیں ملا کہ کچھ کہتا اس لئے کہ وہ سارے کے سارے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اگر میں کچھ کہہ دیتا تو یہ جاکر لوگوں سے کہہ دیتے کہ اس نے تو شاہِ روم کے سامنے جھوٹ بولا تھا۔ اس ڈر سے مجھکو موقعہ نہیں ملا۔ مگر ہاں اتنی بات کا موقعہ مل گیا کہ جب ہرقل نے یہ پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غدر کرسکتے ہیں؟ تو میں نے کہہ دیا کہ نہیں۔ لیکن نہ معلوم اس مدت میں کیا کرگزریں گے اور اس مدت سے مراد وہی صلح حدیبیہ والی مدت ہے۔ مگر اس کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ممکن ہے اس مدت میں کچھ کردیں۔ اس لئے کہ جس نے اب تک تو کیا نہیں وہ اب کیا کریگا اور بالخصوص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ ابوسفیان کے اعتراف کے مطابق خود ان کی دسیسہ کاری تھی۔

قال فہل قاتلتموہ یہ نواں سوال ہے۔

الحرب بیننا وبینہم سجال شرّاح کی رائے یہ ہے کہ عرب کے اندر بڑے بڑے ڈول ہوتے ہیں۔ ایک ہی آدمی اس کو برابر نہیں کھینچ سکتا اس لئے نوبت بنوبت کھینچتے ہیں۔ ایک نے اس مرتبہ کھینچا دوسرے نے دوسری مرتبہ اسی طرح باری باری ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ کبھی ان کو غلبہ ہوتا ہے اور کبھی ہمیں غلبہ ہوتا ہے۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ پہلے یہ دستور تھا کہ کنویں کے اوپر چرخہ ہوتا تھا جس پر ایک رسّی بندھی ہوتی تھی اور دونوں جانب بڑے بڑے ڈول لگے ہوتے تھے جب ایک طرف سے خالی ڈول کو کنویں میں جھکادیا جاتا تو دوسری طرف سے خود بخود بھرا ہوا اوپر آجاتا۔ اور اس میں آسانی ہوتی تھی اس لئے کہ اوپر کھینچنا مشکل ہوتا ہے بہ نسبت نیچے لٹکانے کے۔ تو مطلب یہ ہے کہ کبھی وہ اوپر اور کبھی ہم۔ بہرحال مطلب دونوں کا ایک ہے مگر میرے نزدیک یہ اولیٰ ہے اس لئے کہ اس صورت میں ایک کا دوسرے پر یکے بعد دیگرے غلبہ وضاحت کے ساتھ ڈول کے اوپر نیچے ہونے سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

علامہ بلقینیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ابوسفیان نے دسیسہ کاری کی۔ کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مسلمانوں پر کفار غالب ہوئے ہوں۔ حافظ ابن حجر وغیرہ شراح فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے صحیح کہا ہے اور ایسا ہوا ہے کہ مسلمان کبھی مغلوب ہوجائیں جیسا کہ غزوۂ احد میں۔ اور کبھی غالب جیسے کہ غزوہ بدر میں۔ اور کبھی دونوں برابر رہے جیسے غزوۂ احزاب کے اندر۔

ینال منا وننال منہ یہ تصریح ہے اس مفہوم کی جو الحرب بیننا وبینہم سجال سے مراد ہے

ماذا یامرکم یہ دسواں سوال ہے۔

فقال للترجمان اب یہاں ہرقل ان سوالوں کے متعلق جو اس نے ابوسفیان سے کئے تھے اپنا عندیہ ظاہر کرتا ہے کہ جو سوالات میں نے کئے اور ان کے جو جوابات تم نے دیئے ہیں وہ نبی کے

Marfat.com

اوصاف ہوا کرتے ہیں۔ یہاں یہ یاد رکھو کہ سوال کی جو ترتیب ہے ہرقل نے ان سوالوں کے متعلق جب اپنا عندیہ ظاہر کیا تو وہ ترتیب نہیں باقی رہی بلکہ ایک دو جگہ تغیر بھی ہوگیا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ہرقل کے دس سوالات اور ان کے جوابات ابوسفیان کی طرف سے دیئے ہوئے ذکر کئے گئے ہیں اور پھر ہرقل نے اپنے ہر سوال کی وجہ بیان کی۔ ان میں سے نویں سوال کی وجہ اس حدیث میں ذکر نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف نو سوالوں کی وجہ مذکور ہے۔ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ یہ کسی راوی کا تصرف ہے یا اس کو نسیان ہوگیا ورنہ صـ۴۱۲ پر یہ حدیث دوبارہ آرہی ہے وہاں نویں سوال کی وجہ مذکور ہے۔

فکذالک الرسل یعنی اسی طرح انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کے اعلیٰ خاندان میں مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ یہ اول سوال کے متعلق ہے۔

قلت رجل یطلب ملک ابیہ یہ اس لئے کہ ملک بغیر اعوان و انصار کے تو حاصل نہیں ہوسکتا بہت ممکن ہے کہ مددگار پیدا کرنے کے واسطے یہ صورت اختیار کی ہو (کہ نبوت کا دعویٰ کیا)۔

وسالتک ہل کنتم تتہمونہ بالکذب یہ مضمون سوالات کی ترتیب میں ساتویں نمبر پر تھا اور یہاں چوتھے نمبر پر آگیا۔

وسالتک اشراف الناس یہ سوالات کی ترتیب میں چوتھے نمبر پر تھا۔ یہاں پانچویں نمبر پر آگیا۔ یاد رکھو کہ جو ترقی ضعفاء سے شروع ہوکر اقویا کی طرف جاتی ہے وہ قوی ہوا کرتی ہے ——— اس لئے کہ وہ محض اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو شہرت اغنیاء کی طرف سے ہوتی ہے) وہ کمزور ہوتی ہے کیونکہ وہ محض اُن کے پروپیگنڈے سے ہوتی ہے[۵]

---

[۵] اور اس کے مناسب حضرت اقدس حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ ہے کہ قبول عام کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ قبول جو خواص سے شروع ہوکر عوام تک پہنچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو۔ اور اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ پہلا قبول علامت مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا۔ کیونکہ حدیث میں جو مضمون علامت مقبولیت آیا ہے وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے حق تعالیٰ محبت کرتے ہیں پھر وہ ملائے اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں اور ملائے اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو یہاں تک کہ وہ حکم اہل دنیا تک آتا ہے اور جو ترتیب ملائے اعلیٰ میں تھی اسی ترتیب سے اس کی محبت دنیا میں پھیلتی ہے کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کے بعد دوسروں کو۔ بس جو مقبولیت اس کے برعکس ہوگی وہ دلیلِ مقبولیت نہ ہوگی۔ اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا ہے تو اول وہ لوگ معتقد ہوئے جو اس زمانے میں سب سے اچھے تھے۔ اس کے بعد وہ لوگ جو اُن سے کم تھے۔ اور آخر میں اچھے اور بُرے سب زیر اثر آگئے۔ حتیٰ کہ آپ کے ماننے والے کچھ منافقین بھی تھے اور اسی بنا پر جو ہجرت سے پہلے مسلمان ہوچکے تھے وہ سب سے افضل ہیں اور اُن کے بعد وہ جو بدر سے پہلے مسلمان ہوئے اور ان کے بعد وہ جو احد سے پہلے مسلمان ہوئے۔ پھر وہ جو (باقی صفحہ ۱۰۵ پر)

Marfat.com

وکذالک الایمان حین تخالط جیسے حضرت بلال رضؓ کے دل میں ایمان کی محبت قلب کی گہرائی تک پہنچ چکی تھی کہ گرم پتھروں پر احدٌ احدٌ کہتے تھے۔

وکذالک الرسل لاتغدر ہرقل نے ابوسفیان کی اس دسیسہ کاری کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جو ان سے کی تھی اس لئے کہ یہ وہم محض تھا۔

ولم اکن اظن انہ منکم یعنی مجھ کو یہ تو یقین تھا کہ نبی آخر الزماں پیدا ہونگے مگر یہ خیال نہیں تھا کہ وہ تم میں سے پیدا ہونگے بلکہ میرا یہ خیال تھا کہ کسی حافظ توراۃ یا حافظ انجیل کے یہاں پیدا ہوں گے۔

انی اخلص الیہ یعنی بآسانی پہنچ سکتا اور کوئی مانع نہ پیش آتا۔

لتجشمت لقائہ تو میں ان کی ملاقات کے لئے مشقت برداشت کرتا۔

لغسلت قدمیہ یعنی ان کے قدم مبارک دھوکر پیتا۔

ثم دعا بکتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ والا نامہ آخیر ذی الحجہ ۶ھ میں ارسال فرمایا جو محرم ۷ھ میں پہنچا۔ کیونکہ اس وقت ہوائی جہاز وغیرہ تو تھے نہیں اونٹوں پر سفر ہوتا تھا اور اب تو عشاء کی نماز بمبئی میں پڑھو اور جہاز پر سوار ہو کر فجر کی نماز جدہ میں پڑھ لو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبداللہ ورسولہ یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا عنوان تھا یہاں ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے خط کا ذکر فرمایا ہے جس میں ہے اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمَانَ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ وہاں حضرت سلیمانؑ نے اپنا نام بسم اللہ پر مقدم فرمایا ہے اور یہاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کو مقدم فرمادیا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ وہ حضرت سلیمانؑ کا خط تھا اور یہ رسول الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب مبارک ہے اور دونوں کے اندر واضح فرق ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمَانَ قرآن پاک کے اندر حضرت سلیمان کے خط کا عنوان نہیں بلکہ خط تو فقط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ہے اور جملہ اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمَانَ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمان کی طرف سے خط کا مضمون یہ تھا اور یہی حقیقی جواب ہے۔ جب بِسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ تک ہرقل کے یہاں پڑھا جا چکا تو اس کا بھائی بہت خفا ہوا کہ یہ کون بے ادب ہے جس نے اپنا نام بادشاہ کے نام سے پہلے لکھا۔ ہرقل نے اس کو خاموش کر دیا کہ چپ ہو جاؤ۔ اگر یہ وہی شخص ہے تو اس کو ایسا ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴) احد سے پہلے مسلمان ہوئے، پھر وہ جو خندق سے پہلے مسلمان ہوئے۔ پھر وہ جو صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے ——— اور فتح مکہ کے بعد تو سب ہی مطیع ہو گئے اور آپ کی مقبولیت بہت ہی عام

Marfat.com

لکھنا چاہیئے۔

الی ہرقل عظیم الروم اس لفظ پر بھی اس کا بھائی بہت غصہ ہوا مگر ہرقل نے اس کو خاموش کر دیا کہ اگر وہ ایسا ہی ہے تو اس کو ایسا ہی لکھنا چاہیئے۔

سلام علی من اتبع الہدی یاد رکھو اگر کوئی کافر سلام کرے اور اس کا جواب دینا ہو تو یہی جواب دے یعنی سلام علی من اتبع الہدی کہے اسی طرح اگر کسی کافر کو سلام لکھنا ہو تو یہی لکھے۔

ادعوک بدعایۃ الاسلام دعایۃ مصدر ہے۔ دعوۃ اور دعایت دونوں ایک ہیں۔ بمعنی بُلانا۔

اسلم تسلم علماء نے اس جملہ کو جوامع الکلم میں شمار کیا ہے کہ ایک لفظ کے اندر سب کچھ فرما دیا۔

یؤتک اللہ اجرک مرتین تم روایات میں پڑھ چکے ہو اور آگے بخاری میں بھی آرہا ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو دُوہرا اجر ملے گا اس میں ایک وہ بھی ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر میری تصدیق کر کے مجھ پر ایمان لایا۔ اس پر مزید وہاں کلام ہو جائے گا جہاں روایت آئے گی۔

فان علیک اثم الیریسین یہاں پر دو نسخے ہیں ایک یریسین یا کے ساتھ دوسرے اریسین الف کے ساتھ اوّل یریس اور ثانی اریس کی جمع ہے جس کے معنی اَکّار کے ہیں یعنی کاشتکار کھیتی کرنے والا چونکہ اکثر اہل روم کاشتکار تھے اس لئے صرف انہی کو ذکر فرمایا اور مراد اس سے رومی ہیں۔ اور ان لوگوں کا گناہ بادشاہ پر اس لئے ہوگا کہ لوگ اپنے بادشاہوں کی اقتداء کرتے ہیں۔ اب اگر وہ ایمان لاتا تو اس کی تمام لوگ اقتداء کرتے اور اگر ایمان نہیں لاتا تو وہ بھی اس کی اقتداء میں ایمان نہ لائیں گے۔ ومن سن سنۃً سیئۃً فعلیہ وزرُھا ووزر من عمل بھا۔

یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواءٍ بیننا الآیۃ اس کے اندر اختلاف ہے کہ یہ آیت کریمہ اس وقت تک نازل ہو چکی تھی یا نہیں یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تحریر فرمائی اور پھر بعد میں نازل ہوئی یا یہ کہ پہلے نازل ہو چکی تھی بعد میں آپ نے تحریر کروائی۔ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت قرآن میں پہلے نازل ہو چکی تھی بعد میں آپ نے اس کو تحریر کرائی۔ امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے۔ یہاں تو اُنھوں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ کتاب الجہاد میں اُنھوں نے اس مضمون کے تحت کہ قرآن کا ارضِ عدو میں لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ یہ روایت ذکر فرمائی ہے۔ اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اس وقت تک یہ آیت نازل نہ ہوئی تھی بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت فصاحت ہے کہ جو لکھا وہی نازل ہوا جیسے حضرت عمرؓ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریر کرانے سے قبل ہی کہہ دیا تھا فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن حضورؐ نے فرمایا اس کو بھی لکھ لو تو جب

Marfat.com

حضرت عمرؓ کے منہ سے ایسا جملہ نکل سکتا ہے تو آپ کی زبان سے بدرجہ اولیٰ نکل سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ فَتَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ خود اُن کے حق میں تو باعث شکر ہوا لیکن عبداللہ[علہ] بن سعد بن ابی سرح یہ کہہ کر مرتد ہو گیا کہ بس جی جس کی زبان سے جو بھی اچھا کلمہ نکلا بس کہہ دیا کہ اسی کو لکھ لو۔ اس آیت پر مزید اشکال یہ ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیت ہے لہٰذا ناپاک اور جنبی کو کیوں لکھ دی گئی۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت شریفہ نہیں بلکہ خود حضورؐ کا کلام ہے اور توارد کے قبیل سے ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ مقدار قلیل ہے اور ایک دو آیت میں گنجائش ہے۔

کثر عنده الصخب جب ان لوگوں نے یہ دیکھا کہ ہرقل تو ساری باتوں کی تصدیق کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے سیملک موقع قدمی ہاتین تو وہ شور کرنے لگے کہ یہ کیا ہوا۔

واخرجنا اس خوف سے کہ ہم پر کوئی حملہ نہ کر دے۔

لقد امر ابن ابی کبشہ یعنی ابن ابی کبشہ کا کام تو بہت بلند ہو گیا کہ روم کا بادشاہ تک خوف کرنے لگا اور اس سے مراد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کی تبلیغ کا کام نہایت تیز اور بلند ہو رہا ہے اور آپ کو ابن ابی کبشہ سے تعبیر یا تو اس وجہ سے کیا کہ ابوکبشہ ایک شخص تھا جس نے عبادۃ اوثان ترک کر کے توحید اختیار کی تھی تو آپ کو یہی توحید اختیار کرنے کی مناسبت سے اس کی طرف منسوب کر دیا گیا کہ آپ بھی اس کی تقلید کرتے ہیں جیسے کہ بیٹا اپنے باپ کی کرتا ہے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ابوکبشہ حضرت حلیمہ سعدیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ کے خاوند کی کنیت ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نانا کی کنیت ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور کے رضاعی والدہ کے دادا[علہ] کی کنیت ہے۔ اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ آپ کے آبا و اجداد میں کسی کی کنیت ابوکبشہ تھی اس کی طرف نسبت ہے۔ غیر معروف کی طرف نسبت تحقیر و استہزا کے لئے کی گئی ہے۔

انہ لیخافہ ملک بنی الاصفر ارے ابوکبشہ کے بیٹے کا کام تو اتنا پکا ہے کہ ہرقل یہاں بیٹھا ہوا باوجود اتنی بڑی سلطنت کے ڈر رہا ہے اور ہم اب تک اس سے لڑ رہے ہیں۔

فمازلت موقنا انہ سیظہر یعنی یہ دیکھ کر ہرقل بھی باوجود اتنی بڑی سلطنت ہونے کے ڈرتا ہے تو مجھ کو یہ یقین ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ ہو گا۔

وکان ابن الناطور یہ امام زہری کا مقولہ ہے جس کو امام صاحب تکمیل قصہ کے واسطے بیان فرما رہے ہیں۔ ابن الناطور بہت بڑا عالم تھا اور کسی جگہ کا گورنر تھا۔ یہ قصہ[علہ] ابوسفیان کے گزشتہ

علہ ملاحظہ ہو لامع الدراری ص۳

علہ اس میں قدرے تجوز اختیار کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ کنیت بعض نے حلیمہ سعدیہ کے باپ کے چچا کی ذکر کی ہے۔ قال النووی نقلاً عن ابن ماکولا قیل کبشۃ عم والد حلیمۃ مرضعتہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہی علہ والیہ میل مولانا الگنگوہی۔ لامع ص۱

Marfat.com

واقعہ سے پہلے پیش آیا۔

صاحب ایلیاء وہرقل ہرقل کا عطف ایلیأ پر ہے اور ایلیاء کی طرف مضاف کرنے کی صورت میں صاحب کے معنی گورنر کے ہوں گے اور ہرقل کی طرف نسبت کرنے کی صورت میں ساتھی اور دوست کے معنی ہوں گے۔ بطریق عموم مشترک یا عموم مجاز کے۔ ایلیا یہ سریانی لفظ ہے علماء نے اس کے معنی بیت اللہ کے لئے ہیں اس طرح پر کہ ایل بمعنی اللہ اور یاء کے معنی بیت کے ہیں جبرئیل وغیرہ کے اخیر میں جو ایل ہے اس کے معنی بھی اللہ ہی کے ہیں۔

سقف علی نصاری الشام یعنی اسقف بنا دیا گیا شام کے نصاری پر۔ اسقف ہمارے یہاں پوپ کو کہتے ہیں تو گویا یہ بہت بڑا پوپ اور پادری تھا۔ یہ لفظ تین طرح پڑھا گیا ہے۔ اسقف رفع کے ساتھ اس صورت میں خبر ہوگی مبتدا محذوف کی۔ دوسرے سقفاً بحالت نصب اس وقت خبر ہوگی کان ابن الناطور کی اور تیسرے سقف علی بناء المفعول۔ یعنی ان پر پوپ مقرر تھا۔ سب کا باوا تھا

حین قدم ایلیاء ہرقل اس وقت بیت المقدس بغرض ادائے شکر آیا ہوا تھا۔

فقال بعض بطارقتہ بطارقہ بطریق کی جمع ہے جس کے معنی اخص الخواص کے آتے ہیں۔

حزار یعنی ہرقل نجومی تھا۔

ملک الختان سے مراد وہ لوگ ہیں جو ختنہ کرتے ہیں۔

انی رایت اللیلۃ حین نظرت فی النجوم ان ملک الختان قد ظہر یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اگر ہرقل کو ملک الختان کا ظہور دکھنا تھا تو وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے وقت دیکھتا یا جب آپ پر غار حرا میں جبرئیلؑ وحی لے کر آئے اس وقت دیکھتا۔ اب جب کہ نبوت کو ملے ہوئے تیرہ سال ہو گئے اور حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ بھی تشریف لے گئے اور ۶ھ میں صلح حدیبیہ بھی واقع ہو گئی اور آپ نے والا نامے روانہ فرمانے شروع کئے تو اتنی مدت کے بعد ملک الختان قد ظہر کا کیا مطلب ہے۔ جس کا پاٹ یہ ہے کہ ظہور سے مراد بعثت نہیں بلکہ اس سے غلبہ مراد ہے کیونکہ اسی سال صلح حدیبیہ سے واپسی پر آیت کریمہ انا فتحنا لك فتحا مبینا نازل ہوئی تھی تو صلح حدیبیہ مقدمۃ الفتح بنی اور مقدمۃ الشی شئی کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔

لیس یختتن الا الیہود یہاں صرف یہود کو ذکر کر دیا کیونکہ اہل عرب ان کے یہاں کچھ شمار ہی نہیں ہوتے تھے اور جو کچھ ان کو حاصل ہوا وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت حاصل ہوا۔

Marfat.com

فلا یہمنک شانہم یعنی یہود سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں وہ کون سے شان وشوکت والے ہیں۔ ان کے ختم کرنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اکتب الیٰ مدائن ملکہٖ یعنی اپنے ملک کے شہروں میں ایک حکم لکھ کر بھیجدو کہ وہ ان سب کو قتل کردیں۔
مدائن مدینہ کی جمع ہے جس کے معنی شہر کے ہیں۔

ثم کتب ہرقل الی صاحب لہ برومیہ ان صاحب کا نام ضغاطر ہے جب ہرقل کا خط ان کے نام پہنچا تو یہ اس کو پڑھ کر مشرف باسلام ہوگئے لیکن ان کی قوم نے ان کو وہیں قتل کردیا۔

حتی اتاہ کتاب من صاحبہ یوافق رأی ہرقل ضغاطر کے پاس جب ہرقل نے خط لکھا تو اس نے ہرقل کو لکھا اور جو اس کی رائے تھی کہ وہ نبی ہیں سب کی تصدیق کی اور مسلمان ہوگیا۔ اس کی قوم نے اس کو قتل کردیا۔

دسکرہ یعنی بڑا محل اور قصر۔

فغلقت الابواب دروازے بند کردیئے گئے اور کنجیاں (تالیاں) اپنے پاس رکھ لیں اور اونچی جگہ پر چڑھا بیٹھا تھا ثم اطلع پھر وہاں سے ان کی طرف جھانکا اور قوم سے خطاب کرکے کہنے لگا۔ ھل لکم فی الفلاح یعنی اگر تم دنیا اور آخرت کی فلاح چاہتے ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرو۔ اگر تم نے ان کی اقتداء کی تو ملک تو ہاتھ سے جاوے گا ہی آخرت کا بھی ناس ہوجائے گا۔

فوجدوہا قد غلقت اور کنجیاں ملی نہیں اس لئے کہ ہرقل نے اپنے پاس رکھ لی تھیں اور خود اوپر محفوظ جگہ میں بیٹھ گیا تھا۔ اگر کہیں نیچے ہوتا تو پیس ڈالتے۔

فکان ذالک آخر شان ہرقل ہرقل کے ابتدائی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا لیکن اس کے اس آخری مقولہ اختبربھا شدتکم علی دینکم نے تمام کلام پر پانی پھیر دیا۔ اب اس کے اندر اختلاف ہوگیا کہ وہ مسلمان تھا یا نہیں فکان ذالک سے امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ تم خود فیصلہ کرلو کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ اگر میں پہنچ سکتا تو ضرور جاتا اور قدموں کو دھو کر پیتا اور آن کا غلبہ یہاں تک ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا۔ اور اس کے بالمقابل اس کا یہ کہنا کہ میں تو تمہاری شدت علی الدین دیکھ رہا تھا اور باوجود اظہارِ دین پر قادر ہونے کے اس کو ظاہر نہ کیا اور دُنیا کو آخرت پر ترجیح دی یہ سب باتیں چاہتی ہیں کہ وہ کافر ہو۔ جہت اولیٰ کو دیکھ کر بعض علماء جیسے حافظ ابن عبدالبر صاحب استیعاب کی رائے یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا اور اُس نے جو یہ کہا اختبربھا شدتکم علی دینکم یہ اپنی جان بچانے کے واسطے کہا تھا۔ اور اکثرین کی رائے جہت ثانیہ کو دیکھتے ہوئے یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھا اگرچہ اُس نے اسلام کی تمنا کی ——— لیکن محض تمنا سے کام نہیں ہوتا۔ ان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس نے حضور اکرم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جنگ موتہ ۸ھ ہجری میں ایک لشکر بھیجا تھا اور بعض ضعیف روایات میں ہے کہ جنگ تبوک میں بھی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ایک لشکر بھیجا تھا مگر جب دیکھا کہ کافروں کو ناکامی ہو رہی ہے تو اس نے آپ کو ایک خط لکھا جس میں یہ تھا کہ میں مسلمان ہوں مگر کیا کروں جان کے خوف سے ظاہر نہیں کرتا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذب عدو اللہ مگر یہ روایت محدثین کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔

مگر اب یہاں ایک بات سنو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری کی تیرہویں جلد کے آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح بخاری شریف کے اندر مختلف باریکیاں اور دقائق ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ ہر کتاب کے ختم پر امام بخاری ایسا لفظ کہتے ہیں جس سے کتاب کے ختم پر اشارہ ہو۔ چنانچہ حافظ نے ساری بخاری چھان ڈالی اور ہر کتاب کے آخر میں کوئی ایسا لفظ بتلا دیا جس سے اختتام کتاب کی طرف اشارہ ہو جیسے یہاں فکان ذالک اخر شان ھرقل سے آخر کتاب کی طرف اشارہ کر دیا۔ میں نے لامع کے مقدمہ میں حافظ کی اس رائے کو ہر باب کے آخر میں لکھ کر اپنی رائے بھی لکھی ہے کہ میرے نزدیک امام بخاری کا مقصود کتاب کے ختم کی طرف اشارہ کرنا نہیں بلکہ تم لوگوں کے اختتام کی طرف متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے یعنی اکثروا ذکر ھا ذم اللذات تو ایسے ہی یہاں بھی اخر شان ھرقل الخ سے متنبہ کر دیا کہ اس کا انجام تو یہ ہوا کہ یا جنت ہے یا دوزخ تم بھی اپنے انجام کو سوچو اور اپنی شان آخر کا خیال کرو۔ موت کو یاد کرو کہ وہ آنے والی ہے۔ لہٰذا خیرات اختیار کرو۔ حدیث پاک تو ختم ہو گئی۔ اب رہا یہ کہ اس کو باب سے کیا مناسبت ہے؟ اس کے جوابات سنو۔

(۱) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے کیف کان بدؤ الوحی کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے اور اس روایت میں موحی الیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے لہٰذا بطور تکملہ کے اس کو ذکر فرمایا۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ یہ بھی وحی کے ابتدائی زمانوں میں پیش آیا اس لئے اس واقعہ کو بدؤ الوحی کے ساتھ نسبت و تعلق[۵] ہے

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے اندر آپ کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر ہرقل کے سوالات کے جوابات میں آیا ہے اور ابتدائے وحی اخلاقِ حمیدہ پر ہوئی تھی اس مناسبت سے اس باب کے اندر یہ حدیث ذکر کر دی گئی۔

چوتھا جواب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ باب کی غرض عظمتِ وحی کو بیان کرنا ہے اور

---

[۵] اس جواب کی توضیح یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصد وحی کے ابتدائی احوال کو بیان کرنا ہے کہ وحی ابتدائی امر میں کن کن منازل سے گزری ہے اور کیا کیا حالات پیش آئے ہیں۔ اب اس صورت میں احوال ابتدائیہ میں حدیث ہرقل بھی داخل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ واقعہ بھی ابتداء احوال میں پیش آیا جیسے کہتے ہیں کہ اسلام ابتداءً امر میں غریب تھا اس کو کوئی قبول نہیں کرتا تھا اور جو کوئی قبول کرتا تو اس کی مخالفت ہوتی تھی یہاں تک کہ صحابہؓ کو ان کے اوطان سے نکال دیا گیا۔ تو حاصل یہ ہے کہ ابتداء سے ابتداء آنی مراد نہیں بلکہ ابتداء زمانی ممتد مراد ہے۔

Marfat.com

حدیث ہرقل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ کو بیان کیا گیا جس سے آپ کی عظمت معلوم ہوتی ہے اور موحی الیہ کی عظمت سے وحی کی عظمت خود ظاہر ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ترجمہ یوں منعقد فرمایا ہے۔ کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ عز وجل اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو اپنے والا نامے میں یَا اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا الآیۃ لکھوایا تھا تو آپ نے ان کو الکلمۃ السواء کی دعوت دی تھی اور الکلمۃ السواء خود ترجمہ میں مذکور ہے اس لئے کہ وہی حضرات انبیاء علیہم السلام کا کلمہ ہے کہ سارے جس کے داعی بنا کر بھیجے گئے تھے یعنی کلمہ توحید۔

کتابُ الایمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام بخاری شریف میں کبھی مرتبہ کتاب سے قبل اور کبھی کتاب کے بعد بسم اللہ آئے گی جیسا کہ یہاں باب کے بعد ہے اور اس سے قبل باب سے پہلے تھی۔ اور بعض جگہ بالکل بے جوڑ بھی بسم اللہ آئے گی حالانکہ نہ وہاں باب شروع ہوگا اور نہ کوئی دوسرا علیحدہ مضمون۔ اس کی وجہ تو اسی مقام پر بیان کی جائے گی جہاں وہ بے جوڑ آئے گی۔ لیکن جس جگہ باب سے قبل اور باب کے بعد بسم اللہ آئی ہے اس کی وجہ ہمارے نزدیک اختلافِ نسخ ہے کہ کسی نسخہ میں باب سے پہلے ہے اور کسی دوسرے نسخہ میں باب کے بعد ہے۔

اب یہاں یہ سُنو کہ اصحاب جوامع یعنی جو محدثین اپنی کتاب کے اندر حدیث کے ابواب ثمانیہ کو ذکر کرتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جامع کو کتاب الایمان سے شروع کرتے ہیں مثلاً مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف وغیرہ اور خود حضرت امام بخاری بھی اصحاب جوامع میں سے ہیں چنانچہ اُنھوں نے بخاری شریف کو کتاب الایمان سے اگرچہ شروع فرمایا ہے مگر ایک جدت یہ پیدا فرمائی کہ کتاب الایمان پر وحی کے باب کو مقدم کر دیا۔ اس کی وجہ امام بخاری کی دقّت نظر ہے وہ اپنی دقّت نظری سے لطائف وحکم کی طرف اشارہ فرماتے رہتے ہیں جو ان کی کتاب میں کثرت سے آئیں گے اور انشاء اللہ میں متنبہ بھی کروں گا۔ یہاں امام بخاری نے باب وحی کو کتاب الایمان پر اس چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مقدم فرمادیا کہ ایمانیات کے اندر معتبر وہ ہے جو بواسطہ وحی کے ہو۔ ایمان باب افعال کا مصدر ہے جس کے معنی لغت

Marfat.com

میں تصدیق کے ہیں قال اللہ تعالیٰ وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِيْنَ اور اس کا مادہ امن ہے۔ تو گویا کہ مؤمن مؤمن بہ کو بتلا دیتا ہے کہ تو ہماری طرف سے تکذیب سے مامون ہے اور جب وہ مومن یعنی ایمان لانے والے کی طرف سے مامون ہوگیا کہ اس کی تکذیب نہیں کرسکتا تو اب اس کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اس کی تصدیق کرے۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان نام ہے تصدیق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بما جاء بہ کا۔ اب اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ ایمان بسیط ہے یا مرکب اس میں چار مذہب مشہور ہیں۔ بلکہ پانچ مذہب کہہ لو۔ اور علامہ عینی نے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مذاہب شمار کرائے ہیں۔ سب سے پہلا مذہب مرجیئہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے اور نام ہے تصدیق قلبی کا۔ اب چونکہ ان کے نزدیک ایمان بسیط ہے اس لئے وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو بشارتیں مومن کے واسطے نازل ہوئی ہیں وہ ان کا مستحق ہے اس لئے کہ اس کے اندر وہ حقیقت بسیط موجود ہے اور اعمال صالحہ کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی افعال سیئہ مضر ہیں۔ ان کی دلیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وان زنی وان سرق الخ ہے۔ دوسرا مذہب ان کے برخلاف خوارج اور بعض معتزلہ کا ہے کہ ایمان مرکب ہے تصدیق قلبی اور اقرار باللسان اور عمل بالجوارح سے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اعمال کو چھوڑ دے تو وہ کافر ہوگا۔ ——— اسی طرح ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر خارج عن الاسلام ہے ان کی دلیل حضورؐ کا ارشاد لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ہے

تیسرا مذہب اکثرین معتزلہ کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایمان مرکب ہے تصدیق اور اقرار و اعمال سے۔ مگر مرتکب کبیرہ حد اسلام سے تو خارج ہے لیکن کفر کے اندر داخل نہیں ہوگا یہ لوگ اسلام سے تو اس لئے خارج مانتے ہیں کہ اعمال ایمان کے اجزا ہیں اور کفر میں اس لئے داخل نہیں کرتے کہ توحید موجود ہے۔

چوتھا مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے۔ پھر ان میں بھی دو فریق ہیں اسی لئے میں نے پہلے یہ کہا تھا کہ چاہے یہ کہہ لو کہ مشہور مذہب پانچ ہیں۔ مگر چونکہ ان دونوں میں فی الواقع کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ صرف تعبیر کا اختلاف ہے اسی لئے اولاً میں نے یہ بھی کہا تھا کہ چار مذہب مشہور ہیں۔ بہرحال اول فریق تو حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اتباع کا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار شرط ہے۔ یہی روایت راجح ہے اس کے بالمقابل ایک مرجوح روایت یہ بھی ہے کہ اقرار (بجائے شرط کے) رکن ہے مگر راجح یہ ہے کہ شرط ہے اور خارج ہے حقیقتِ ایمان سے۔ اور باقی اعمال مکمل ایمان ہیں اس کے اجزا نہیں۔ چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ایمان کو بسیط مانتے ہیں اس لئے بعض حضرات نے امام صاحب کو مرجیئہ کے اندر شمار کیا ہے مگر یہ شمار غلط ہے۔ جیسا کہ میں آگے چل کر بتلاؤنگا۔

دوسرا فریق محدثین کرام اور حضرات شافعیہ وغیرہ کا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان مرکب ہے تصدیق قلبی اقرار باللسان اور اعمال جوارح سے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں فریقوں میں بالکل تضاد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کے درمیان جو بسیط و مرکب ہونے میں اختلاف ہے یہ صرف لفظی ہے اور تعبیرات کا فرق ہے۔ وہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان اس وجہ سے مرکب ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بنی الاسلام علی خمس الخ اور الایمان بضع وثلاثون شعبۃ الخ وغیرہ وغیرہ اور حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ سب ایمان کے مکملات ہیں۔ اختلاف

Marfat.com

لفظی ہونے کا مبنیٰ یہ ہے کہ احناف یہ نہیں کہتے کہ تارک اعمال سیدھا جنت میں جائے گا جیسا کہ مرجیۂ کا عقیدہ ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائے گا۔ پھر اس کے بعد اس کو نجات ملے گی۔ اور حضرات محدثین و شافعیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ تارک اعمال جہنم میں جائے گا مگر مخلد فی النار نہیں ہوگا۔ تو دونوں کے قول کا مآل ایک ہی نکلا کہ تارک اعمال جہنم میں جلے گا اور اپنے ایمان کی وجہ سے آخر کار ناجی ہوگا۔ بخلاف مرجیۂ کے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ تارک اعمال کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور وہ صرف اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں جائے گا۔ بس یہی فرق ہے امام صاحب اور مرجیۂ کے مذہب میں۔ اسی لئے امام صاحبؒ کو مرجیۂ میں شمار کرنا غلط ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ نہ معلوم محدثین کے نزدیک اعمال ایمان کے کس طرح اجزا ہیں؟ پھر خود ہی جواباً ارشاد فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک اعمال کو اجزا شمار کرنے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ہاتھ پیر اور انگلیاں، ناک، کان وغیرہ یہ سب انسان کے اجزا ہیں کہ انسان ان سارے اجزا کے باقی ہوتے ہوئے بھی انسان ہی کہلائے گا اور اگر ہاتھ پیر یا ناک کان وغیرہ کاٹ لئے جائیں جب بھی وہ انسان ہی ہوگا۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں وہ کامل انسان ہوگا اور ثانی صورت میں ناقص انسان۔ بالکل اسی طرح ایمان اعمال کے ساتھ کامل ہے اور ان کے بغیر ناقص ہے۔ یہی احناف کا بھی مسلک ہے کہ اعمال ایمان کے لئے مکمل ہیں۔ اسی وجہ سے جن مقامات میں ایمان کی زیادتی و کمی وغیرہ کی احادیث مروی ہیں وہاں احناف یہ کہتے ہیں کہ یہ کمالِ ایمان پر محمول ہے ورنہ اگر اعمال کو ایمان کا حقیقی جزو مان لیا جائے تو پھر اعمال نہ ہونے کی صورت میں ایمان ہی نہیں رہتا۔ اس لئے کہ انتفائے جز انتفائے کل کو مستلزم ہوتا ہے۔ حضرت امام بخاری چونکہ محدثین میں سے ہیں اس لئے اُنھوں نے ایمان کے ذو اجزا، اور زیادۃ و نقصان کے قبول کرنے پر باب منعقد فرمائے ہیں اور قرآنی آیات اور دوسرے دلائل کے ذریعہ مرجیۂ اور خوارج پر رد کیا ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ احناف پر رد کرنا امام کا مقصد ہے یہ غلط ہے۔ کسی شارح نے خواہ وہ شافعی ہو یا مالکی یا حنبلی یہ نہیں کہا کہ امام بخاری ان ابواب سے احناف پر رد فرماتے ہیں بلکہ وہ مرجیۂ پر رد کرتے ہیں اور خوب زور سے تردید کرتے ہیں۔ یہی نووی، کرمانی، حافظ ابن حجر، علامہ عینی علامہ قسطلانی وغیرہ بھی فرماتے ہیں البتہ کہیں کہیں معتزلہ پر بھی رد فرمایا ہے۔ آج کل کے اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری احناف پر ان ابواب کے ذریعہ سے رد کرتے ہیں۔ یہ لوگ یا تو جاہل ہیں یا تجاہل برتتے ہیں جیسا کہ میں بیان کروں گا۔

اب یہ کہ امام بخاری نے مرجیۂ پر کیوں اتنا زور باندھا اور معتزلہ پر کہیں کہیں رد فرمایا حالانکہ دونوں فرقِ باطلہ کے اندر داخل ہیں۔ اس کی وجہ بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ معتزلہ کے مذہب میں یہاں (دنیاوی حیثیت سے) کوئی نقصان نہیں آخرت میں جو بھی انجام ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو تارک اعمال ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ لہٰذا معتزلی تو اعمال کو چھوڑ ہی نہیں سکتا اس ڈر سے کہ کہیں ایمان سے نہ نکل جاؤں اور مرجیۂ کے یہاں اعمال کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے ان پر شدت سے رد فرمایا۔

Marfat.com

باب الایمان وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس

امام بخاری نے ایمان کے ذو اجزاء اور قابل زیادۃ ونقصان ہونے کو ثابت کرنا شروع کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ بنی الاسلام علی خمس الخ جب ایمان پانچ چیزوں پر مبنی ہے تو ظاہر ہے کہ ذو اجزا ہوگا اب جہاں وہ اجزا پورے ہوں گے وہاں کمالِ ایمان ہوگا اور جہاں وہ اجزاء پورے نہ ہوں گے وہاں نقصان ہوگا لہذا زیادتی اور نقصان ثابت ہوگئی۔ اب یہاں بنی الاسلام علی خمس الحدیث پر ایک اشکال کیا جاتا ہے وہ یہ کہ جب اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے تو یہ اسلام مبنی ہوگا اور اشیاء خمسہ مبنیٰ علیہ ہوں گی اور قاعدہ یہ ہے کہ مبنی مبنیٰ علیہ کا غیر ہوتا ہے لہذا لازم آیا کہ اسلام کوئی اور چیز ہے اور یہ اشیاء خمسہ اس کے مغائر ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ نحو کا قاعدہ ہے کہ حروف جارہ ایک دوسرے کے قائم مقام استعمال ہو جاتے ہیں تو یہاں علیٰ من کے معنی میں ہے یعنی بنی الاسلام من خمس۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو تقریب الی الفہم کے واسطے ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس میں ایک ستون درمیان میں ہو اور چار کنارے کنارے شہادت تو بمنزلہ عمود کے اور یہ چاروں ستون بمنزلہ اطناب کے ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ رہے گا تو وہ جگہ ناقص رہے گی اور اگر عمود گر جائے تو خیمہ ہی باقی نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر شہادت نہ رہی تو ایمان ہی نہیں رہے گا جیسے عمود گر جانے کے بعد خیمہ باقی نہیں رہتا۔

وہو قول وفعل

جب ایمان قول وفعل کے مجموعے کا نام ہے تو مرکب ہوا اس لئے کہ قول ایک جزء ہے فعل دوسرا جزء ہے۔

ویزید وینقص

امام بخاری نے ترجمہ کو تین چیزوں سے مرکب فرمایا ہے اول بنی الاسلام علی خمس دوسرے قول وفعل تیسرے یزید وینقص سے۔ درحقیقت یہ تینوں ایک دوسرے کی تائید وتقویت اور توضیح وتبیین کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بناء علی الخمس ترکیب پر دلالت کرتا ہے اور قول وفعل کا مجموعہ ہونا بھی ترکیب ہی ہے اور زیادۃ ونقصان بھی مرکب ہی میں ہوا کرتا ہے۔

موجودہ زمانے کے اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس جملہ سے حنفیہ پر رد کیا ہے اس لئے کہ احناف بساطۃ ایمان کے قائل ہیں اور امام بخاری ایمان کو ذو اجزاء ثابت فرما رہے ہیں جب ہی تو زیادۃ ونقصان کو قبول کرے گا مگر یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت امام بخاری حنفیہ پر رد فرما رہے ہیں کیونکہ حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے لئے اذعان قلبی ضروری ہے بغیر اس کے مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کسی کو اذعان نہ ہو بلکہ اس میں نقصان ہو مثلاً شک ہو تو وہ کسی کے یہاں بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہاں یقین کے درجات مختلف ہیں مثلاً اس بات کا یقین کہ کلکتہ ایک شہر ہے اس شخص کو بھی ہے جس نے اس کو دیکھا نہیں اور اس کو بھی ہے جس نے دیکھا ہے مگر دونوں کے یقین کے اندر فرق ہے اسی طرح ایمان ہے کہ وہ تو نفس تصدیق کا نام ہے لیکن اس میں مکملات کے ذریعہ زیادتی ہوتی رہتی ہے بخلاف مرجئہ کے کہ وہ بالکل کسی قسم کی زیادتی کے قائل نہیں لہذا ان پر رد ہوا اور حنفیہ پر تو کسی حال میں بھی رد نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بھی اس کے لئے اجزائے مکملہ مانتے ہیں اور جو لوگ اس کے لئے اجزاء ثابت کرتے ہیں وہ ان کو اجزائے

Marfat.com

حقیقیہ نہیں مانتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ لیزدادوا ایمانا اب یہاں سے حضرت امام بخاری نے ایمان کے ذو اجزاً اور قابل زیادۃ ونقصان ہونے کو ثابت کرنے کے لئے دس آیات ذکر فرمائی ہیں آٹھ آیات تو ایک جگہ متصلاً بیان فرمادیں اور دو اس کے بعد آرہی ہیں جب ان آیات سے زیادۃ ایمان ثابت ہوگی تو نقصان بھی ثابت ہوگا اس لئے کہ زیادۃ مستلزم ہے نقصان کو زیادتی اسی شئی میں ہوسکتی ہے جس کے اندر نقصان بھی ہوسکتا ہو۔

وزدناہم ھدیٰ ہدیٰ سے مراد ایمان ہے جب ایمان میں زیادتی ثابت ہوگئی تو نقصان بھی ثابت ہوگیا۔

ایکم زادتہ ہذہ ایمانا جب قرآن پاک کی آیات نازل ہوتی تھیں تو کفار مومنین سے پوچھا کرتے تھے کہ اس آیت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا۔ معلوم ہوا کہ ایمان میں زیادتی ہوسکتی ہے۔

والحب فی اللہ والبغض فی اللہ حضرت امام بخاری کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی روایۃ جب ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی اور اس کا مضمون صحیح ہوتا ہے تو حضرت امام اس کی طرف ترجمہ میں اشارہ فرمادیتے ہیں چنانچہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ یہ ابوداؤد کی روایت ہے اس سے امام بخاری نے ایمان کے ذو اجزا ہونے کو ثابت فرمایا ہے۔ وہ اس طرح کہ حب وبغض کلی مشکک ہے اس کے ہزاروں درجے ہیں ایک محبت تو وہ ہے جس کے متعلق متنبی کہتا ہے کہ سودائے، قلب کے اندر رہے اور ایک وہ ہے جو راہ چلتے ہوجائے اور ایک عداوت یہ ہے کہ جان سے مارنے کے لئے تیار رہے اور ایک یہ ہے کہ وقتی طور پر غصہ آجائے۔ جیسے ایک آدمی کسی بزرگ کے یہاں گیا کہ مجھ کو محبت کا تعویذ دیدو۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ بھائی محبت کا تعویذ تو مجھ کو آتا نہیں ہاں البتہ عداوت کا آتا ہے۔ اُس نے یہ سوچ کر کہ محبوبوں اور اُن کے رقیبوں میں تفریق پیدا کیا کروں گا۔ یہ کہا کہ پھر عداوت ہی کا دیدو۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ آنکھ بند کرا اور منہ کھول۔ اس نے منہ کھول کر آنکھ بند کرلی۔ ان بزرگ نے ایک مُٹھی مٹی کی لے کر اس کے منہ میں ڈالدی۔ اس کو غصہ آگیا۔ کہنے لگا یہ کیا کیا؟ اُنھوں نے فرمایا کہ یہ (عداوت) ہاتھ کے ہاتھ حاصل ہوگئی اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے۔ تو بہرحال اس کو غصہ تو آیا مگر ساتھ ہی ساتھ ختم بھی ہوگیا۔ اور جب محبت فی اللہ اور عداوت فی اللہ ایمان سے ہیں اور اس کے اندر مراتب ہیں تو ایمان کا قابل زیادت ونقصان ہونا ثابت ہوگیا۔

وکتب عمر بن عبدالعزیز رضی یہ وہی عمر بن عبدالعزیز ہیں جن کا انتقال ۱۰۱ھ میں ہوا۔ اور جو عمر ثانی کہلائے ان کی مدت خلافت دو سال کے قریب رہی۔ جہاں اُنھوں نے بہت سے احکامات نافذ فرمائے تھے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا جو عدی بن عدی کے پاس لکھا تھا کہ ان للایمان فرائض والصلوٰۃ والصوم والشرائع اے عقائد وحدوداً اے المنہیات وسننا اے المندوبات فمن استکملہا استکمل الایمان

Marfat.com

جب ایمان کے اندر اتنی چیزیں ہیں تو ایمان کا ذو اجزا ہونا اور قابل زیادت و نقصان ہونا ثابت ہوگیا۔ ترکیب تو اس لئے کہ انھوں نے چار چیزیں شمار کرائیں اور زیادتی اور نقصان کا قبول کرنا اس طرح سے ثابت ہوگیا کہ ان میں سے جتنے اجزا پائے جائیں گے اتنا ہی ایمان کامل ہوگا اور جتنے یہ اجزا کم ہوں گے اتنا ہی ایمان ناقص ہوگا۔

آگے چل کر فرمایا فمن استکملها الخ یہ تین دلیل ہے کہ امام بخاری کا مقصود حنفیہ پر رد کرنا نہیں کیونکہ احناف اعمال کو مکملات ایمان میں سے قرار دیتے ہیں اور خود اس سے بھی معلوم ہوگیا کہ ان حدود و شرائع کے اختیار کرنے سے ایمان کے اندر کمال پیدا ہوتا ہے۔ اب رہا یہاں پر یہ سوال کرنا کہ سنن مؤکدات اور غیر موکدات دونوں کو شامل ہیں یا نہیں؟ تو اس کی بحث وہاں ہوگی جہاں ایمان کی تفسیر ہو التصدیق بجمیع ما جاء به رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی گئی ہے۔ تو اب سوال ہوگا کہ جمیع میں فرائض بھی داخل ہیں یا نہیں سنن بھی داخل ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو موکدات یا غیر موکدات یہاں تو ساری مراد ہیں فمن استکملها استکمل الایمان کی وجہ سے اس لئے کہ استکمال سب ہی کے اندر ہے

ولکن لیطمئن قلبی یہ بھی دلیل ہے ایمان کی ترکیب کی کہ حضرت ابراہیمؑ نے احیائے موتیٰ کے متعلق سوال کیا اگرچہ یہ علم اور ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ احیاء پر قادر ہیں جیسا کہ آیت کریمہ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی سے ظاہر ہے لیکن اپنے اس ایمان و یقین کے اندر زیادتی پیدا کرنے کے لئے سوال فرمایا۔ اس سے پتہ چلا کہ ایمان کے اندر زیادتی ہوتی ہے۔ علما فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان تھا طمانیت قلب اور زیادۃ فی الیقین کے واسطے احیائے اموات کا سوال فرمایا تھا اسی لئے سوال کے اندر رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی فرمایا یعنی کیفیت احیاء کے متعلق سوال فرمایا نفس احیاء کے متعلق سوال نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ رَبِّ اَرِنِی الْاَحْیَاءَ۔

اب یہاں اشکال ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کو ماقبل کی آیات میں کیوں ذکر نہیں فرمایا علیحدہ کیوں ذکر کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات ثمانیہ کے اندر صراحۃً زیادتی کا ذکر ہے اور اس کے اندر زیادتی کی تصریح نہیں بلکہ استنباطی طور پر زیادتی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ جو بعض حضرات نے جواب دیا ہے کہ اس آیت کریمہ کو آثار کے ذیل میں اس لئے ذکر فرمایا کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم کا قول ہے یہ درست نہیں اس لئے کہ نبی تو پھر نبی ہیں اگر یہی وجہ تھی تو ان کے قول کو آثار پر مقدم کرنا چاہیئے تھا۔

وقال معاذ اجلس بنا نؤمن ساعة اس سے بھی زیادتی ایمان ثابت فرما رہے ہیں کیونکہ حضرت معاذ پہلے سے مسلمان تھے پھر ان کا نؤمن ساعة کہنے کا کیا مطلب ہوگا۔ یہی تو کہ ذرا بیٹھو اللہ کا ذکر کریں جس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ ہمارے ایمان میں زیادتی ہوگی۔

وقال ابن مسعود الیقین الایمان کلہ امام بخاری نے اس سے بھی ترکیب ایمان پر استدلال کر لیا دو طریق سے اوّل یہ کہ یہاں ایمان کی تاکید لفظ کل کے ذریعہ سے لائی گئی ہے اور تاکید بلفظ کل ذو اجزا شئی کی لائی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان ذو اجزا یعنی مرکب ہے۔ دوسرے یہ کہ

Marfat.com

اس جملہ کے اندر یقین کو ایمان کہا گیا ہے اور مراتب یقین مختلف ہیں۔ اس سے بھی ترکیب ثابت ہوگئی۔ لیکن یہ حنفیہ پر وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ تو خود کہتے ہیں کہ ایمان کامل ہی نہیں ہوتا مگر ان سارے اعمال کے ادا کئے بغیر جو مامور بہا ہیں۔

وقال ابن عمر لا یبلغ العبد حقیقۃ التقویٰ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ حقیقت تقویٰ کو پہنچ ہی نہیں سکتا جب تک کہ ان شبہات کو نہ چھوڑ دے جو دل میں کھٹکتے ہوں۔ یہ قول ماخوذ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد دع ما یریبك الی ما لا یریبك سے۔ تقوی سے مراد ایمان ہے۔ ابن عمرؓ کا یہ ارشاد بھی ترکیب ایمان پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ تقویٰ کی حقیقت اور اس کی کنہ تک پہنچ جاتے ہیں اور بعض وہاں تک نہیں پہنچتے۔

وقال مجاہد شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحا

حضرت مجاہد یہاں سے شرع لکم الایۃ کی تفسیر فرمارہے ہیں کہ ہم نے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اور حضرت نوحؑ کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔ حالانکہ اس سے قبل کے ادیان اور اس دین کے اندر جزئیات میں بڑا فرق ہے۔ پھر بھی ایک دین فرمارہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایمان کوئی مرکب شئے ہے۔

اوصیناک یا محمد وایاہ

یہ مصنف نے ما وصّٰی بہ نوحا کی تفسیر فرمائی ہے بعض شراح حدیث کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر وایاہ صحیح نہیں بلکہ یہ کاتب کی غلطی ہے اور صحیح انبیائہ ہے اس لئے کہ آیت کریمہ میں اور انبیاء کا بھی تذکرہ ہے۔ حافظ نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہاں آیت کے اتنے ہی ٹکڑے کی تفسیر کرنی مقصود ہے لہذا ضمیر حضرت نوحؑ کی طرف ہی راجع ہے کیونکہ آپ کے بعد ان کا ذکر ہے اور باقی انبیاء تبعاً داخل ہوگئے ہیں اور پھر قاطبۃ سارے نسخے اس پر متفق ہیں لہذا محض احتمال کی وجہ سے کتاب کو غلط نہیں کہا جائے گا۔

وقال ابن عباس شرعۃ ومنہاجا

بعض علماء نے قال مجاہد سے لے کر سبیلا و سنۃ تک ایک استدلال شمار کیا ہے یعنی ان دونوں آیتوں کے ملانے سے ایمان کی ترکیب ثابت ہوگی کہ تمام انبیاء کا ایمان اور دین اصولی اعتبار سے ایک ہے لیکن فروعی اعتبار سے وہ مختلف طریقوں اور شعبوں سے مرکب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے مختلف طریقے پیدا فرمائے ہیں اسی سے ترکیب ثابت ہوگئی۔ لیکن چکی کا پاٹ یہ ہے کہ ان آیات کے ذکر کرنے سے حضرت امام کا مقصود ان دونوں آیات کے درمیان تطبیق دینا ہے کہ اول آیت شرع لکم من الدین الایۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے اور دوسری آیت لکل جعلنا منکم شرعۃ الایۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے دین، طریقے، راستے الگ الگ بنائے تو دونوں آیات کے اندر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اسی کو امام بخاری دفع فرمارہے کہ اول آیت سے جو دین کا اتحاد معلوم ہوتا ہے وہ اصولی اعتبار سے ہے اور فروعی اعتبار سے اتحاد نہیں بلکہ اختلاف ہے کہ بعض احکام میں کسی کے

Marfat.com

یہاں سختی ہے کسی کے یہاں نرمی۔ اور بعض علماء نے شرعۃ ومنہاجا کو اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے متعلق کیا ہے کہ تمہارے لئے مختلف احکام مقرر فرمائے گئے ہیں مسافر کے لئے اور مقیم کے لئے اور صحیح کے لئے علیحدہ مریض کے لئے علیحدہ۔ اب یہاں پھر وہی سوال ہے کہ صرف حضرت نوحؑ کی شریعت اور ان کے بعد آنیوالے انبیاؑ کی شریعت کا ذکر آیت کریمہ میں کیوں نہیں ہے حالانکہ حضرت نوحؑ سے قبل بھی انبیاء گزرے ہیں اس کے بہت سے جوابات تو میں ابتداءِ کتاب میں دے چکا ہوں البتہ یہاں کے زیادہ مناسب جواب یہ ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ آپ کو احکامِ تکلیفیہ دیئے جائیں گے جیسے حضرت نوحؑ کو دیئے گئے۔

ودعاؤکم ایمانکم اس سے بھی حضرت امام بخاری وہی ثابت فرمارہے ہیں جو ابتدائے باب سے اب تک ثابت کرتے آئے ہیں۔ اس جملہ سے سورہ فرقان کی آیت قل ما یعبأ بکم ربی لولا دعائکم کی طرف اشارہ ہے اور دُعا کی تفسیر ایمان سے کی ہے اور دعا کے اندر کمی زیادتی ہوتی ہے لہٰذا ایمان میں بھی کمی زیادتی ہوگی جو مرکب کا خاصہ ہے۔ نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اس لئے کہ اس تفسیر کی بناء پر دعا کا اطلاق ایمان پر کیا گیا ہے اور دُعا ایک عمل ہے۔

اس مقام پر بعض نسخوں میں باب دعاءکم وایمانکم ہے۔ مگر اس نسخے کا محققین شراح مثلاً حافظ ابن حجرؒ علامہ عینی، علامہ کرمانی نے انکار فرمایا ہے اور اس کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ اس باب کے تسلیم کرنے سے یہ لازم آئے گا کہ باب سابق بلا روایت ہی کے رہ جائے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو روایت اس کے بعد مذکور ہے وہ اس کے مطابق نہیں بلکہ باب سابق کے موافق ہے کیونکہ باب کے اندر حدیث بنی الاسلام علی خمس مذکور ہے اور یہ روایت بنی الاسلام علی خمس ہی کی ہے۔ اس روایت پر میں باب کے شروع میں کلام کرچکا ہوں۔

بابُ امورالایمان

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمۃ ان امور ایمانیہ اور اجزاء مختلفہ وانواعِ متفرقہ کا ذکر شروع کرتے ہیں جن کی بناء پر مصنف نے ترکیب ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا تھا کہ وہ ذو اجزاء اور ذو شعب ہے۔ اب یہاں ایک بات غور سے سُنو۔ وہ یہ کہ ان سارے ابواب میں جو آئندہ آرہے ہیں تین باتیں ہر جگہ چلیں گی۔ پہلی بات تو شراح کی ہے کہ حضرت امام بخاری جب کسی شئے کے اثبات پر اُتر آتے ہیں تو اس کو مختلف طور پر ثابت فرماتے ہیں۔ اب چونکہ حضرت امام بخاری کو ترکیب ایمان ثابت کرنی ہے اس لئے اس کو طرح طرح سے ثابت فرمارہے ہیں۔ دوسری بات میرے والد صاحب کی ہے جو انھوں نے اپنے سبق میں دورانِ تقریر فرمائی تھی۔ معلوم نہیں کہ لامع میں بھی یہ رائے موجود ہے یا نہیں؟ وہ یہ کہ ایمان کی ترکیب تو پہلے باب میں ثابت فرماچکے اب یہاں سے حضرت امام بخاری ان امور کو ذکر فرمارہے ہیں جنہیں مسلمانوں کو حاصل کرنا چاہیئے۔ گویا امور ایمانیہ پر ترغیب دلارہے ہیں۔ تیسری بات میری اپنی ہے کہ بظاہر حدیث بنی الاسلام علی خمس سے جو ایک طرح کا ایہام حصر فی الخمس ہوتا تھا اس کو رفع فرمارہے ہیں کہ انہی پانچ کے اندر انحصار نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھی اجزاء ہیں وقول اللہ تعالیٰ لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملائکۃ

Marfat.com

والکتاب والنبیین وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی البأساء والضرّاء وحین البأس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون۔ وقال اللہ تعالیٰ قد افلح المؤمنون الآیۃ ان دونوں آیات کو ذکر فرماکر امام بخاری نے ایمان کے اجزاء کو ثابت فرمایا اور امور مرغوب فیہا کو ذکر فرمایا ہے یا پھر حصر فی الخمس کے ایہام کو دفع کر دیا۔

قد افلح المؤمنون شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری آیت کریمہ قد افلح المومنون سے المتقون کی تفسیر فرمارہے ہیں جو آیت سابقہ میں ہے مگر میرے نزدیک امام بخاری نے اس آیت کو بھی استدلال کے طور پر ذکر فرمایا ہے کہ جس طرح مکملات ایمانیہ اس سے پہلی آیت کے اندر مذکور ہیں۔ ایسے ہی اس آیت میں بھی اُن بہت سی اشیاء کا ذکر ہے جو آیت اولیٰ کے اندر نہیں ہیں۔

بضع وستون شعبۃ اس حدیث پاک میں بضع وستون شعبۃ کا ذکر آیا ہے۔ بضع کا اطلاق ایک سے لے کر نو تک پر ہوتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں بضع وسبعون آیا ہے۔ ان دونوں میں جمع کرنے کے لئے بعض نے تو یہ جواب دیا کہ مفہوم عدد کا اعتبار ہی نہیں ہوتا اور بعض دوسرے لوگوں نے یہ جواب دیا کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بار بار وحی نازل ہوتی تھی تو بعد میں اضافہ ہوتا رہا اس لئے بعد میں ستون سے سبعون تک پہنچے ہوں گے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایمان مرکب ہے قول اول والوں کی رائے پر اور میرے والد صاحب کی رائے کی بنا پر مومن کو چاہیئے کہ وہ ان شعب کو تلاش کرکے ان پر عمل کرے اور میری رائے کی بنا پر اس حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ اسلام امور خمسہ ہی میں منحصر نہیں ہے۔ اس حدیث کے بعض طرق میں افضلہا قول لا الٰہ الا اللہ وادناہا اماطۃ الاذیٰ عن الطریق وارد ہوا ہے۔ حضرات صوفیأ فرماتے ہیں کہ ادنیٰ سے مراد ردی نہیں ہے بلکہ ادنیٰ اقرب کے معنی میں ہے اور اذیٰ سے مراد نفس اور اس کی شہوات ہیں اور مطلب یہ ہے کہ طریق تزکیہ سے نفس کو ہٹا دینا اقرب ایمان ہے۔

والحیاء شعبۃ من الایمان اس پر دو طرح سے کلام کرنا ہے اول تو یہ کہ آخر حیا کو ان بضع وستون شعب کے اندر ایسی کیا خصوصیت ہے جو اس کو مستقل ذکر فرمایا۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ چونکہ حیأ ایک ایسا شعبہ ہے جس پر بہت سے شعبے مرتب ہوتے ہیں بلکہ یہ حیا ان کے وجود کا سبب بنتی ہے اس لئے اس کو خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ چنانچہ کہتے ہیں بے حیا باش وہرچہ خواہی کن تو چونکہ حیا کذب سے بھی بچاتی ہے اس لئے کہ حیأ ہوگی تو یہ سوچے گا کہ اگر کل کو جھوٹ ثابت ہوگیا تو کیا ہوگا؟ اس وجہ سے پھر جھوٹ نہیں بولے گا۔ اسی طرح سے زنا چوری وغیرہ غرض کہ ہر قبیح بات کے کرنے سے بچ جائے گا۔

دوسرا کلام یہاں یہ ہے کہ شعب ایمانیہ سارے کے سارے مکتسبات کے قبیلے سے ہیں یعنی از قبیل اعمال ہیں اور[ع۵]

ع۵ ہمارے حضرت اقدس دام مجدہٗ العالی کی ایک دوسری تقریر میں اس اشکال کو ذرا کھلے ہوئے انداز میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ "حیا ایک فطری شے ہے اور ایمان کسبی شے ہے لہٰذا حیاء ایمان کا جزء کیسے بن گئی۔ شاہد

Marfat.com

حیاء ایک طبعی چیز ہے پھر اس کو شعب ایمانیہ میں کیونکر شمار فرمایا۔ اس کے تین جواب ہیں۔ پہلا جواب تو شراح کا ہے کہ حیاء کی دو قسمیں ہیں ایک طبعی دوسرے عقلی۔ جس حیاء کو ایمان کے شعب میں شمار کیا گیا ہے وہ عقلی ہے اور وہ مکتسب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک تو غریزۂ طبع ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے وہ تو وہبی ہے اور ایک یہ ہے کہ اس حیاء کے مقتضیٰ پر عمل کرے لہٰذا بتقاضائے حیاء جو کام کیا جائے گا وہ حیاء عقلی ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حیاء ابتداءً تو فطری ہوتی ہے اور انتہاءً کسبی ہو جاتی ہے۔ تیسرا جواب جو کہ چکی کا پاٹ ہے وہ یہ ہے کہ یہاں حیاء سے مراد اس کے ثمرات و نتائج ہیں اور وہ اختیاری ہیں۔ پہلے اور اس تیسرے جواب کا حاصل ایک ہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ اُنھوں نے حیاء کی دو قسمیں کر دیں اور میں نے یہ کہہ دیا کہ ایک تو حیاء ہوتی ہے وہ تو شعب ایمان ہے نہیں بلکہ شعب ایمان اس کے ثمرات و نتائج ہیں۔

باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

اس باب میں بھی وہی تینوں باتیں جاری ہوں گی جو میں نے ابھی بتلائی ہیں۔ وہ یہ کہ شراح کے نزدیک ترکیب ایمان ثابت فرما رہے ہیں کیونکہ مسلمان وہ ہوا جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں تو معلوم ہوا کہ یہ ایمان کا جز ہے کیونکہ اس کے علاوہ بھی اجزاء ثابت ہو چکے ہیں لہٰذا ترکیب ثابت ہو گئی۔ اور میرے والد صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ ایمان کی ترکیب تو پہلے ہی باب سے ثابت فرما چکے جہاں پر دس آیات اور آثار و احادیث ذکر فرمائی تھیں۔ اب باب امور الایمان سے کتاب العلم تک ان امور کو ذکر فرما رہے ہیں جو مومن کے اندر ہونی چاہئیں اور جن کو حاصل کرنا چاہیئے۔ اور میرے نزدیک حدیث بنی الاسلام علی خمس سے جو ایہام انحصار فی الخمس ہوتا ہے اس کو دفع فرما رہے ہیں یہ تینوں امور آخر تک چلیں گے ان کو یاد رکھو

من لسانہ ویدہ

یہ حدیث ان احادیث خمسہ میں سے ہے جس کو حضرت امام ابوحنیفہ نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب فرمایا ہے۔ یہاں اس حدیث میں دو باتیں قابل ذکر ہیں اول یہ کہ من لسانہ کیوں فرمایا من کلامہ کیوں نہیں فرمایا دوسرے یہ کہ لسان کو ید پر کیوں مقدم فرمایا؟ حالانکہ ہاتھ وغیرہ سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے زبان سے تو زائد سے زائد گالی ہی دے سکتا ہے لیکن ہاتھ سے تو قتل بھی کیا جا سکتا ہے؟ اول سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کی علامت ہے کہ من لسانہ فرمایا من کلامہ نہیں فرمایا۔ کیونکہ اگر من کلامہ فرماتے تو زبان سے جو اور ایذائیں بغیر کلام کئے ہوئے پہنچتی ہیں وہ شامل نہ ہوتیں۔ مثلاً کسی کو زبان سے اشارہ کرنا جس کو چڑانا کہتے ہیں تو چونکہ لسان اعم ہے بہ نسبت کلام کے کہ بعض مرتبہ بغیر کلام کے بھی صرف زبان سے ہی ایذا پہنچائی جاتی ہے اس لئے لسانہ فرمایا۔ اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ زبان کا زخم زیادہ دیر تک باقی رہتا ہے جیسا کہ تم شرح جامی میں پڑھ چکے ہو کہ ؎

جراحات السنان لها التيام
ولا يلتام ما جرح اللسان

Marfat.com

دوسرا جواب یہ ہے کہ لوگ زبان کی ایذاؤں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ چنانچہ جب کوئی آدمی کسی کے کچھ کہنے سننے پر ناراض ہوتا ہے تو کہنے والا یہی کہتا ہے کہ کیا تجھے میں نے مارا تھا۔ صرف ایک بات ہی تو کہی تھی۔ تو اس کے اہتمام کی طرف اشارہ کر کے لئے مقدم فرمایا۔

والمہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ

یوں فرماتے ہیں کہ ہجرت ایک تو یہ ہے کہ اپنے گھر بار کو امان کے لئے چھوڑ دے لیکن حقیقی مہاجر وہی ہے جو اللہ کی منہیات کو چھوڑ دے شراح حدیث نے اس حدیث کی دو غرضیں بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ تنبہ اور تنبیہ کرنا ہے مہاجرین کو کہ صرف ان کا ہجرت کر لینا کافی نہیں کہ اس کے بعد کسی شے کی پھر ضرورت ہی نہیں بلکہ ہجرت کے بعد آدمی گناہوں سے بچے۔ تب اس کی ہجرت کا اصل فائدہ مرتب ہوگا۔ اور اگر ہجرت کے بعد گناہ شروع کر دیئے تو کوئی فائدہ مرتب نہ ہوگا دوسری غرض یہ بیان کی گئی کہ تسلی دینی مقصود ہے ان لوگوں کو جو کسی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے کہ تم لوگ اگرچہ اس کے ثواب سے محروم ہو لیکن اصل ہجرت یہ نہیں بلکہ اصل ہجرت یہ ہے کہ آدمی گناہ اور ہر قسم کے منہیات کو ترک کر دے اور یہ تم لوگ اب بھی کر سکتے ہو لہٰذا کرو اور ثواب کماؤ۔ یہی اعلیٰ درجہ ہے۔

حدثنا داود عن عامر

یہ عامر وہی شعبی ہیں جو پہلی سند میں گزرے ہیں مگر چوں کہ اس میں عن الشعبی عن عبداللہ بن عمرو روایت معنعنہ ہے اس لئے تنبیہ کرنے کے واسطے یہ سند ذکر کر دی کہ شعبی نے اس کو عبداللہ بن عمرؓ سے سنا ہے۔

عن داود عن عامر عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس سند کو اس لئے ذکر فرمایا کہ جب عبداللہ مطلق بغیر نسبت کے بولا جاتا ہے۔ تو اس سے عبداللہ بن مسعود مراد ہوتے ہیں اور یہاں بھی مطلق ہے تو وہم ہو سکتا تھا کہ یہی مراد ہوں گے اس لئے تنبیہ فرما دی کہ یہ عبداللہ بن عمرو ہیں عبداللہ بن مسعود نہیں ہیں۔

باب ای الاسلام افضل

یہاں بھی وہی تینوں باتیں چلیں گی جن کے متعلق میں اوپر بیان کر چکا۔ ان کو یاد رکھو میں ہر جگہ بیان نہیں کروں گا۔ علم نحو کا قاعدہ ہے کہ ائی جب کسی چیز پر داخل ہوتا ہے تو اس سے مقصود اس شے کے افراد کے متعلق سوال کرنا ہوتا ہے تو یہاں باب کا مطلب ہے ای افراد الاسلام افضل اور مطلب یہ ہوگا کہ افراد اسلام میں سے یہ چیزیں حاصل کرنے کی ہیں ان کو حاصل کرنا چاہیئے۔ یہاں ایک بات سنو وہ یہ کہ حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب تو منعقد فرمائی ہے ایمان کی لیکن اس میں انھوں نے ایمان، اسلام، دین تینوں کو ذکر فرما دیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم لغوی ان تینوں کا جو چاہے ہو مگر چونکہ ہر ایک کے اندر تلازم ہے اس لئے سب کو جمع فرما دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے جو اسلام کے ساتھ ہو کیونکہ ایمان نام ہے ایقان اور اذعان کا۔ اسی طرح اسلام وہی معتبر ہے جو ایمان کے ساتھ ہو کیونکہ اگر اسلام بدون ایمان کے ہوگا تو وہ اسلام نہیں بلکہ نفاق ہوگا اور کفر ہوگا۔ اسلام کہتے ہیں گردن نہادن کو۔ اسی طرح دین کے معنی طریقہ کے ہیں اور طریقہ وہی معتبر ہے جو ایمان اور

Marfat.com

اسلام کے ساتھ ہو۔

باب اطعام الطعام من الاسلام

اطعام کے اندر صرف مسلم کی قید نہیں ہے بلکہ کافر کیا جانوروں تک کے کھلانے کا اجر و ثواب ہے البتہ مسلمان کو کھلانے کا ثواب اوروں کے کھلانے سے زیادہ ہے۔

وتطعم الطعام

چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ گرجان طلبی مضائقہ نیست وزر طلبی سخن دریں است اس لئے اہتمام سے اس کو ذکر فرمادیا۔

وتقرء السلام علی من عرفت الخ

یعنی اسلامی سلام وہ ہے جو تعلقات کی بناء پر نہ ہو بلکہ محض مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کو سلام کیا جائے۔ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتسلم السلام نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ تقرئ عام ہے اور کتابت کو بھی شامل ہے کیونکہ اگر آدمی خط میں کسی کو سلام لکھے تو وہ بھی قرأت میں داخل ہے لیکن لفظ تسلم کی صورت میں یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

باب من الایمان ان یحب لاخیہ

اس باب میں امام بخاری نے حدیث ذکر فرمائی ہے لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ، یہ حدیث ان پانچ احادیث میں سے ہے جس کو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتخاب فرمایا ہے اور یہی روایت ان چار میں سے ہے جس کو امام ابو داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتخاب فرمایا ہے اور بھائی ہے بھی یہی بات کہ کمال ایمان اسی سے حاصل ہوتا ہے یہ جتنے فسادات دنیا میں ہوتے ہیں اگر صرف اسی حدیث پر عمل کرلیا جائے تو سب کی جڑ کٹ جاوے۔ اس لئے کہ جب کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا چاہتا ہے تو اگر وہ ساتھ ساتھ یہ سوچ لے کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو کیا اس چیز کو پسند کرلیتا جو میں اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں اگر صرف یہی سوچ لے تو سارا فساد ہی نیست ونابود ہوجائے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس میں فرمایا گیا ہے حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ حالانکہ حضرت سلیمانؑ نے اپنی دُعا میں یہ فرمایا تھا رب ھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی الایۃ۔ اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ حضرت سلیمانؑ کا دُعا کرنا جواز کی دلیل ہے یا اہتمام کے قصد سے دُعا کی تھی اور چکی کا پاٹ یوں ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا دعا کرنا امور طبعیہ کے قبیل سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان امور شنیعہ کے بارے میں ہے جن کو کوئی پسند نہیں کرسکتا۔

وعن الحسین المعلم قال ثنا قتادۃ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کو قتادہ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سند اول میں ذکر نہیں کرنا چاہیئے تھا کیونکہ سند ثانی میں بعینہٖ یہی آرہا ہے۔ شراح نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ امام بخاری نے اپنے استاذ سے اسی طرح سُنا تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ تصنیف میں ہر مصنف کی شان جداگانہ ہوتی ہے۔ مصنف اس قسم کے امور کا اہتمام نہیں فرماتے بلکہ یہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا وظیفہ ہے۔

Marfat.com

باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کا جزء ہے اگر کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ ہو تو وہ مسلمان ہی نہیں۔ مگر یہاں اشکال یہ پیش آتا ہے کہ ہم بسا اوقات یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اپنی آل اولاد سے محبت ہے حالانکہ حدیث میں لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ وارد ہوا ہے اس اشکال کا ایک جواب تو شراح نے دیا ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں ایک طبعی، دوسری عقلی، یہاں مقصود و مطلوب محبت عقلی ہے نہ کہ محبت طبعی، لہٰذا یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو طبعاً اپنی اولاد سے زیادہ محبت ہو مگر عقلی محبت وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہوگی۔ اور دوسرا جواب میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے فرماتے ہیں کہ یہاں مطلوب جو محبت ہے وہ محبت طبعی ہی ہے لیکن یہ جو بسا اوقات شبہ ہوتا ہے کہ اولاد وغیرہ کی محبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مواقع بہت کم پیش آتے ہیں بخلاف ان اولاد اقارب کی محبت کے مواقع کے چنانچہ اگر دونوں میں تصادم ہو جائے تو آپ کی محبت ہی راجح ہوگی۔ مثلاً کسی کی بیوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ بُرا بھلا کہہ دے تو وہ ہرگز برداشت نہیں کرے گا بلکہ گلا تک گھونٹ دے گا۔ اسی طرح اگر کسی کا لڑکا قرآن پاک پر پیر رکھدے تو دور ہی سے ڈانٹتا ہوا دوڑے گا اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو وہ مسلمان ہی نہیں۔

آس باب کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اس باب کو دوسرے ابواب پر مقدم ہونا چاہیئے تھا مگر چونکہ حقوق العباد مقدم ہیں اور مضرت کو دفع کرنا زیادہ بہتر ہے اس لئے دوسرے ابواب کو مقدم فرمادیا۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے والد کو پہلے ذکر فرمایا حالانکہ آدمی کو بہ نسبت اپنے باپ کے بیٹے سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور یہاں مقصود بھی سب سے زائد محبوب شے کو بیان کرنا ہے لہٰذا پہلے ولدہ فرمانا چاہیئے تھا۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ جس طرح اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے اسی طرح ادنیٰ سے بھی اعلیٰ کی طرف ترقی ہو جاتی ہے یہاں پر ادنیٰ سے ترقی ہے جو والد کی محبت ہے اعلیٰ کی طرف جو ولد کی محبت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ والد کے احترام کی وجہ سے اسکو مقدم فرمادیا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے ولد کا ہونا ضروری نہیں لیکن ہر ولد کے لئے والد کا ہونا ضروری ہے تو اس کی کثرت کی وجہ سے مقدم فرمادیا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ وہ محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے اور یہاں محبت اعتقادی و تعظیمی مراد ہے

دوسرا اشکال یہ ہے کہ ان روایات میں حضورؐ کی محبت کو حب والد و ولد سے مقدم رکھا گیا ہے لیکن اپنے نفس سے محبت کے تقدم و عدم تقدم کا کوئی ذکر نہیں ؟ اس کی علماء نے تین وجہیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ بعض روایات میں من نفسہ کا لفظ بھی موجود ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں ذکر باعتبار ظہور کے ہے اور اپنے نفس سے محبت کا ظہور نہیں ہوتا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ لڑکے کی محبت اپنی ذات سے زیادہ ہوا کرتی ہے۔

والناس اجمعین

دوسری روایت کو اس جملہ کی زیادتی کی وجہ سے ذکر فرمایا ہے اور اس کے عموم میں نفس رجل بھی داخل ہو گیا۔

Marfat.com

باب حلاوۃ الایمان

شراح فرماتے ہیں کہ حلاوت سے مراد حلاوت قلبیہ ہے یعنی استلذاذ اور لذت کا حاصل ہونا لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر ہم اللہ کے احکام کی اسی طرح سے پابندی کریں۔ جیسے کہ ہمیں حکم فرمایا ہے تو یقیناً حلاوت ایمان ہمیں حاصل ہوگی۔ میں نے اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ ان کو ذکر کے وقت نہایت ہی حلاوت حاصل ہوتی تھی۔

وجد حلاوۃ الایمان

شراح کے نزدیک حلاوۃ معنویۃ اور میرے نزدیک حلاوۃ حسیہ وظاہریہ مراد ہے

وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ

یہ ہے معیار محبت اس لئے کہ اگر کسی سے دُنیا کے واسطے محبت کرتا ہو تو جب یہ معلوم ہوگا کہ یہ تو بڑا بخیل ہے تو پھر اس سے نفرت ہو جائے گی اور اگر شہوت کی وجہ سے کسی سے محبت کرے اور وہ منہ پھیر لے تو دو تین مرتبہ کے بعد یہ بھی کہہ اُٹھے گا کہ مارکم بخت کو لیکن اگر اللہ کے لئے محبت کرتا ہے تو اگرچہ وہ اس کو کچھ نہ دے اور بے رُخی کرے تو پھر بھی وہ اس کے ساتھ محبت کرے گا اس لئے کہ وہ ذات جس کے لئے یہ محبت کرتا ہے وہ تو اسی طرح باقی ہے۔

ان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار

یہ بات اس وقت ہوگی جبکہ ایمان دل کی جڑ میں پیوست ہو جائے اور یہ ایمان کے اندر پختگی لا الہ الا اللہ کی کثرت سے پیدا ہوتی ہے اور اس میں ذکر بالجہر ضروری نہیں بلکہ زبان سے آہستہ آہستہ بھی کافی ہے۔

باب علامۃ الایمان حب الانصار

انصار سے محبت کرنا اجزاء ایمان سے تو نہیں ہے لیکن چونکہ امام بخاری نے ایمان کے ابواب ذکر فرمائے ہیں تو ایمان کے بعض مناسب امور کا بھی ذکر فرما دیا۔

آیۃ الایمان الخ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی محبت پر تحریص فرمائی ہے کیونکہ اُنھوں نے دین کی مدد کی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اگر کوئی ان سے اس وجہ سے محبت کرتا ہے کہ اُنھوں نے دین کی مدد کی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کی ہے تو حقیقتاً یہ دین ہی سے محبت ہوگی۔ اسی لئے اس کو علامت

Marfat.com

ایمان فرمایا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی آدمی حضرات انصار سے اسی علت کی بنا پر عداوت رکھتا ہے تو اس کے دل میں ایمان نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی دشمنی اس نصرت و مدد کی بناء پر ہوئی ہے اسی لئے انصار سے عداوت و بغض کو نفاق کی علامت فرمایا گیا ہے۔

باب یہ باب بلا ترجمہ ہے اور شراح حضرات باب بلا ترجمہ ہونے کی مختلف توجیہات تحریر فرماتے ہیں اس کی چھ وجوہات میں مقدمۂ لامع میں بیان کر چکا ہوں، لیکن وہ سب ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق طور پر مختلف اصول کے تحت مذکور ہیں یعنی اصل ۲۰ و ۲۵ و ۲۶ و ۳۷ و ۵۷ کے تحت میں جہاں جہاں حافظ کے کلام میں ملیں وہاں اُن کے کلام سے اور جہاں شاہ صاحب کے کلام میں ملیں وہاں اُن کے کلام سے ماخوذ ہیں تاہم ان وجوہات میں سے ایک وجہ بہت مشہور اور شائع ہے۔ وہ یہ کہ حضرت امام بخاری باب بلا ترجمہ وہاں لاتے ہیں جہاں اس باب کو باب سابق سے فی الجملہ مناسبت ہو اور فی الجملہ تفارق ہو۔ چنانچہ اس باب بلا ترجمہ میں جو حدیث آرہی ہے اس کا تعلق فی الجملہ تو پہلے باب سے یہ ہے کہ جیسے وہاں انصار کا ذکر ہے ایسے ہی اس حدیث میں بھی ہے کہ انصار کے کچھ حالات بیان کر دیئے لیکن فی الجملہ مناسبت نہیں۔ کیونکہ پہلے باب میں انصار کی محبت کا ذکر ہے لیکن اس باب میں حب الانصار من علامۃ الایمان کا کچھ ذکر نہیں۔

چکی کا پاٹ یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ تو وہی ہے کہ باب بلا ترجمہ کو باب سابق سے فی الجملہ مناسبت ہوتی ہے اور فی الجملہ تفارق مگر وہ مناسبت جو ابھی بیان کی گئی ہے وہ دوسرے شراح کے نزدیک ہے اور میرے نزدیک مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں یہ ذکر فرمایا تھا کہ انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اب اس پر تنبیہ کرنے کے واسطے کہ آخر وہ کیا بات ہے کہ جس کی وجہ سے انصار کی محبت کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ باب بلا ترجمہ باندھ کر بتلا دیا کہ انصار سے محبت ایمان کی علامت اس وجہ سے ہے کہ اُنھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء اسلام میں مدد فرمائی اور اس کی اشاعت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت کی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو آدمی مصیبت کے وقت کام آتا ہے اس کو زیادہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے بہ نسبت اوروں کے۔ حضرات مہاجرین نے گو مدد کی مگر اجتماعی طور پر انصار ہی نے ابتدا کی۔ میری اس توجیہہ سے باب سابق میں جو حب الانصار کو علامت ایمان قرار دیا گیا تھا۔ اس کی وجہ خود بخود معلوم ہو گئی۔ ہمارے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری کبھی کبھی باب بلا ترجمہ تشحیذ اذہان کے واسطے لایا کرتے ہیں جیسا کہ میں خود کہیں کہیں تنبہ کروں گا اور تشحیذ اذہان کے معنی ہیں ذہنوں کا تیز کرنا اور مطلب اس کا یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ متعدد تراجم باندھ کر کہیں باب بلا ترجمہ ذکر فرما دیتے ہیں اور ناظر کو متوجہ کرتے ہیں کہ وہ روایت کو دیکھ کر کوئی ترجمہ اس کے مناسب منعقد کرے بالکل اسی طرح جیسے ابتدائی تعلیم میں قاعدہ وغیرہ پڑھنے کے زمانے میں بچہ کو سبق پڑھا کر چند سوالات دیدیتے ہیں کہ ان سوالات کے جوابات لکھ کر لاؤ۔ تو ایسے ہی امام بخاری فرماتے ہیں کہ اتنے تراجم ابواب کے ہم نے بیان کئے اب ہم سوال دیتے ہیں کہ اس باب کا ترجمہ تم گھڑو چنانچہ اس باب کا ترجمہ بابُ اجتناب الکبائر علامۃ الایمان یا بابٌ اجتناب المعاصی من الایمان ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

ایک دوسرا قاعدہ حضرت شیخ الہند نے باب بلا ترجمہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری کبھی کبھی تکثیر تراجم کے پیش نظر باب کو بلا ترجمہ ذکر فرما دیتے ہیں کیونکہ اگر خود ہی کوئی ترجمہ منعقد فرما دیتے تو وہی رہتا۔ اب جب کہ کوئی ترجمہ ہی منعقد نہیں فرمایا تو ناظر دیکھے گا اور خود غور و فکر کر کے جو مناسب سمجھے گا وہی ترجمہ وضع کرے گا جیسا کہ ابھی ابھی تشحیذ الاذہان کے ذیل میں باب اجتناب المعاصی وغیرہ گزر چکے۔

ایک دوسری بات یہاں یہ بھی سُن لو کہ حضرت امام بخاری نے سابقہ ابواب کے اندر مرجئہ پر رد فرمایا ہے لیکن اس باب سے مرجئہ اور خوارج دونوں پر رد ہے تو تمایز کے لئے باب بلا ترجمہ کے ذکر فرما دیا۔ خوارج پر رد تو ان شاء عفا عنہ سے کیا کہ وہ کافر نہیں ہوتا بلکہ معافی ہو سکتی ہے اور مرجئہ پر رد ان شاء عاقبہ سے فرما دیا کہ اعمال نہ کرنے کی صورت میں عذاب دے سکتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے باب بلا ترجمہ کو حار تحویل کے معنی میں بھی لکھا ہے لیکن مجھے ساری بخاری میں سوائے ایک جگہ کے کوئی باب حار تحویل کے معنی میں نہیں ملا جس کو شاہ صاحب نے خود ذکر کیا ہے اور حافظ وغیرہ کے نسخ میں وہاں لفظ باب ہی نہیں۔ اور بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ گاہے باب بلا ترجمہ اختلافِ طرق کے واسطے بھی پیش فرماتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ گاہے امام بخاری باب بلا ترجمہ رجوع الی الاصل کے لئے ذکر فرماتے ہیں۔ اس کی صورت یہ[1] ہے کہ امام بخاری نے ایک باب قائم کر کے اور پھر اس کے بعد دوسرا باب اس کے مناسب ذکر فرما دیا پھر کوئی روایت اس کے بعد ایسی ذکر فرمائی جو باب متصلہ کے مناسب نہیں ہے لہٰذا باب بلا ترجمہ ذکر فرما کر اشارہ کرتے ہیں کہ اب ہم اس باب کی طرف رجوع کرتے ہیں جو پہلے گزر چکا۔

وکان شہید بدرًا بہ بطور منقبت کے ذکر فرمایا۔ چونکہ بدر میں حاضر ہونے والوں کے بڑے فضائل ہیں حتی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل بدر کے بارے میں مروی ہے لعل اللہ اطلع علی اھل بدر فقال لھم افعلوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ جب صاحب حق ہی کسی کو معاف کر دے تو کیا کہنا۔ مثلاً

---

[1] مثلاً حضرت امام بخاری نے ترجمہ منعقد فرمایا ہے باب ما یقول الامام ومن خلفہ اذا رفع راسہ من الرکوع۔ اور اس میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ قال اللھم ربنا ولک الحمد ذکر فرمائی اور اس کے بعد باب فضل اللھم ربنا لک الحمد ذکر فرمایا اور اس میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد فانہ من وافق قولہ قول الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ ذکر فرمائی ہے اور اس کے بعد پھر باب بلا ترجمہ قائم فرما کر تین روایات ایسی ذکر فرمائی ہیں جن میں سے کسی ایک سے بھی اللھم ربنا ولک الحمد کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے لیکن ما یقول الامام ومن خلفہ ثابت ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ باب بلا ترجمہ اسی باب یعنی ما یقول الامام الخ کی تکمیل کے لئے ہے تو یہ باب حافظ کے اس بیان پر رجوع الی الاصل ہوا۔ محمد یونس

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کسی روسیاہ سے فرمائیں کہ تو اس قابل تو نہ تھا کہ تجھے چھوڑ دیا جائے مگر ہم نے محض اپنے فضل سے بخش دیا تو کس کو دم مارنے کی مجال ہے۔ اس خصوصیت کی بنا پر کہیں کہیں کان شھد بدراً بالیدری وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔

وہواحد النقباء لیلۃ العقبۃ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ ہجرت سے پہلے یہ تھا کہ قبائل پر اسلام پیش فرمایا کرتے تھے مگر بجائے اس کے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانتے ایذائیں پہنچاتے تھے۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ ایام حج میں منیٰ اور عرفات میں جاکر لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے۔ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سالہ نبوی میں انصار کے چھ آدمیوں سے ملاقات کی اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہمیں کوئی وقت رات کا کسی خاص مقام میں دیا جائے تاکہ ہم آپ سے کچھ بات کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھاٹی مقرر فرما دی۔ رات کو اس میں آپ اور وہ چھ آدمی حاضر ہوئے ان میں ایک اسعد بن زرارہ بھی تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئے۔ صبح کو شور مچ گیا کہ یہ لوگ صابی ہو گئے مگر چونکہ چند آدمی تھے بات پھیل نہ سکی اور انھوں نے اس کی شد و مد سے تغلیط کر دی۔ اس کے بعد ۱۲ھ نبوی میں بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے اور اسی گھاٹی میں اسی طرح بات چیت ہوئی اور پھر یہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ۱۳ھ نبوی میں ستتر آدمی حاضر خدمت ہوئے اور اسی گھاٹی میں اسلام لائے۔ اس لیلۃ العقبۃ الثالثۃ میں جہاں اور باتیں ہوئیں وہاں یہ بات بھی ہوئی کہ ان حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور (آپ) مدینہ طیبہ ہمارے یہاں تشریف لے جائیں۔ ہم لوگ حضور کی ہر طرح مدد کریں گے۔ بس یہ آغاز اور سبب ہے ہجرت کا۔ اس مجلس میں حضرت عباس رضی بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ جب مدینہ طیبہ لے جانے کی باتیں ہو رہی تھیں تو انھوں نے ایک تقریر کی اور کہا کہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات کو نہیں مانتے اور آپ سب کی نظروں میں معتوب ہیں لہذا تم اس شرط پر لے جاؤ کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ بڑے عہود و مواثیق ہونے کے بعد یہ حضرات رخصت ہوئے۔ نقبا سے مراد وہی لوگ ہوتے ہیں جو موسم حج میں پوشیدہ طور پر اس گھاٹی میں اسلام لائے اور لیلۃ العقبہ وہ رات کہلاتی ہے جس میں یہ سب لوگ اس گھاٹی میں جمع ہوئے۔ اب حضرت عبادہ کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ وہ لیلۃ العقبۃ الثانیۃ کے نقبا میں سے ہیں مگر بعض نے ان کو بیعت اولیٰ کے نقبا میں شمار کیا ہے اور اسی لئے محشی نے بین السطور الاولیٰ اوالثانیۃ لکھ دیا ہے مگر مشہور یہی ہے کہ وہ نقباء ثانیہ میں سے ہیں۔ اس تمام واقعہ سے حب انصار کا پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کو آپ سے کتنی محبت تھی جس کی بنا پر ان لوگوں نے اپنے پاس حضرت کو بلایا۔ اس صورت میں اس حدیث پاک کو حب الانصار علامۃ الایمان سے خوب مناسبت ہو جائیگی کہ جیسے یہ حضرات آپ سے محبت کرتے تھے ایسے ہی یہ خود بھی اس لائق ہیں کہ ان سے محبت کی جائے۔

بایعونی علیٰ ان لاتشرکوا باللہ شیئاً اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیعت عقبہ یعنی بیعت اسلام ہے لیکن اس سے قبل جو جملہ وارد ہوا ہے یعنی وحولہ عصابۃ من اصحابہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیعت اسلام نہیں کیونکہ اس بیعت کے وقت صحابہ موجود نہ تھے۔ ایک

Marfat.com

دو تھے لہٰذا حافظ کی رائے یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

غور سے سُنو:۔ بعض جاہل اعتراض کرتے ہیں کہ بیعتِ صوفیہ بدعت ہے مگر یہ اعتراض جہالت ہے اور غلط ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت الاسلام، بیعت الجہاد، بیعت السلوک سب ثابت ہیں۔ یہاں وہ حضرات اس روایت پر یہ اعتراض کرسکتے ہیں کہ یہ بیعت تو اسلام کی بیعت ہے لیکن حضرت عبادہ ہی کی روایت سے بیعت السلوک بھی ثابت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بایعونی۔ صحابہؓ نے عرض کیا قد بایعناک یارسول اللہؐ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا بایعونی اب جب کہ وہ بیعت الاسلام کرچکے تھے اور اس وقت کہیں جہاد کا ارادہ بھی نہیں تھا تو پھر یہ بیعت سوائے بیعت السلوک کے اور کیا تھی؟ یہ روایت جب آئے گی میں اس پر تنبیہ کردوں گا

ولا تاتوا ببہتان تفترونہ بین ایدیکم بہتان یہ ہے کہ کسی آدمی پر وہ عیب لگایا جائے جو اس میں نہ ہو ایک آدمیؔ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ اگر کسی آدمی میں کوئی عیب ہو اور میں اسے ظاہر کردوں؟ آپ نے فرمایا کہ تو نے اس کی غیبت کی اس نے کہا کہ اگر ایسی بات کہوں جو اس میں نہ ہو تو آپ نے فرمایا پھر تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ اس کے معنی میں علماء کے چند اقوال ہیں اول یہ کہ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد منہ در منہ اور آمنے سامنے ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی کو آمنے سامنے بہتان نہ باندھو۔ کیونکہ اوّل تو بہتان فی نفسہ قبیح ہے مگر کسی کے سامنے یہ کہنا کہ رات تو نے کیا کیا۔ کہاں گیا تھا۔ یہ زیادہ قبیح ہے اس سے اس کو زیادہ شرم آئے گی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد فرج ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی کو فرج کا بہتان نہ لگاؤ کیونکہ یہ بہت قبیح ہے تیسرا مطلب یہ ہے کہ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد قلب ہے کیونکہ وہ سینے کے درمیان بھی ہے۔ اور یدین ورجلین کے درمیان بھی ہے۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ کسی کو نفی ولد کے سلسلہ میں بہتان مت باندھو یعنی یہ مت کہو کہ وہ حرامی ہے۔ پانچواں مطلب یہ ہے کہ زنا کر کے اپنے شوہر پر بہتان مت باندھو کہ بدفعلی عرب میں عام تھی اور کسی سے زنا کرالیا اور جو بچہ پیدا ہوتا اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرتی تھیں بس یہی بہتان ہے اور اسی سے منع کیا گیا ہے۔

ولا تعصوا فی معروف اے لاتعصونی فی معروف اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جتنے بھی اوامر فرمائیں وہ سب معروف ہیں لیکن آپ نے اپنے کلام میں یہ قید تعلیم امت کے لئے لگائی ہے کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

فہو کفارۃ لہ اس پر کلام تو مجھے کتاب الحدود میں کرنا چاہیئے مگر ہم وہاں تک ماہ رجب میں پہنچیں گے اس لئے یہیں سن لو کہ اس سے ایک مسئلہ خلافیہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں۔ حضرات شافعیہ وغیرہ کے نزدیک حدود کفارہ ہیں اور حدود کے بعد سمجھو کہ گناہ ایسا ہوگیا جیسے توبہ کے بعد۔ اور حضرات حنفیہ کی

---

۵ اس حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتدرون ما الغیبۃ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ذکرک اخاک بما یکرہ قیل افرأیت ان کان فی اخی ما اقول۔ قال ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بہتہ۔ رواہ مسلم عن ابی ہریرۃؓ

Marfat.com

رائے یہ ہے کہ حدود کفارہ نہیں ہیں صرف زواجر کے درجہ میں ہیں اس مسئلہ میں امام بخاری شوافع کے ساتھ ہیں اور وجہ اختلاف وجہ ترجیح کا اختلاف ہے نصین متعارضین کے درمیان ترجیح کے طریقے تقریباً سو سے زائد ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ حضرت اقدس گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ کا مشہور مقولہ ہے کہ حدیث کو جتنی سرسری نظر سے دیکھا جائے گا وہ اتنی ہی حضرات حنفیہ کے خلاف ہوگی۔ اور جتنا حدیث پاک میں توغل کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ تمام حدیث حنفیہ کے بالکل موافق ہے نیز احناف کے یہاں ایک قاعدہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن پر نظر کی جائے اور جو حدیث اوفق بالقرآن ہو اس پر عمل درآمد کیا جائے کیونکہ اکثر احادیث روایت بالمعنی ہیں اور الفاظِ قرآن قطعی ہیں مثلاً حدیث کے اندر رفع اور عدم رفع دونوں وارد ہوئے ہیں لیکن قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ وقوموا للہ قانتین کے موافق عدم رفع ہے ایسے ہی احادیث میں آمین بالجہر و بالسر دونوں وارد ہیں لیکن آمین بالسر وقوموا للہ قانتین کے زیادہ موافق ہے۔ ایسے ہی بعض احادیث سے جلسہ استراحت کا ثبوت اور بعض سے عدم ثبوت کا پتہ چلتا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جلسہ استراحت میں دو حرکتیں ہوتی ہیں اور عدم جلسہ میں ایک حرکت ہوتی ہے لہٰذا یہ بھی اسی آیت کریمہ کے موافق ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جو اس قاعدہ مسلّمہ پر مرتب ہوں گی اسی قسم کے اصول دوسرے ائمہ کے یہاں بھی ہیں چنانچہ امام مالک کے مرجحات قویہ میں سے یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے عملِ اہل مدینہ کو دیکھتے ہیں جو حدیث بھی عمل اہل مدینہ کے موافق ہوگی وہ ہی ان کے نزدیک راجح ہوگی۔ جس نے موطاء امام مالک کو بغور پڑھا ہوگا۔ اس پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگی۔ ولکل وجھۃ ھو مولیھا۔ حضرات احناف اوفق بالفاظ القرآن کو اس لئے راجح قرار دیتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کے الفاظ منزل من اللہ ہیں لہٰذا جو حدیث اس کے موافق ہوگی وہ زیادہ اقرب الی الصواب ہوگی کیونکہ چند احادیث ہی روایۃ باللفظ ہیں جن میں سے ایک من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار ہے باقی سب روایۃ بالمعنی ہی ہیں۔ اور حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اسلام مدینہ میں آیا اور یہیں رہا لہٰذا جتنے اہل مدینہ واقف ہوں گے اور کوئی واقف نہیں ہوگا اور شافعیہ کے یہاں اہم اصول میں اخذ بروایۃ الاوثق ہے اور حنابلہ کی اصل اعظم اخذ بروایۃ الثقۃ ہے خواہ اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ جب یہ اصول معلوم ہو گئے تو اب سنو کہ حنفیہ کے نزدیک توبہ کفارہ بن سکتی ہے محض حدود کفارہ نہیں بنیں گے کیونکہ قرآن پاک پر جو نظر ڈالی تو یہ آیت سامنے آئی والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ اس آیت میں جو چور کی سزا قطع ید ذکر فرمائی گئی ہے وہ تو بیان ہو چکی۔ اب آگے ارشاد فرماتے ہیں فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم الایۃ تو ہمیں پوچھنا یہ ہے کہ جب حد ختم ہو چکی اور حدود کفارات ہیں اور کفارہ سیئہ ہو چکا تو اب فان تاب کا کیا مطلب ہے اور اس فا تعقیب کے لانے کی وجہ کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ حدود کفارہ نہیں ہیں بلکہ توبہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کہ حدود ساترِ اثم ہیں رافع اثم نہیں۔ ایسے ہی ایک دوسری جگہ ارشاد ہے والذان یاتیانھا منکم فاٰذوھما فان تابا واصلحا الایۃ تو جب کہ ایذا دینی اور رجم کرنا کفارہ ہو چکا تو پھر فان تابا کا کیا مطلب؟

اسی طرح سے قاذفین کے بارے میں ارشاد ہے والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء

Marfat.com

فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولاتقبلوا لھم شھادۃ ابداً واولئک ھم الفاسقون الا الذین تابوا الایۃ توجب حد قذف اسّی کوڑے مارے جاچکے اور حدود کفارات ذنوب ہیں تو پھر الا الذین تابوا الایۃ کا کیا مطلب؟ اور یہ استثناء کس وجہ سے فرمایا گیا ہے اور جو روایات میں فھو کفارۃ لہ وارد ہوا ہے اس کا مطلب وہ ہے جو دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی بندہ کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس کے لئے کفارہ بنتی ہے حتی الشوکۃ یشاکھا جیسا کہ مشکوۃ باب یاتی المریض ثواب المرض میں تم لوگ پڑھ چکے ہو۔ اسی طرح اس کو یہاں تکلیف پہنچی ہے کہ اس نے حد کی مشقت اور مصیبت برداشت کی تو اس پر اس کو جو اجر ملے گا اس کو کفارہ سے تعبیر کردیا اور یہی مراد ہے کفارۃ لہ سے۔

باب من الدین الفرار من الفتن

چونکہ پہلے ان امور کو ذکر فرمایا تھا جن کو حاصل کرنا چاہیئے اب یہاں سے ان امور کو ذکر فرماتے ہیں جن سے بچنا چاہیئے کیونکہ قاعدہ ہے وبضدھا تتبین الاشیاء۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے یہاں لفظ دین استعمال کیا ہے اور اس سے پہلے بعض ابواب پر ایمان اور بعض پر اسلام کا اطلاق کرکے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ تینوں ایک ہیں اور مشترک ہیں فی معنی واحد۔

حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ شہر میں رہنا دشوار ہوجائے گا اور اپنے دین کی حفاظت کی خاطر لوگ شہر سے بھاگ کر جنگلات کو مسکن بنائیں گے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم

یہاں امام بخاری پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس باب کو کتاب العلم میں ذکر کرنا چاہیئے تھا۔ کتاب الایمان میں کیوں ذکر فرمایا۔ اس اعتراض کو دیکھ کر بعض شراح نے یہ کہہ دیا کہ حقیقت میں یہ باب کتاب العلم میں تھا مگر کاتب کی غلطی کی وجہ سے یہاں لکھا گیا۔ لیکن یہ اعتراض غلط ہے محض اعتراض کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کتاب العلم کا باب تھا اور سہو کاتب سے یہاں لکھ دیا گیا۔ اب جب کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے تو پھر اس کا کیا مطلب ہے۔ بعض شراح کی تو رائے یہ ہے کہ یہاں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات میں بجائے انا اعلمکم باللہ کے انا اعرفکم باللہ ہے۔ چنانچہ حاشیہ کے نسخے میں انا اعرفکم باللہ ہی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے علم سے معرفۃ مراد لی ہے اور اس کی تائید حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ کے قول وان المعرفۃ فعل القلب سے ہوتی ہے اور معرفت بھی ایمان میں ہی داخل ہے لہذا اس باب کو کتاب الایمان سے مناسبت ہوگئی۔ اس باب سے امام بخاری قیاس ونظر کے ذریعہ یہ ثابت فرماتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔ لہذا وہ مرکب ہے اور ثابت اس طرح کیا کہ علم قلبی شی ہے۔ اور یہاں حضور نے اعلم اسم تفضیل کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے۔ جو زیادتی کو چاہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قلبی اشیاء میں کمی وزیادتی ہوتی ہے۔

اور میرے اساتذہ ومشائخ کی یہ رائے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انا اعلمکم فرمایا ہے معلوم ہوا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اوروں کی بہ نسبت زیادہ علم تھا اور اس علم سے مراد معرفت ہے (جیسا کہ میں ابھی بتلاچکا) اور معرفت فعل قلب ہے اور قلبی اشیاء میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور ایمان بھی قلبی ہے لہذا اس کے

Marfat.com

اندر بھی کمی زیادتی کی شان پائی جائے گی۔ اب یہ کہ معرفت فعل قلب کیوں ہے؟ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں وَلٰکِن یُؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ۔ اگر معرفت فعل قلب نہیں ہے تو پھر مواخذہ کے کیا معنی مقصد اس باب سے ان لوگوں کی تردید کرنی ہے جو ایمان کے بسیط ہونے کے قائل ہیں لیکن یہ حنفیہ کی تردید نہیں ہوسکتی اس لئے کہ وہ تو خود ہی ایمان و ایقان کی زیادتی کے قائل ہیں۔

اذا امرہم امرہم من الاعمال بما یطیقون

یہاں پر یہ روایت مختصر ہے واقعہ یہ ہوا کہ ایک بار تین صحابہ رضؓ ازواج مطہرات کے پاس آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کے متعلق استفسار کیا۔ جب اُنھیں خبر دی گئی تو اُنھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کہاں کرسکتے ہیں کہ قد غفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر۔

ایک صحابیؓ نے کہا کہ میں ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے صحابی نے عہد کیا کہ میں سارے دن روزہ رکھا کروں گا۔ اور تیسرے نے عہد کیا کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ان سے مطالبہ کیا اور فرمایا کہ میں تو سوتا بھی ہوں، جماع بھی کرتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں اُنھوں نے عرض کیا کہ ہم آپ جیسے نہیں ہیں آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا اور فرمایا کہ میں اللہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور اس سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔

فیغضب حتی یعرف الغضب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر غصہ کا اور خوشی، مسرت کا بہت زیادہ اثر ہوتا تھا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو جتنا حسین ہوگا اس کا چہرہ اتنا ہی زیادہ ان اشیاء کے اثرات کا مظہر ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے زیادہ حسین تھے۔

باب من کرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یلقی فی النار من الایمان

یہ من الایمان یعود یا یلقی کے متعلق نہیں بلکہ یہ خبر ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے۔ یہاں اشکال یہ ہے کہ اس باب کو کتاب الایمان سے کیا مناسبت ہے؟ بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری ہر جگہ اضداد کو ذکر فرماتے ہیں اگر علم کا ذکر آئے گا تو اس کے ساتھ جہل کو ضرور ذکر فرمائیں گے اور اگر ایمان کا ذکر فرمائیں گے تو اس کے ساتھ کفر کو بھی ذکر فرمائیں گے کیونکہ قاعدہ ہے ؎

وبضدھا تتبین الاشیاء

لہٰذا اس عادت مبارکہ کی وجہ سے یہ باب یہاں ذکر کردیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے باب میں فرار من الفتن کو دین سے قرار دیا تھا تو اب یہاں سے فرار من الکفر کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بھی دین میں سے ہے لہٰذا جس طرح ہر شخص فرار من النار کی کوشش کرتا ہے ایسے ہی فرار من الکفر کی بھی کوشش کرے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جب

؎ یہ پورا واقعہ بخاری شریف، کتاب النکاح، کے ص ۷۵ پر مذکور ہے۔ شاہد غفرلہٗ

Marfat.com

کراہۃ کفر اس قدر ہے کہ جہنم میں تو جانا گوارا ہے لیکن کفر کو اختیار کرنا گوارا نہیں تو یہ تو عین ایمان ہے اور چوتھا جواب یہ ہے کہ اس سے کراہت فی الکفر کی انتہا بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جہنم میں تو جانا گوارا کر لے مگر کفر اختیار کرنا مشکل ہو۔ حدیث پاک پر کلام باب حلاوۃ الایمان میں ہو چکا۔

باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال

غور سے سُنو! حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ یہاں وہی فرما رہے ہیں جو حنفیہ کا مذہب ماقبل میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان اذعان قلبی کا نام ہے اور نفس ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی وہ تو یکساں رہتا ہے بلکہ کمی زیادتی اعمال کے اعتبار سے ہوتی ہے لہٰذا یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری مرجیٔہ اور خوارج پر رد فرما رہے ہیں اور اصل تردید مرجیٔہ کی کرنی ہے کیونکہ وہ لوگ اعمال کو بالکل ہی بے فائدہ کہتے اور اس کے بعد رد کرنا ہے خوارج پر۔ مگر ان پر اتنا شدید رد نہیں کیونکہ وہ فرقہ بھی اگرچہ ضال و مضل ہے مگر اعمال کے مسئلے میں ان کے یہاں کوتاہی نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ تارک عمل کو کافر کہتے ہیں تو وہ بیچارہ اس ڈر سے کہ کہیں کافر نہ ہو جائے خوب عمل کرے گا۔

حدثنا اسماعیل

اس حدیث میں آگے چل کر وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مسلمانوں کو جہنم سے سزا دینے کے بعد نکال دینے کا حکم فرمائیں گے تو اس کے بعد اعلان ہوگا اخرجوا من کان فی قلبہ حبۃ من خردل من الایمان یعنی جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی عمل خیر ہو تو اس کو نکال لاؤ۔ یہاں ایمان سے مراد عمل خیر ہے جیسا کہ دوسری روایت میں صراحۃً خردل من خیر وارد ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اعمال خیر ذرا سے بھی ہوں گے تو بھی مغفرت فرما دیں گے۔

اس حدیث میں رد ہے مرجیٔہ اور خوارج دونوں پر۔ مرجیٔہ پر اس لئے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اعمال کا کوئی اثر نہیں۔ لہٰذا اُن پر رد اس طرح ہوگا کہ جب اعمال میں کوئی اثر ہے ہی نہیں تو وہ پھر جہنم میں کیوں گیا؟ اور خوارج پر اس لئے کہ وہ مرتکب کبائر کو کافر مانتے ہیں تو اگر وہ کافر ہو گیا تھا تو اس کو جہنم سے نکالا کیوں گیا؟

قد اسود

یعنی جل کر کوئلوں کی طرح سیاہ ہو گئے ہوں گے۔

فیلقون فی نہر الحیاء او الحیاۃ

راوی کو شک ہو گیا کہ حیا فرمایا جس کے معنی پانی کے ہیں یا حیاۃ فرمایا۔

قال وہیب حدثنا عمرو الحیاۃ

اس سند کو ذکر کر کے تنبیہ فرما دی کہ حیا اور حیاۃ میں جو شک ہوا ہے وہ عمرو بن یحییٰ کے دوسرے شاگرد مالک کو ہوا ہے۔

وقال خردل من خیر

اس کو ذکر کر کے اشارہ فرما دیا کہ من ایمان سے مراد اعمال ہیں۔

قال الدین

دین سے مراد یہاں ایمان تو ہو نہیں سکتا کیونکہ ایمان میں جو اذعان ہے اگر اس میں کمی

Marfat.com

ہو جائے تو وہ تنگ ہوگا ایمان نہیں ہوگا لہذا دین سے مراد اعمال ہیں اور مطلب روایت کا یہ ہے کہ لوگوں کے اعمال میں فرق ہے بعض کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے قمیص کہ بس سینہ تک ہی پہنچ پاتی ہے اور بعض حضرات کے اعمال کی مثال ایسی قمیص کی ہے جو اتنی بڑی ہے کہ زمین پر گھسٹتی چلتی ہے اور آثار قدم اس کی وجہ سے مٹتے چلے جاتے ہیں یہ حضرت عمرؓ کے اعمال کی مثال ہے۔

باب الحیاء من الایمان اس حیاء کا ذکر اگرچہ ماقبل میں حدیث الحیاء شعبة من الایمان کے ذیل میں ہو چکا لیکن وہاں ضمناً آیا تھا اور وہیں پر میں کلام بھی کر چکا ہوں اگر وہاں نہ کیا ہوتا تو یہاں کر دیتا۔ اس باب سے حیاء کو مستقلاً بیان فرما رہے ہیں اہمیت کی وجہ سے۔

وھو یعظ اخاہ فی الحیاء اور وہ نصیحت یہ تھی کہ بہت زائد حیا نہیں کرنی چاہیئے کہ اس سے نقصان ہوتا ہے یعنی ترک حیاء کی نصیحت ہے۔

باب فان تابوا واقاموا الصلوٰة الخ شراح کی رائے یہ ہے کہ امام کی غرض اس باب سے قرآن پاک کی آیت کی تفسیر بیان کرنا ہے اور میرے اساتذہ کی رائے ہے کہ ایمان کی ترکیب ثابت کرنی ہے اس طرح پر کہ جہنم سے نجات ایمان ہی کی بدولت ملے گی اور یہاں تخلیہ سبیل کو توبہ عن الشرک اور اقامۃ الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ پر مرتب فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان ان سب چیزوں سے مرکب ہے۔

الا بحق الاسلام مثلاً کسی شخص نے کسی کو قتل کر دیا یا محصن تھا لیکن زنا کر لیا۔

باب من قال ان الایمان ھو العمل شروع کتاب میں حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا تھا باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ وھو قول وفعل اس لئے بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ مکرر ہو گیا۔ کیونکہ وھو قول وفعل میں عمل خود آ گیا۔ بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا کہ غایت اہتمام کی بنا پر مستقل باب دوبارہ منعقد فرمایا ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر ترجمہ کے الفاظ نہ بدلیں اور غرض بدل جائے تو ترجمہ مکرر نہیں کہلاتا۔ لہذا یہاں پر بھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ ترجمہ مکرر ہو گیا کیونکہ غرض دوسری ہو گئی اور وہ یہ ہے کہ جیسے ایمان عمل وقول کا نام ہے ایسے ہی قول وعمل کا نام ایمان ہے یعنی تلازم دونوں طرف سے ہے اور یہی مضمون آگے چل کر آیت کریمہ وتلک الجنة التی اورثتموھا بما کنتم تعملون سے ثابت فرما رہے ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ کوئی عمل بغیر ایمان کے معتبر نہیں۔ لہذا جنت کی وراثت اس عمل کی وجہ سے جو لازم ہے ایمان کو اور ایمان لازم ہے اس عمل کو۔ ایسے ہی دوسری آیۃ کریمہ فوربک لنسئلنھم اجمعین عما کانوا یعملون ہے۔ یہاں بھی عمل سے مراد لا الہ الا اللہ یعنی ایمان مراد ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ ترجمہ شارحہ ہے یعنی اس ترجمہ سے امام بخاری کی غرض ان آیات وغیرہ کی شرح کرنا ہے جس میں نجات کو عمل پر مرتب کیا ہے۔

حدثنا احمد بن یونس اس حدیث میں فرمایا گیا ہے ای العمل افضل اور جواب میں ایمان باللہ ورسولہ فرمایا تو ایمان پر عمل کا اطلاق کیا گیا ہے لہذا تلازم ثابت ہو گیا کہ کسی

Marfat.com

جگہ ایمان پر عمل کا اطلاق اور کسی جگہ عمل پر ایمان کا اطلاق ہوا ہے۔

باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ الخ

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا الآیۃ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور شے ہے اسلام اور شے۔ حالانکہ حضرت امام بخاری اب تک کسی جگہ اسلام اور کسی جگہ دین سے تعبیر کر کے اشارہ فرماتے چلے آئے ہیں کہ یہ تینوں ایک ہیں۔ اب آیت شریفہ اور امام بخاری کے قول میں تعارض پیدا ہو گیا تو اس باب کے ذریعہ اس تعارض کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے کہنے میں اور آیت کریمہ کی مراد میں تعارض نہیں بلکہ چونکہ ایمان ایک قلبی شے ہے خود بخود وہ ظاہر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا اظہار ہوتا ہے ——— اور اس اظہار کا نام اسلام ہے تو ایک کا تعلق قلب سے اور دوسرے کا ظاہر سے ہوا تو یہاں آیت میں نفی اس ایمان کی ہے جو دل سے نہ ہو صرف ظاہر سے ہو اور اگر دل سے ایمان ہو تو وہی اسلام اور دین بھی ہے۔

حدثنا ابوالیمان

اس حدیث میں حضرت سعد کے سوال اراہ مومنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اومسلما یعنی تم نے جو قسم کھا کر اس کے مسلمان ہونے کو بیان کیا یہ غلط ہے۔ کیا پتہ کہ وہ دل سے ایمان نہ لایا ہو صرف ظاہراً مسلمان ہو۔ کیونکہ ایمان اذعان قلبی کا نام ہے اور اس کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کی حالت کسی کو معلوم نہیں کہ یہ انقیاد جو ہے یہ انقیاد حقیقی ہے یا ظاہری۔ بہرحال تیسری مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں بعض مرتبہ ایسے شخص کو مال نہیں دیتا جو مجھے محبوب ہو بلکہ اس کے غیر کو دے دیتا ہوں یہ سوچ کر کہ "مجھ سے جس کو محبت ہے اگر میں اس کو نہ دوں تو کوئی مضائقہ نہیں وہ مجھے کچھ نہیں کہے گا۔ لیکن دوسرے شخص کو اگر نہ دوں تو وہ مجھے بُرا بھلا کہے گا تو اس کا نقصان ہوگا اور کہیں بطور سزا کے جہنم میں نہ پھینک دیا جائے"۔

اب ان رجل کے بارے میں شراح و مشائخ کے درمیان یہ اختلاف ہو رہا ہے کہ آیا یہ قسم اول میں سے تھے یعنی جو لوگ اسلام حقیقی رکھتے ہیں یا قسم ثانی میں سے ہیں یعنی جو صرف اسلام ظاہری رکھتے ہیں۔ شراح حدیث حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملہ اومسلما کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہ قسم ثانی میں سے تھے اس لئے کہ حضورؐ نے حضرت سعد کے مومناً کہنے پر نکیر فرمائی۔ مگر میرے مشائخ کی رائے یہ ہے کہ یہ شخص قسم اول میں سے تھے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ انی لاعطی الرجل وغیرہ احب الی منہ ان کو احبین کی فہرست میں داخل فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ احب وہی ہوگا جو انقیاد ظاہری و باطنی دونوں کے ساتھ متحلی ہو۔

باب افشاء السلام من الاسلام

یہ بھی منجملہ شعب ایمانیہ کے ہے اور بضع وستون شعب جس کا ذکر پہلے آچکا ہے انہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔

الانصاف من نفسک

اس کے علماء نے کئی مطلب بتلائے ہیں۔ اول یہ کہ اپنے نفس سے اللہ کے لئے انصاف کرو۔ اور اللہ کے لئے انصاف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم سے چھوٹے تمہارے ساتھ ادب و احترام سے پیش آئیں اسی طرح تم بھی یہ دیکھو کہ آیا مالک الملوک کے ساتھ ان کے پاس واجب

Marfat.com

میں تمہارا کیا مرتبہ ہے جس طرح تم اپنے چھوٹوں سے ادب کے طالب ہو۔ اسی طرح تم بھی پاس امرِ الٰہی کرو اور اس کا ادب کرو۔

حضرت گنگوہی سے منقول ہے کہ اپنے نفس سے انصاف لینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو تم اپنے آپ کو اس پر پیش کر دو تاکہ وہ تم سے بدلہ لے لے یا معاف کر دے تاکہ آخرت کی گرفت سے محفوظ رہ سکو۔ چنانچہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ جس کو میں نے کوئی تکلیف پہنچائی ہو وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ آپ نے مجھکو ایک مرتبہ چھڑی ماری تھی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ ان صحابی نے عرض کیا حضورؐ میں اُس وقت ننگا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً قمیص اُتار دی۔ وہ صحابی فوراً حضورؐ سے لپٹ گئے اور کبھی اِدھر بوسہ دیتے اور کبھی اُدھر بوسہ دیتے۔ ان کو تو بدلہ لینا تھا۔ جس طرح چاہا لے لیا۔ اور بعض مشائخ کی یہ رائے ہے کہ یہ جملہ حضورؐ کے ارشاد لایومن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ کے ہم معنی ہے اور اپنے نفس سے انصاف لینے کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہ اوروں کے لئے بھی پسند کرو۔ اور جو دوسروں کے لئے پسند کرتے ہو وہ اپنے لئے پسند کرو۔ اور بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ جو اپنے اوپر واجب ہو اس کو ادا کرے خواہ وہ حقوق اللہ میں سے ہو یا حقوق العباد سے متعلق ہو۔ ان تمام اقوال میں مشہور پہلے دو ہیں۔

وبذل السلام للعالم یہ ہے مقصود۔ اور یہ ہے السلام علی من عرفت ومن لم تعرف

والانفاق من الاقتار یعنی تنگی کے وقت خرچ کرنا۔ چنانچہ حق تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں :- ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ یہ ہے محمود کہ آدمی پر عُسرت اور تنگی ہو مگر پھر بھی خرچ کرے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مالدار ہوا اور مثلاً ایک ہزار روپے میں سے پچاس روپے خرچ کرے تو گویا بیسواں حصہ ہی خرچ کیا بخلاف اس کے جس کے پاس سَو ہی روپے ہوں وہ اگر پچاس روپے خرچ کر دے تو اُس نے تو اپنا نصف خرچ کر دیا۔

حدیث پاک میں آتا ہے افضل الصدقۃ جھد المقل یعنی افضل صدقہ نادار کی مشقت ہے انفاق بحالت اقتار محمود ہے اور بڑی ہی عمدہ شے ہے اور کلام تو اس پر کتاب الزکوٰۃ میں آئے گا مگر نہ معلوم وہاں تک کب پہنچیں۔ سنو! عُسرت کے باوجود خرچ کرنا بڑی ہی محمود شے ہے مگر یہ اس شخص کے لئے ہے جس کو اعتماد علی اللہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ اس وقت دے کر دوسرے وقت پھر افسوس ہوگا یا دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرے گا اور اگر یہ خوف ہو تو پھر اس کے لئے محمود نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایک شخص ایک سونے کی ڈلی لایا اور خدمت اقدسؐ میں پیش کر کے کہنے لگا کہ یہ میری کمائی ہے اور تو میرے پاس کچھ ہے نہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا۔ وہ اسی جانب لے کر حاضر ہوا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف سے بھی مُنہ پھیر لیا۔ وہ اسی طرف لے گیا۔ آپ نے وہ ڈلی لے کر اس زور سے پھینک کر

Marfat.com

ماری کہ اگر وہ ہٹ نہ جاتے تو ہڈی ٹوٹ جاتی۔ اور اس کے برخلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ پوچھتے ہیں کہ گھر کے لئے کیا چھوڑا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ عرض کرتے ہیں کہ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑا۔ یہاں حضورؐ نے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرائن کے ذریعہ معلوم ہوگیا تھا کہ پہلا شخص جزع فزع کرے گا اس لئے اس کو تو واپس کردیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اعتماد علی اللہ معلوم تھا اس لئے اس کو قبول فرمالیا اور رد نہیں کیا۔

باب کفران العشیر و کفر دون کفر

یہاں تک پانچ باب ہوئے ہیں جن سے امام بخاری نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ایمان ایک حقیقت بسیطہ ہے اور اس میں جو تفاضل وغیرہ ہے وہ اعمال کے اعتبار سے ہے۔ اور چونکہ قاعدہ ہے وبضدھا تتبین الاشیاء اس لئے حضرت امام بخاری کفر کے بھی مراتب ثابت فرمارہے ہیں اور جب کفر کے مراتب ہیں تو اس کے مقابل (اسلام) کے بھی مراتب ہوں گے لیکن یہ سارے مراتب حقیقی نہیں کہ خلود فی النار کا سبب بن جاویں۔

حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اریت النار فاذا اکثر اھلھا النساء۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ایکفرن باللہ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یکفرن العشیر۔ معلوم ہوا کہ کفر حقیقی جو کفر باللہ ہے وہ کل مراتب نہیں ہے جب ایسا ہے تو اسی طرح ایمان کے سارے مراتب حقیقتِ ایمان میں داخل نہ ہوں گے بلکہ اس کی حقیقت تو ایک ہوگی اور یہ چیزیں اس کی مکملات ہوں گی۔ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جہنم میں بکثرت عورتوں کو دیکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں زیادہ ہوں گی اور اس کے بالمقابل دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں کم از کم ہر شخص کو دو بیویاں ملیں گی اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں مردوں سے زیادہ عورتیں ہوں گی یعنی کم از کم دوگنی تو ہوں گی۔ اس کا تقاضہ ہے کہ جب وہاں عورتیں زیادہ ہیں تو مرد کم ہوئے اور جہنم کے اندر مرد زیادہ ہونے چاہئیں اور عورتیں کم۔ حالانکہ اس حدیث سے وہاں کی کثرت معلوم ہوتی ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ عورتوں کی پیداوار کثرت سے ہے اس لئے دونوں جگہ یہی زیادہ ہوں گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ عورتیں کفران عشیر کی وجہ سے جہنم میں گئی ہیں اور کفران عشیر کفر دون کفر ہے تو ابتداً سزا بھگتنے کے لئے وہ جہنم میں جائیں گی اور پھر وہاں سے جنت میں آئیں گی تو گویا ابتداءً جہنم کے اندر کثرت اور پھر انتہاءً جنت میں کثرت ہوگی۔

اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جو کثرت دکھلائی گئی وہ کس طرح سے دکھلائی گئی۔ بعض علماء تو کہتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ان عورتوں کے متعلق دکھلایا گیا تھا جو مرچکی ہیں اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے اگر وہ نیک ہوتا ہے تو اس کی قبر کو وسیع کردیا جاتا ہے اور جنت کی کھڑکی وہاں کھول دی جاتی ہے اور اگر وہ بُرا ہوتا ہے تو پھر جہنم کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر بیان فرمادیا۔

Marfat.com

اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور کشف کے آئندہ ہونے والی بات بتلائی گئی ہے جیسے ہمارے زمانے میں اولیاء اللہ کو بعض آئندہ ہونے والی باتوں کے متعلق انکشاف ہو جاتا ہے مگر انبیاء اور اولیاء کے انکشافات میں فرق یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ کے انکشاف میں غلطی کا احتمال نہیں ہوتا تاہم کبھی کبھی تعیین میں اشتباہ ہو جاتا ہے جیسا کہ عمرہ حدیبیہ میں ہوا مگر غلطی نہیں ہو سکتی بخلاف کشفِ اولیاء کے کہ وہاں احتمال وقوع غلطی کا ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں ہیں۔

ویکفرن الاحسان

احسان کا کفر کیسے کرتی ہیں؟ یوں کرتی ہیں کہ ان کے ساتھ احسان کرتے رہو۔ اور جب کسی وقت کوئی بات ہو جائے تو کہہ دیں "تیرے یہاں مجھے کوئی راحت ملی؟ ہمیشہ ہی مجھے اس گھر میں تکلیف پہنچی۔

بَاب المعاصی من امر الجاہلیۃ

یہ دوسرا باب ہے اس سے بھی وہی ثابت کرنا ہے یعنی کفر دون کفر یہاں پر کفر کو جاہلیت سے تعبیر کیا کیونکہ اس زمانے میں کفر ہی کفر تھا۔ میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ امام بخاری جب کسی چیز کے اثبات پر اُتر آتے ہیں تو اس کو مختلف عنوانات سے ثابت فرماتے ہیں۔ اب یہاں فرماتے ہیں کہ معاصی امر جاہلیۃ سے ہے اور جاہلیۃ کی چیزیں کفر ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو فرمایا تھا انک امرؤ فیک جاھلیۃ تو اگر معصیۃ کفر حقیقی تھی تو یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجدید ایمان کا امر کیوں نہیں فرمایا؟ معلوم ہوا کہ معصیت کفر حقیقی نہیں ہے بلکہ کفر دون کفر ہے جیسے طاعۃ ایمان دون ایمان ہے عین ایمان نہیں۔ آگے فرماتے ہیں۔

ولا یکفر صاحبہا بارتکابہا

یعنی اگر کوئی معاصی کا ارتکاب کرلے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ اس باب سے امام بخاریؒ نے خوارج پر رد فرمایا ہے کہ اگر کبائر کے ارتکاب سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجدید ایمان کا امر کیوں نہیں فرمایا اور اس سے پہلے باب میں مرجیہ اور خوارج دونوں کا رد فرمایا ہے مرجیۂ کا تو اس لئے کہ اگر معاصی مضر نہیں ہیں تو پھر جہنم میں جانے کا کیا مطلب؟ اور خوارج پر اس طرح کہ اگر وہ عورتیں کافر ہو گئیں تھیں تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکفرن باللہ کے جواب میں یکفرن العشیر کیوں فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان اللہ لا یغفران یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء اس آیت سے پتہ چلا کہ ما دون الشرک کوئی اور چیز ہے جو اختیار الٰہی میں ہے خواہ معاف کر دیں یا اس پر سزا دیں ہاں مشرک کو معاف نہیں کریں گے۔ اسی طرح ارشاد ہے وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما اس سے بھی مقصود کفر دون کفر کو ثابت کرنا ہے کیونکہ قتال مومن کے متعلق ارشاد نبوی وارد ہے قتالہ کفر

اب یہاں جو یہ فرما رہے ہیں وان طائفتان الخ تو اگر قتالِ مومن کفر حقیقی تھا تو پھر مومن کیسے کہہ دیا لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ مومن ہیں اور کفر سے کفر دون کفر مراد ہے عین کفر مراد نہیں ورنہ آیت اور حدیث میں تعارض ہو جائے گا۔

Marfat.com

قال ذہبت لانصر ہذا الرجل یہ روایت یہاں مختصر ہے البتہ کتاب الجہاد میں مفصل آئے گی۔ یہ واقعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی باہمی لڑائی جنگ جمل کا ہے۔ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر چلے۔ راستہ میں حضرت ابوبکرہ سے ملاقات ہوگئی۔ اُنھوں نے کہا کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے اس رجل کی مدد کرنے کے لئے ھذا الرجل سے مراد حضرت علیؓ ہیں یہاں تو بس نام ہی مذکور ہے آگے جو روایت آرہی ہے اس میں یہ جملہ اور ہے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے ان کی مدد کرنے جارہا ہوں۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا تلوار تو رکھو! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے فرمارہے تھے اذا التقی المسلمان بسیفیہما فالقاتل والمقتول فی النار کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے کے مقابل میں تلوار لے کر نکلتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنم میں جاویں گے۔

فقلت یارسول اللہ ہذا القاتل یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قاتل تو اپنے قتل کی وجہ سے جہنم میں گیا۔ لیکن مقتول نے کیا قصور کیا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تلوار تو وہ بھی لے کر گیا تھا قتل ہی کے واسطے اگر موقعہ پاتا تو قتل کر دیتا۔ مگر موت دوسرے کی تھی وہ ہی مرگیا۔

لقیت اباذر بالربذہ یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سیّد الزہاد اور امام الزاہدین ہیں ان کا حال یہ تھا کہ جہاں کسی کو اچھا کپڑا پہنے دیکھا اور پتہ چلا کہ اس میں پیوند نہیں اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ مالدار ہے تو لاٹھی اُٹھاتے اور پہنچکر کہتے درھم کیتی من النار ودرھمان کیان من النار حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب فتوحات کا زور ہو رہا تھا اور دراہم و دنانیر گھر کے کونوں میں بکھرے پڑے رہتے تھے۔ لوگوں نے حضرت عثمان سے ان کے زہد کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے فرمادیا کہ آپ دیہات میں جاکر سکونت اختیار کریں۔ کیونکہ بیچارے دیہاتیوں کے پاس پیسہ زیادہ نہیں ہوتا۔ یہ حضرت عثمان کی تعمیل حکم میں مدینہ کے قریب رَبذہ نامی ایک گاؤں میں چلے گئے۔ اور وہیں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی نے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں چلے آئے فرمایا خلیفۃ المومنین کا حکم ہے۔ اگر مجھ پر کسی حبشی غلام کو بھی امیر بنادیا جاتا۔ تو میں ان کی اطاعت کرتا۔ یعنی یہ تو امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ ہیں ان کی اطاعت بھلا کیسے نہ کرتا۔ یہ قصہ آگے بھی تفصیل سے آئے گا۔

وعلیہ حلۃ حلۃ کہتے ہیں ازار اور ردا، کو جو ایک ہی نوع کی ہوں۔ اب جب کہ وہ حلۃ پہنے ہوئے تھے اور ان کا غلام بھی حلہ پہنے ہوئے تھا تو پھر اس کے متعلق سوال کا کیا مطلب؟ اکثر شراح کی رائے یہ ہے کہ ایک رنگ کا ایک ایک کپڑا دونوں کے پاس تھا جس کو حلۃ سے مجازاً تعبیر کر دیا۔ یعنی یہ تم نے کیا کر رکھا ہے اگر تم غلام کو اپنی چادر دے کر دوسری عمدہ چادر لے لو جو کہ آپ کے لباس کے رنگ میں شریک ہے تو آپ کا تمام لباس ایک رنگ کا

Marfat.com

ہو جائے گا اور غلام کا دوسرے رنگ کا۔ اس پر اُنھوں نے فرمایا۔

انی سابیت رجلاً رجل کا مصداق حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہیں۔ یعنی میں نے اُن کو ایک مرتبہ عار دلائی تھی ان کی ماں کے ساتھ۔ کیونکہ وہ حبشہ کے رہنے والے تھے اور وہاں کے باشندے کالے ہوتے ہیں۔ تو میں نے ان کو "کالی عورت کا لڑکا" کہہ دیا تھا۔ اُنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کر دی آپ نے فرمایا انک امرؤ فیک جاھلیۃ۔ تیرے اندر سے اب بھی جہالت ختم نہیں ہوئی تو عار دلانے کو امر جاہلیۃ۔ یعنی معصیۃ قرار دیا لیکن اس سے ان کا کفر لازم نہیں آیا۔

آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ بھائی تمہارے پاس یہ لوگ دوسری جگہ سے تمہارے غلام اور ماتحت بن کر آئے ہیں ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا چاہیئے۔ جو تم خود پہنو وہی ان کو پہناؤ اور جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ۔ اور ان کی مدد کرو۔ اس واقعہ سے حضرت ابوذر نے بتلایا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنا پر میں نے بھی اپنے غلام سے یہی معاملہ کیا کہ میں نے پورا سوٹ نہیں پہنا بلکہ ایک چادر میں نے لی اور دوسری اس کو دی۔

باب ظلم دون ظلم امام بخاری کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ جب کوئی باب منعقد فرماتے ہیں تو اس کے بعد دوسرے باب سے اس کی توضیح و تکمیل فرما دیا کرتے ہیں۔ یہ باب بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور باب سابق میں جو مضمون ثابت کیا ہے اسی کو پھر یہاں سے ثابت فرما رہے ہیں۔ الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم قاعدہ یہ ہے کہ جب نکرہ تحت النفی واقع ہوتا ہے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال بھی کر لیا کہ اینا لم یظلم۔ یعنی ہم میں سے کون ایسا ہے جس سے ظلم نہ ہوا ہو اور کچھ نہ کچھ کوتاہی نہ ہوئی ہو۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عظیم ط

اس سے پتہ چلا کہ جب شرک عظیم ہے تو اس سے چھوٹا ظلم یقیناً کوئی نہ کوئی ہوگا۔ جب ہی تو عظیم کا مقابل سمجھ میں آئے گا۔ اس تقریر سے ظلم دون ظلم ثابت ہو گیا۔

باب علامۃ المنافق اس سے قبل امام بخاریؒ نے جو ابواب منعقد فرمائے وہ علامۃ الایمان سے متعلق ہیں۔ اب چونکہ کفر کا باب چل رہا ہے تو جو علامات کفر ہیں ان کو بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے متعلق امام بخاری نے یہاں سے باب قیام لیلۃ القدر من الایمان تک پانچ باب ذکر فرمائے ہیں۔ انہی علامات میں سے ایک نفاق ہے۔

آیۃ المنافق ثلاث اس پر اشکال ہے کہ یہ علامات مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا المنافق کو خاص کرنے کی وجہ کیا ہے؟

مجھے حضرت امام بخاری کی طرف سے جواب دینے کی ضرورت نہیں ہیں اس کا جواب ترجمہ میں دے چکا ہوں کہ امام کی غرض کفر دون کفر کو ثابت کرنا ہے۔ اور یہ علامات حقیقی کفر کی علامتیں نہیں ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے اندر بھی پایا

Marfat.com

جانا ممکن ہے۔

اذا وعد اخلف وعدہ خلافی کا یہ مطلب نہیں کہ وعدہ کرتے وقت اس کو پورا کرنے کا پختہ ارادہ ہو۔ لیکن معذوری کی وجہ سے پورا نہ کر سکے بلکہ وعدہ خلافی کا مطلب یہ ہے کہ وعدہ کرتے وقت ہی اُس کا پختہ ارادہ یہ ہو کہ میں اس کو پورا نہیں کروں گا۔

حدثنا قبیصۃ اس کے اندر منافقوں کی چار علامتوں کا ذکر ہے اور اس سے پہلی حدیث میں جو اسی باب میں مذکور ہے صرف تین علامتوں کا ذکر ہے علماء نے اس کے چند جوابات دیئے ہیں اول یہ کہ آپ کو اتنا ہی معلوم تھا اس لئے اسی پر اکتفا فرمالیا اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مزید علامتیں بتلائیں تو وہ بھی ارشاد فرمادیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ موقعہ کے اعتبار سے ایسا فرمایا کہ جس کے اندر جو خصلتیں نمایاں تھیں اسی پر اُس کو متنبہ کر دیا

کان منافقاً خالصاً خالص منافق ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کافر ہو گیا بلکہ کمالِ نفاق کا مرتبہ اس کو حاصل ہو گیا جس کی بنا پر کفر حقیقی کے قریب قریب ہو گیا۔

حتی یدعھا مطلب یہ ہے کہ اس میں نفاق کی یہ خصلتیں جب تک رہیں گی وہ منافق رہے گا اور جب اس خصلت کو چھوڑ دے گا نفاق بھی ختم ہو جائے گا اور تجدید ایمان کی ضرورت نہ ہوگی۔ ماقبل میں چونکہ ایمان کا بیان تھا اور زیادتی وضاحت کے لئے درمیان میں پانچ ابواب وبضدھا تتبین الاشیاء کے قاعدے کے مطابق ذکر فرمائے تھے۔ اب پھر اپنی اصل کی طرف رجوع کر کے ایمان کا ذکر شروع فرمادیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

باب قیام لیلۃ القدر من الایمان حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف اتنا فرمایا ہے کہ یہ باب رجوع الی الاصل کے لئے ہے۔ اور باریکیاں پیدا کرنے والوں نے یہ باریکی بتلائی کہ امام بخاری نے باب افشاء السلام کے بعد قیام لیلۃ القدر کا باب منعقد فرما کر آیت کریمہ سلام ھی حتی مطلع الفجر کی طرف اشارہ کیا ہے اور سلام سے مراد شب قدر ہے تو گویا کہ اس آیت کی مناسبت سے شب قدر کو افشاء سلام کے بعد ذکر کر دیا۔ کسی شارح نے یہ نہیں بتلایا کہ افشاء سلام اور قیام لیلۃ القدر میں پانچ بابوں کا فصل کیوں کر دیا گیا؟ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ طریقہ اختیار کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر کی وہ فضیلت جو احادیث میں وارد ہوئی ہے وہ کسی خاص آن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس میں امتداد ہے یہ نہیں کہ بس ہوئی اور ختم ہو گئی۔

ایمانا واحتسابا یہاں پر ایمان کی قید تو واضح ہے لیکن احتساب کا ذکر بھی کافی اہمیت رکھتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کام ثواب کی نیت سے کیا جائے تو اس پر ثواب ملے گا ورنہ ثواب سے محرومی رہے گی تو گویا اس جملہ سے نیک نیتی پر تنبیہ کرنا ہے۔

باب الجہاد من الایمان اس سے پہلے امام بخاری لیلۃ القدر کا باب باندھ چکے ہیں اب یہ باب الجہاد منعقد فرمایا ہے اس کے بعد تطوع قیام رمضان ذکر فرمائیں گے اب

Marfat.com

سوال یہ ہے کہ تطوع قیام رمضان میں تو لیلۃ القدر ہوتی ہے پھر ان دونوں کے درمیان باب الجہاد سے کیوں فصل کر دیا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لیلۃ القدر مشقت اور مجاہدہ سے حاصل ہوگی۔

ایمان بی او تصدیق برسلی یہ اوشک کے لئے بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو تصدیق بالرسول کے ساتھ ہو۔ اور تصدیق بالرسول ایمان باللہ کو مستلزم ہے اور تنویع کے لئے بھی ہو سکتا ہے علی سبیل مانعۃ الخلو محدثین کا قاعدہ ہے کہ وہ او کے بعد لفظ قال پڑھوایا کرتے ہیں لیکن میری عادت یہ ہے کہ میں اس کو تنویع پر حمل کر کے قال نہیں پڑھوایا کرتا۔

من اجرا و غنیمۃ یہاں پر او مانعۃ الخلو کے لئے ہے۔

لولاان اشق علی امتی یعنی اگر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ہر جہاد میں جاتا لیکن چونکہ میرے جانے کی وجہ سے ہر شخص چلنے کو چاہے گا تو اس خوف سے کہ سواریوں کی قلت ہے میرے جانے کی صورت میں ہر شخص جانے کی کوشش کرے گا اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے مشقت برداشت کرنی پڑے گی۔

ثم احیی ثم اقتل یہ ہے عشق کی بات کہ آدمی محبوب کے راستہ میں قتل ہونا چاہتا ہے۔ جہاں یہ فضیلت ہے کہ محبوب کے راستے میں قتل ہوتا ہے وہیں شہرت عشق بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہ یاد رکھو کہ شہرت عشق اور چیز ہے شہرت ریا اور چیز وہ اچھی چیز ہے اور یہ مذموم ؎

ما و مجنون ہم سبق بودیم در ایوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

باب تطوع قیام رمضان من الایمان

ہم لوگ ایمان کی بساطت کے قائل ہیں اس کے لئے اجزائے ترکیبیہ نہیں مانتے لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایمان مرکب ہے ان میں اختلاف ہے کہ آیا جو اعمال کہ جزء ایمان ہیں ان کے اندر نوافل بھی داخل ہیں یا نہیں۔ ایک جماعۃ کی رائے ہے کہ صرف فرائض جزء ہیں نوافل نہیں۔ اور ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ بھی نوافل ہیں یہی میلان امام بخاری کا بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے تطوع قیام رمضان کی قید لگائی۔

باب صوم رمضان احتسابا

احتساب کی قید ہر عبادت میں معتبر ہے اور صوم رمضان میں خاص طور سے اس قید کا اظہار الفاظ روایت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ احتساب کے معنی اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ثواب کی تمنا کرنا ہے مصنف نے احتسابا فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ اشیاء ایمان میں اس وقت شمار ہوں گی جب کہ مع الاحتساب ہوں۔

باب الدین یسر

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس باب سے امام بخاری خوارج پر رد فرما رہے ہیں اس لئے کہ انھوں نے دین کو اتنا سخت بنا دیا کہ اگر ایک وقت کی نماز چھوٹ گئی تو کافر ہو گیا ذرا سی لغزش ہوئی تو کافر بن گیا لہذا حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ دین اتنا سخت نہیں جتنا اس کو بنا رکھا ہے

Marfat.com

بلکہ دین آسان ہے اور حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ ابھی باب الجہاد گزرا ہے اور اس سے پہلے باب میں یہ گذر چکا کہ لیلۃ القدر کا قیام مجاہدہ سے ہوتا ہے تو اب بتلانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ ان چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ ضروری ہے اور وہ سر آنکھوں پر لیکن یہ سب جب ہے جب کہ تحمل بھی ہو ورنہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا تو گویا یہ بتلانا مقصود ہے کہ تحمل کے بقدر مشقت کا مطالبہ ہے۔

احب الدین الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ حنیفیہ سے مراد ملۃ ابراہیمیہ حنیفیہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واتبع ملۃ ابراھیم حنیفاً۔ اس سے مذہب حنفی مراد نہیں کیونکہ یہ تو ڈیڑھ سو سال بعد کی پیداوار ہے ہاں البتہ تفاؤل کے طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مذہب حنفی زیادہ قابل اتباع ہے غور سے سنو! اور پھر سنو! میری طرف سے یہ مت نقل کر دینا کہ انھوں نے بتلایا ہے کہ اس سے مذہب حنیفیہ مراد ہے البتہ تفاؤل ہے السمحۃ بمعنی آسان۔

ولن یشاد الدین احد دین کے اندر شدت اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عذر کی حالت میں جو رخصت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے مشروع فرمائی ہے ان کو اختیار نہ کرنا مثلاً مریض کے لئے اللہ نے اجازت دی ہے کہ وہ بیٹھکر نماز پڑھے لیکن شیطان کی چالبازیوں میں آکر اس رخصت پر عمل نہیں کرتا۔ اسی طرح شریعت نے حکم دیا ہے کہ عذر کی حالت میں تیمم کر لو لیکن تم اس وقت بھی بجائے تیمم کے وضو کرتے ہو تو ایسی صورت میں اور زیادہ بیمار ہو جاؤ گے ذات الجنب کا مرض ہو جائے گا اور یہی اس کے غالب ہو جانے کے معنے ہیں کہ اس سختی سے تم کو پریشانی ہوگی۔

فسددوا ٹھیک ٹھیک دین کا راستہ اختیار کرو۔ وقاربوا اور آپس میں ایک دوسرے سے مل کر رہو باہم اختلاف نہ کرو۔

وابشروا اور ایک دوسرے کو خوشخبری سناؤ

شئ من الدلجۃ کا مطلب ہے اندھیری رات کا تھوڑا سا حصہ۔ بھائی! نہ تو علم ہی بلا رات کو جاگے آتا ہے اور نہ ہی طریقت۔ دونوں کے لئے راتوں کے جاگنے کی ضرورت ہوتی ہے ع

ومن طلب العلیٰ سھر اللیالی

باب الصلوٰۃ من الایمان بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود اس باب کو منعقد فرما کر باب سابق میں جو ایک جملہ واستعینوا بالغدوۃ آیا ہے اس کی تفسیر کرنا ہے کہ اس سے مراد نماز ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض ایمان کی ترکیب اور اعمال کا جزو ایمان ہونا ثابت کرنا ہے کیونکہ سارے محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں آیۃ کریمہ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم میں ایمان سے مراد نماز ہے اور شان نزول بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ تو نماز پر ایمان کا اطلاق اطلاق الکل علی الجزء ہے لہٰذا جزئیت ثابت ہو گئی

Marfat.com

عندالبیت

بعض شراح بخاری فرماتے ہیں کہ یہ عندالبیت غلط ہے صحیح الی غیرالبیت ہے کسی کاتب سے یہ غلطی ہوگئی اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ ابتداء اسلام میں نماز بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے پڑھی جاتی تھی لیکن جب ہجرۃ کے سولہ، سترہ ماہ بعد آیت کریمہ فول وجھك شطرالمسجد الحرام نازل ہوئی اور تحویل قبلہ ہوا تو اس پر یہود وغیرہ نے یہ اعتراض کیا کہ اب تک تمہارے آباؤ اجداد نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے پڑھی ہیں ان میں یا تو وہ حق پر تھے یا اب تم غلطی پر ہو اس پر یہ آیت شریفہ وَمَا کان اللہ لیضیع ایمانکم نازل ہوئی جس میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔ اس لئے کہ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے پڑھی گئیں وہ بھی بحکم الٰہی تھیں اور اب بھی اسی کے حکم سے قبلہ بیت اللہ بنا ہے تو اب کہنا یہ ہے کہ جب بیت اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے کعبہ ہی مراد ہوتا ہے حالانکہ اس وقت کعبہ کی طرف آپ نمازوں میں رُخ نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ بیت المقدس کی طرف رُخ ہوا کرتا تھا لہٰذا یہاں پر صحیح الی غیرالبیت ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سارے نسخے اس لفظ پر متفق ہیں لہٰذا ایک معنی کو صحیح کرنے کے لئے سارے نسخوں کو غلط نہیں قرار دینا چاہیئے اس کے بعد حافظؒ نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے ہیں کہ عندالبیت سے مراد وہ نماز ہے جو مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے پڑھی جس کی صورت یہ ہے۔

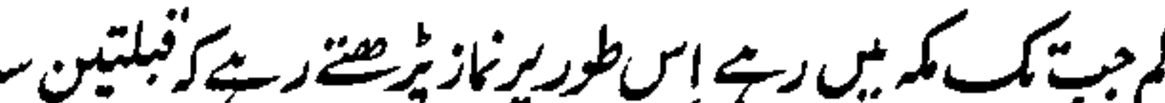

تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں رہے اِس طور پر نماز پڑھتے رہے کہ قبلتین سامنے ہوتے تھے۔ یعنی کعبہ کے جنوب میں کھڑے ہوتے تھے لیکن جب آپ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اب صرف بیت المقدس کی طرف رُخ فرماتے تھے کیونکہ مدینہ سے کعبہ جانب جنوب میں ہے اور بیت المقدس جانب شمال میں تو اس کے متعلق فرمایا کہ آپ نے جو نمازیں تحویل قبلہ سے قبل بیت اللہ کی دیوار کے نیچے کھڑے ہوکر بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے پڑھیں ہیں ہم ان کو ضائع نہیں کریں گے بلکہ قبول کریں گے اور جب عندالبیت والی نمازوں کو ہم نے قبول کرلیا تو جو نمازیں عندالبیت نہیں پڑھیں گئیں بلکہ مدینہ رہ کر پڑھی گئیں ہیں وہ بطریق اولیٰ مقبول ہوں گی۔ حافظ کی اس توجیہہ کی بناء پر عندالبیت سے مراد خانہ کعبہ ہوگا۔ جیسا کہ تبادر یہی ہے کہ بیت بول کر خانہ کعبہ مراد لیا جاتا ہے۔

نزل علی اجدادہ او قال علی اخوالہ

یہ اوشک کے لئے ہے اور ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ اجداد سے مراد اجداد من قبل الام یعنی ننہال مراد ہے تو وہ اخوال ہی ہوا۔

ستۃ عشر شہرا او سبعۃ عشر شہرا

یہاں سے مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی مدت بتلا رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی اور اگلے سال ماہ رجب میں قبلہ بدل گیا۔ اب یہاں اختلاف یہ ہے کہ آپ نے کتنے ماہ بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھی اس میں تین طرح کی روایات ہیں ایک میں سولہ ماہ مذکور ہے دوسری روایت میں سترہ ماہ اور تیسری

Marfat.com

روایت میں اٹھارہ ماہ مذکور ہیں. تعارض ان روایات میں کسی قسم کا نہیں اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ ماہ ربیع الاول کے کچھ حصہ کے گزر جانے کے لئے بعد ہجرت کی گئی تھی اور اِدھر رجب کے آخر میں تحویل ہوئی تو بعض نے کسر کو شمار نہ کر کے پورے سولہ ماہ ذکر کر دیئے اور بعض نے دونوں مہینوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے ان کو ایک ہی ماہ شمار کر کے سترہ ماہ بتلا دیئے اور بعض حضرات نے دونوں کو مستقل مہینہ شمار کر کے اٹھارہ ماہ بتلائے. تم ابو داؤد شریف میں پڑھو گے. کہ نماز میں تین طرح کا تغیر ہوا اور روزوں میں بھی تین طرح سے تغیر و تبدل ہوا اس کے بعد امام ابو داؤد نے نماز کے تغیرات میں یہ شمار کرایا ہے کہ مسلمانوں نے تیرہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی. یہ تیرہ ماہ والی روایت بالکل غلط ہے اور کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

وکان یعجبہ ان تکون قبلتہ کیونکہ کعبہ حضرت ابراہیم کا قبلہ تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم کی ملت کے اتباع کا حکم آیتہ کریمہ واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا میں دیا گیا تھا اس لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی قبلہ کی طرف لوٹنا چاہتے تھے۔

وانہ صلی اول صلوۃ صلاہا صلوۃ العصر خوب غور سے سنو! اس میں اختلاف ہے کہ تحویل قبلہ کہاں ہوا اور کب ہوا۔ ایک قول تو یہ ہے کہ مسجد نبوی میں ہوا اور دوسرا قول یہ ہے کہ بنو سلمہ میں ہوا اور پھر دونوں میں دو۔ دو قول ہیں ایک یہ کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی دوسرے یہ کہ عصر کی نماز میں ہوئی چار قول میں حاشیہ لامع میں ذکر کر چکا ہوں۔ لامع کے متن میں راجح یہ بتلایا گیا ہے کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی مگر یہ اس کے خلاف ہے جو میں نے اوجز المسالک میں لکھا ہے کیونکہ اس میں میں نے یہ لکھا ہے کہ تحویل مسجد نبوی میں ظہر و عصر کے درمیان ہوئی اور یہی میرے نزدیک راجح ہے لامع میں میرے والد صاحب کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ظہر کی نماز کے درمیان مسجد نبوی میں تحویل ہوئی مگر مولانا محمد حسن صاحب مکی کی (ضبط کردہ) تقریر میں لامع کے خلاف لکھا ہے کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی" یہ غلط ہے بلکہ ظہر و عصر کے مابین ہوئی نیز اگر اس کو مان بھی لیا جائے کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی تو اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ مسجد نبوی بھی ذو قبلتین ہو حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ مولانا محمد حسن صاحب مکی حضرت گنگوہی کے تلامذہ میں سے ہیں ولایتی تھے مکہ ہجرت کو گئے تھے بڑے بزرگ اور عزلت نشین تھے اپنی لکھی ہوئی تقریر مجھے یہ کہہ کر دیدی تھی کہ تیرے اندر خوش بختی کے آثار پاتا ہوں اس لئے تجھے دیتا ہوں بہرکیف اگر یہ مان لیا جائے کہ ظہر و عصر کی نماز کے درمیان تحویل ہوئی تو اس صورت میں بخاری کی روایت بھی ٹھیک ہو جائے گی وہ اس طرح کہ تحویل ظہر کی نماز کے بعد عصر سے پہلے ہوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز بیت اللہ کی طرف منہ کر کے ادا فرمائی ایک آدمی قبیلہ بنو سالم میں گزرا اس نے ان کو خبر دی کہ قبلہ اب بدل گیا وہ لوگ اسی وقت بیت اللہ کی طرف پھر گئے. پھر دوسرے دن قبا میں نماز فجر میں دوسرے صحابہ کو خبر ہوئی بنو سلمہ میں اسی دن عصر کی نماز میں تحویل قبلہ کی خبر اس وجہ سے پہنچ گئی کہ وہ مدینہ ہی کا ایک محلہ ہے اور قبا مدینہ سے باہر ہے۔

Marfat.com

فدار والکما ہم دوسری مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب ان کو نماز میں تحویل قبلہ کی نہایت انتظار کے بعد خبر ملی تو وہ لوگ کھڑے کھڑے اُلٹی طرف گھوم گئے لیکن مجھے اشکال ہے کہ اس صورت میں یہ لازم آئیگا کہ امام تمام مقتدیوں کے پیچھے ہو جائے اور سارے مقتدی امام سے آگے کسی اور حدیث میں تو اس کا ذکر نہیں کہ اس امام کا کیا ہوا لیکن اسکی تاویل یہ ہے کہ امام اپنی جگہ سے ہٹ کر آگے پہنچ گیا اس لئے کہ اتنی مشی مفسد نہیں ہے جبکہ توالی حرکات نہ ہو دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ توجہ الی القبلہ قطعی الثبوت ہے لہٰذا خبر واحد کی بنا پر جو کہ ظنی بھی ہے یہ لوگ کیسے پھر گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ نماز خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی جائے جس کا ذکر آیۃ شریفہ قد نری تقلب وجھک فی السماء میں ہے اور صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش معلوم تھی اس لئے اس خبر پر محتف بالقرائن ہونے کی وجہ سے اعتماد کر کے صحابہ نے کعبہ کا استقبال کر لیا۔

فلم ندر ما یقول فیہم شراح اس کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ آیا ہمارے آباؤ اجداد کی وہ نمازیں (جو اُنھوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں) صحیح ہیں یا نہیں۔ اور میرے والد صاحب اس کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا بہت اشتیاق تھا اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کے مشتاق ہوں گے اس کے کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا تو گویا صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ اکملِ ثواب ہم ہیں یا وہ ہمارے آباؤ اجداد۔

باب حسن اسلام المرء امام بخاری کا مقصود اس باب سے بھی ثابت کرنا ہے کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے کیونکہ آدمی جب اسلام میں تحسین پیدا کرتا ہے تو پھر حسنہ میں سات سو گنا اضافہ شروع ہوتا ہے اور پھر واللہ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ تو اس تضعیف سے اسلام کے کمال میں بھی زیادتی ہوگی۔

اذا اسلم العبد یعنی اخلاص کے ساتھ مسلمان ہو انفاق وغیرہ نہیں برتا تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مثلاً یہ معاملہ فرمائیں گے کہ اس کے سارے گناہ معاف کر دیں گے۔ کبائر کو بھی اور صغائر کو بھی لان الاسلام یہدم ما کان قبلہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے لیکن یہاں ایک اور مسئلہ میں اختلاف ہے وہ یہ کہ اگر کوئی آدمی مسلمان ہو گیا تو آیا اسلام لانے کی وجہ سے اس کے ان اعمال صالحہ پر جو زمانہ کفر میں کئے ہیں۔ ثواب ہوگا یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے وکان بعد ذلک القصاص لے المقاصہ یعنی اس کے بعد جزا و سزا کا معاملہ ہوگا۔

باب احب الدین الی اللہ ادومہ یہاں دین سے مراد اعمال ہیں بدلالۃ حدیث الباب اور مطلب ہوا احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ ادومہ اس باب میں امام بخاری نے جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر دین کی اشیاء پر مداومت کرے تو زیادہ محبوب ہے اللہ کو بہ نسبت اس کے کہ بداومت تو ہو نہ سکے اور بغیر تحمل کے ان اشیاء کو اختیار کرے۔

قالت فلانۃ اس فلانۃ کا مصداق حولاء ہیں یہ فلانۃ غیر منصرف ہے اس لئے کہ یہ کنایہ ہے علم

Marfat.com

سے مہ یہ کلمہ زجر ہے ۔

لایمل اللہ حتی تملوا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے عاجز نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے خزانۂ قدرت میں تو بہت کچھ بلکہ سب کچھ ہے ۔ ہاں تم عمل سے عاجز ہو جاؤ گے تو ثواب بھی رک جائے گا۔

باب زیادۃ الایمان الخ یہ باب ایک مرتبہ تو کتاب الایمان کے شروع میں بنی الاسلام علی خمس کے اندر آیا تھا اس کے بعد دوسری مرتبہ ص۸ پر باب تفاضل اھل الایمان فی الاعمال میں آیا اور تیسری مرتبہ یہاں آیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی جگہ فعل کا لفظ تھا اور یہاں مصدر ہے اور اصول موضوعہ میں سے یہ ہے کہ لفظ بدل جانے سے جبکہ مقصود میں کوئی فرق ظاہر نہ ہو ختم نہیں ہوتا چنانچہ یہاں الفاظ اگرچہ بدل گئے مگر مقصد وہی اثبات زیادۃ ونقصان ہے لہذا ترجمہ میں تکرار ہے بعض حضرات نے اس کی توجیہہ یہ فرمائی ہے کہ کتاب الایمان کے شروع میں جو زیادتی ونقصان کو ثابت کیا گیا ہے ۔ وہ باعتبار اجزاء ایمانیہ کے ہے کیونکہ ان تراجم سے امام بخاری کا مقصود ایمان کی ترکیب کو ثابت کرنا ہے اور ترکیب اجزاء کو چاہتے ہیں لہذا وہاں پہلے مقام پر تو ایمان کے نقصان کو باعتبار اجزاء اور کمیت کے بتلانا ہے اور یہاں کیفیت کے اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہے اور یہی میرے نزدیک راجح ہے مگر بعض مشائخ کی رائے جس کو لامع میں بھی اختیار کیا گیا اور حضرت شیخ الہند نے اپنے تراجم میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے یہ ہے کہ زیادتی وکمی باعتبار اجزاء اعمال کے تھی یعنی اعمال اجزاء کثیرہ پر مشتمل ہیں اب جو پورے اعمال کرے گا وہ زیادہ کو حاصل کرلے گا اور جو ان میں سے کم کرے گا اس کے یہاں نقصان ہوگا اور یہاں مومن کی کمی وزیادتی کو بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ اعمال ایک دم نازل نہیں ہوئے بلکہ آہستہ آہستہ نازل ہوئے ہیں مثلاً معراج میں نماز کی فرضیت اور پے در پے بعد دیگرے دوسرے فرائض کی فرضیت نازل ہوئی تو جس جس طرح احکامات نازل ہوتے رہے مومن میں زیادتی ہوتی رہی۔

الیوم اکملت لکم الایۃ یہاں اکمال سے مراد زیادتی ہے اور جب دین کی کسی بات کو ترک کر دیا جائے تو اس میں نقص پیدا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ آیت کے بعد شریعت میں بذریعہ وحی کوئی زیادتی نہیں ہوئی اور یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔

لاتخذنا ذلک الیوم عیدا اس لئے کہ جس دن اتنی بڑی بشارت سنائی جائے کہ ہم نے تم پر دین کو کامل کر دیا اور تمام نعمت فرمایا اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس دین والوں سے راضی بھی ہیں لہذا ایسا مبارک روز جس میں اتنی بشارتیں ہوں وہ اسی قابل ہے کہ اس کو عید بنا لیا جائے

قال عمر قد عرفنا ذلک الیوم یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول اس یہودی کی بات کا جواب ہو بھی گیا یا نہیں؟ بظاہر تو ہوا نہیں اس لئے کہ وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم یوم العید بنا لیتے اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ہم اس دن کو اور اس مکان کو حتیٰ کہ اس وقت کو بھی جانتے ہیں جب یہ آیت [illegible]

Marfat.com

عمر کا قول اگرچہ بظاہر جواب نہیں ہے مگر فی الحقیقۃ یہی جواب ہے اور جواب کی تقریر دو طرح سے کی جاسکتی ہے ایک تو یہ کہ حضرت عمر نے اِس کو اِس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ذرا سوچکر بات کرتو کیا کہہ رہا ہے تو عید بنانے کو کہتا ہے۔ ارے ہمیں تو عید بنانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی بلکہ وہ تو پہلے ہی سے یوم عید ہے کیونکہ وہ دن جمعہ کا ہے وہ بھی عید ہے اور عرفہ بھی عید ہے پھر ہمیں عید بنانے کی کیا ضرورت۔ بعض شراح نے لکھا ہے کہ اتفاق سے وہ دن جس میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تمام فرقوں کی عید کا دن تھا چنانچہ نصاریٰ، یہود، مجوس، سب ہی اس روز عید منا رہے تھے اور مسلمانوں کی عید کا تو پوچھنا ہی کیا۔ اور دوسری تقریر اس طرح کی جاتی ہے کہ تم کیا کہتے ہو ذرا غور تو کرو ہمیں سب کچھ معلوم ہے کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی، کب نازل ہوئی، کس حال میں نازل ہوئی، میدانِ عرفات میں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ مبارک پر تشریف فرما تھے جمعہ کا دن تھا اس وقت یہ نازل ہوئی مگر ہم ایسے نہیں کہ بس اپنی طرف سے جو دن چاہے عید کا مقرر کرلیں بلکہ ہم تو اللہ اور اس کے رسول کے تابع ہیں جب انھوں نے عید نہیں بنائی تو ہم کیوں بنائیں۔ یہ تقریر میرے نزدیک راجح ہے۔

باب الزکوۃ من الاسلام

زکوٰۃ چونکہ اعمال اسلام میں سے ہے اس لئے اس کو ذکر فرمادیا۔ اور مقصود اس سے ایمان کی ترکیب کو ثابت کرنا ہے۔ یہ حنفاً حنیف کی جمع ہے جس کے معنی مائل ہونے والے کے ہیں یعنی مائلین عن الزیغ۔

وذلک دین القیمہ

دین القیم اور دین القیمہ دونوں طرح سے روایات میں آتا ہے اور دونوں ہی قرأتیں ہیں جیسا کہ آگے آئے گا یہاں پر سب کو دین قیم قرار دیا گیا ہے اور دین ایمان ایک ہی ہے لہٰذا زکوٰۃ بھی ایمان کے اعمال میں سے ہوئی۔

ثائر الراس

اُلجھے ہوئے بالوں والا۔ یہ بدوی لوگ تہذیب و تمدن تو کچھ رکھتے نہیں اپنا ایسے ہی رہتے ہیں لہٰذا اُسی شکل میں آگئے لیکن علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ متعلم اور سائل ہوکر آیا تھا اس لئے یہ تعلیم دے گیا کہ طالب علم کو بناؤ سنگھار نہیں کرنا چاہئے بلکہ ایک دھن ہو اور کسی چیز کی خبر نہ ہو۔

نسمع دوی صوتہ

دوی کہتے ہیں صوتِ خفی کو یعنی اس آواز کو جو سنائی دے لیکن معنی سمجھ میں نہ آئیں اور عرف عام میں صوتِ نحل شہد کی مکھی کی آواز سے تشبیہ دیتے ہیں جس کی تفسیر بھنبھناہٹ سے کی جاتی ہے۔ یہاں پر شراح قاطبۃً اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ چونکہ دیہاتی تھا تمدن سے عاری اِس نے دور ہی سے زور زور سے پکارنا شروع کردیا مگر دور ہونے کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا جب قریب آیا تو بات معلوم ہوئی۔ میرے والد صاحبؒ نے اپنے شیخ قدس سرہٗ سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے شراح کے اس مطلب کو غلط قرار دیا ہے اس لئے کہ دوی کہتے ہیں صوت خفی کو لہٰذا یہ کہنا کہ وہ زور زور سے پکارتا ہوا آرہا تھا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی بڑے کے پاس جاتا ہے اور کوئی بات اس سے کرنا چاہتا ہے تو اس پر ایک قسم کا خوف اور سہم سوار ہوجاتا ہے اس بنا پر وہ اُن باتوں کو رٹتا ہے اور آہستہ آہستہ یاد کرتا جاتا ہے۔ تاکہ مقام پر پہونچکر بلا تکلف

Marfat.com

کہدے اور سوچتا رہتا ہے کہ یہ پوچھوں گا اور یہ بات دریافت کروں گا وغیرہ وغیرہ۔

خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اہم ارکان بتلائے ہیں۔ احناف پر اس حدیث سے استدلال کر کے ایک اشکال کیا جاتا ہے وہ یہ کہ وتر فرض نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نمازیں بتلا کر آگے فرمادیا لا الا ان تطوع اس سے معلوم ہوا کہ ان پانچ وقت کے علاوہ جو نماز پڑھی جائے گی وہ فرائض میں داخل نہیں ہوگی۔ علماء احناف اس کے کئی جواب دیتے ہیں اول یہ کہ وتر ابتداءً سنت تھے پھر بعد میں واجب کئے گئے اور اس کی دلیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

ان اللہ امدکم صلوٰۃ الا وہی الوتر

یہاں پر جس نماز کی زیادتی کو بتلایا گیا ہے وہ وتر ہی ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ نماز کے تابع ہے مستقل کوئی نماز نہیں لہٰذا عشاء کی نماز میں یہ خود شامل ہیں اور اسی تابع ہونے کی بناء پر ہمیشہ وتر عشاء کے بعد پڑھے جاتے ہیں پہلے پڑھنا جائز نہیں اسی وجہ سے اگر عشاء کی نماز دہرانی پڑ جائے تو وتر بھی دوبارہ پڑھے جاتے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں تو فرائض کو بتلانا مقصود ہے اور وتر احناف کے یہاں فرض نہیں صرف واجب ہیں اور فرض و واجب میں وہی فرق ہے جو آسمان زمین میں ہے میں کہتا ہوں کہ نماز جنازہ بھی تو فرض ہے اور صلوٰۃ الکسوف بعض ظاہریہ کے یہاں واجب ہے اسی طرح عیدین کی نماز بعض ائمہ کے یہاں فرض ہے جو جواب یہ سب حضرات دیں گے ہم احناف بھی وہی جواب دیدیں گے۔

لاالا ان تطوع

یہاں ایک مسئلہ سنو وہ یہ کہ اگر کوئی شخص نفل نماز یا نفل روزہ شروع کر دے تو حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں اس کا اتمام واجب ہو جاتا ہے اور افساد میں قضا واجب ہوتی ہے اور شوافع وحنابلہ کے یہاں قضا واجب نہیں۔ دراصل اس اختلاف کی وجہ یہ ہو رہی ہے کہ یہاں پر الا ان تطوع میں استثناء متصل ہے یا منفصل حنفیہ و مالکیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ استثناء میں اصل اتصال ہے اور جب استثناء متصل ممکن بھی ہے تو پھر منفصل بنانے کی کوئی ضرورت نہیں لہٰذا یہاں استثناء متصل ہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تیرے اوپر اس کے علاوہ کچھ اور واجب نہیں ہاں یہ کہ تو نوافل شروع کر دے تو پھر وہ واجب ہو جائیں گی۔ شوافع وحنابلہ کہتے ہیں کہ جس طرح تم زکوٰۃ میں استثناء منفصل مانتے ہو اسی طرح یہاں بھی مان لو۔ حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چونکہ زکوٰۃ کوئی منظم نہیں بلکہ معطی کو اختیار ہے کہ کچھ آج دیدے اور کچھ کل۔ بخلاف مصلی اور صائم کے کہ ان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بعض رکعت آج پڑھ لیں بعض رکعت اگلے روز یا نصف دن کا روزہ آج رکھیں اور نصف بقیہ کل رکھیں بلکہ ان میں اتساق وانتظام ہوگا اس لئے یہاں استثناء متصل ہوگا بخلاف زکوٰۃ کے کہ وہاں چونکہ خود انفصال ہوتا ہے استثناء بھی منفصل ہو جائے گا۔ یہاں ایک بات یہ بھی سن لو کہ فرائض کا پڑھنا واجب موکد ہے اور نوافل باعث اجر وثواب ہیں اور ان کے ترک پر کچھ عقاب وعذاب نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص پورے پورے فرائض ادا کرے اور نوافل نہ پڑھے تو وہ ناجی ہوگا لیکن میں یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ کوئی نجات کے دھوکے میں آکر نوافل کو نہ چھوڑ دے کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے روز فرائض کی

Marfat.com

کمی کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ اب کیا ہماری نمازیں ایسی ہیں کہ ان پر پورا اور کامل ثواب ملے ہاں صحابہ کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ ان کے صرف فرائض اُن کے لئے ناجی ہیں۔

وذکرلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ذکر کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے صوم وصلوۃ ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یاد تھے لیکن یہاں یہ یاد نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا اس لئے ذکرلہ سے تعبیر فرمادیا ہے یہ حضرات محدثین کی غایتہ احتیاط ہے الاان تطوع یہ استثناء سب کے نزدیک منفصل ہے اور بعض روایات میں حج کا بھی ذکر واقع ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ واقعہ دوسرا ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ واقعہ تو ایک ہی ہے مگر یہاں پر راوی نے اختصار کردیا ہے۔

واللہ لاازید علیٰ ہذا ولا انقص یہاں اشکال یہ ہے کہ ان صحابی نے نقصان نہ کرنے پر قسم کھالی یہ تو قرین قیاس ہے اور ٹھیک ہے مگر یہ جو اُنھوں نے زیادتی نہ کرنے پر بھی قسم کھالی اور اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے افلح الرجل ان صدق فرما کر اس پر فلاح مرتب فرمادی یہ کس طرح صحیح ہے کیونکہ یہاں پر بقیہ فرائض حج وغیرہ مذکور نہیں۔ اس کے علمائے چند جوابات دیئے ہیں اول یہ ہے کہ حج اس وقت تک فرض ہی نہیں ہوا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر یہ روایت میں فاخبرہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرائع الاسلام موجود ہے لہذا اس کے اندر ساری شریعت آگئی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آنے والے صحابی ضمام بن ثعلبہ تھے اور دافد تھے تو اُنھوں نے قسم بات کی قسم کھائی کہ ان احکام کو اپنے قبیلے تک پہنچانے میں کمی زیادتی نہیں کروں گا لیکن پھر اشکال یہ ہوجائے گا کہ یہی حدیث صفحہ ۲۵۴ پر بھی آرہی ہے وہاں ہے لا اتطوع شیئا ولا انقص اس سے پتہ چلا کہ وہ اس کمی زیادتی کو اپنے متعلق کہہ رہے ہیں کہ میں نہ نفلیں پڑھوں گا اور نہ ہی کوئی اور عبادت کروں گا لہذا یہ تیسری توجیہ یہاں نہیں چل سکتی۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات (صحابہ) کی شان یہ تھی کہ یونہی کہیں اس لئے کہ اگر فرائض کو ان کے پورے آداب کے ساتھ ادا کرلے اور درمیان میں اِدھر اُدھر کا خیال دل میں نہ لاوے تو وہ ناجی ہے اور یہ جو روایات میں آتا ہے کہ بندہ کے فرائض کو دیکھا جائے گا اگر کم ہوں گے تو نوافل کو دیکھا جائے گا اور ان نوافل کے ذریعہ سے فرائض کی کمی پوری کی جائے گی تو یہ ہم جیسوں کے لئے ہے جن کی عبادت ناقص ہے۔ ہماری عبادتوں اور صحابہ کرام کی عبادتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ہماری نمازیں اگر وہاں مُنہ پر مار کر نہ پھینکی جائیں تو بھی بہت کافی ہے۔

افلح ان صدق یہ اِن شرطیہ بھی پڑھا گیا ہے اور اَنْ نصب کے ساتھ بھی یعنی لان صدق

باب اتباع الجنائز من الایمان حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے شعب ایمانیہ کو اتباع الجنائز کے باب پر ختم فرمایا ہے کیونکہ جنازہ کا نمبر بھی شریعت میں سب سے آخیر میں ہے۔

---

۵ اخرجہ البخاری فی کتاب الصوم صفحہ ۲۵۴ مرتب

Marfat.com

اور تقسیم غنائم چونکہ موت کے بعد ہوتی ہے اس لئے اس کو موخر فرمادیا ہے۔

بَابُ خوف المومن ان یحبط عملہ

یعنی مومن کو ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے کہ زبان سے کوئی کلمہ کفر وغیرہ کا ایسا نہ نکل جائے جس سے اعمال حسنہ ضائع ہوجائیں۔ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس باب سے فقہ احباطیہ کی طرف پہنچ گئے کیونکہ اس جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے پہلے اعمال حسنہ ضائع ہوجاتے ہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے لہذا مطلب یہ ہے کہ مومن کو ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کوئی ایسا عمل نہ کرے کہ شدہ شدہ کفر کی نوبت آجائے۔ ترجمۃ الباب کی اصل غرض مرجیہ پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ لاینفع طاعۃ ولایضر معصیۃ۔ اس لئے اگر معصیت مضر نہیں تو حبط عمل کے کیا معنی ہیں ؟

وہو لایشعر

یوں کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے وھو لایشعر بڑھا کر ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرمادیا اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کوئی لاعلمی میں الفاظ کفریہ کہتا رہے تو کیا وہ کافر ہوجائے گا یا نہیں ؟ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ کلمات کفر جب قصد کے ساتھ کہے جائیں تو کفر ہیں اور اگر قصد کے ساتھ نہ کہے جائیں تو وہ کفر نہیں۔ علامہ کرمانی نے نووی پر رد کیا اور فرمایا کہ کلمات کفر کے کہنے سے کافر ہوجاتا ہے خواہ قصد وخبر کے ساتھ کہے یا بغیر قصد وخبر کے کہے یہی جمہور کی رائے ہے۔ امام بخاری نے اسی قول (ثانی) کی تائید فرمائی وہو لایشعر بڑھا کر کہ آدمی کو ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کہیں لاعلمی میں ایسا عمل نہ ہوجائے جس سے اعمال حبط ہوجائیں۔

وقال ابراہیم التیمی

یہ ابراہیم بہت بڑے واعظ تھے جب وعظ کہتے تھے تو یہ دیکھا کرتے تھے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر خود میرا عمل بھی ہے یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کہہ رہا ہوں کچھ، اور عمل اس کے خلاف ہو۔

کلہم یخاف علی نفسہ

چنانچہ حضرت حنظلہ اور حضرت ابوبکر کا قصہ مشہور ہے کہ حضرت حنظلہ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایسے ہوتے ہیں گویا جنت دوزخ سب ہمارے سامنے ہے اور جب ہم اپنے گھروں کو آتے ہیں تو بیوی بچوں میں لگ جاتے ہیں مجھکو تو ڈر ہوگیا کہ کہیں میں منافق تو نہیں حضرت ابوبکر نے فرمایا میرا بھی یہی حال ہے چلو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ دونوں حضرات خدمت میں حاضر ہوئے اور معاملہ عرض کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی یہ کبھی وہ امام بخاری نے ابن ابی ملیکہ کا مقولہ نقل فرمایا۔

مامنہم احد یقول

بعض مشائخ درس میں فرماتے ہیں کہ یہاں سے امام بخاری امام اعظمؒ پر رد فرمارہے ہیں کیونکہ حضرت امام صاحب سے مشہور ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا ایمانی کا یمان جبرئیل لیکن یہ اشکال غلط ہے۔ لامع میں حضرت نے اس کے چھ جوابات دیئے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک چونکہ یہ اعتراض ہی نہیں لہذا جواب کی بھی ضرورت نہیں اور اعتراض اس وجہ سے غلط ہے کہ ان لوگوں نے حضرت امام صاحب کے کلام کو غور سے دیکھا ہی نہیں، کیونکہ اولاً تو امام بخاری حضرت امام صاحب پر رد فرما ہی نہیں سکتے۔ شراح میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ امام ابوحنیفہ پر

Marfat.com

رد ہے۔ اور اگر امام بخاری نے خدانخواستہ امام صاحب پر رد فرمایا ہے تو حضرت امام بخاری نے امام صاحب کی بات ہی نہیں سمجھی اس لئے کہ امام صاحب پر رد اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب کا مقولہ جو ہے وہ ایمانی کا یمان جبرئیل ولا اقول مثل ایمان جبرئیل ہے۔ تو امام صاحب نے ایمانی کا یمان جبرئیل فرما کر مثل ایمان جبرئیل کی نفی فرمائی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ کاف سے تشبیہ ذات کے اندر دیجاتی ہے اور مثل سے صفات میں تو گویا امام صاحب ذات ایمان میں اپنے ایمان کو ایمان جبرئیل سے تشبیہ دے رہے ہیں ——— اور صفات میں برابری کی نفی فرمارہے لہذا امام صاحب پر رد نہیں ہو سکتا۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب خود واضح ہو گیا کہ حضرت امام اعظم کا مقصد صرف یہ بات کہنی ہے کہ جن جن چیزوں پر ان کا ایمان ہے۔ ان ہی پر ہمارا بھی ایمان ہے لہذا مومن بہ کے اعتبار سے ایمان میں کوئی فرق نہیں البتہ رہے اوصاف اس میں یقیناً جبرئیل جیسا ایمان نہیں ہو سکتا اسی کو حضرت نے صراحۃً ذکر فرمایا ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام اعظم کا مقولہ صرف ایمانی کا یمان جبرئیل ہے اس میں حضرت میکائیل کا کہیں ذکر ہی نہیں اور یہاں (بخاری میں) لفظ میکائیل بھی ہے اس وجہ سے ظاہر ہے کہ یہ مقولہ کسی اور کا ہے۔ ماخافہ الا مومن یعنی نفاق سے مومن ہی ڈرتا ہے اور اس سے مامون منافق ہی ہوتا ہے۔

ولم یحذر من الاصرار علی التقاتل

یہ عطف ہے خوف المومن ان یحبط عملہ پر۔ اور مطلب یہ ہے کہ نفاق وعصیان سے بچنا چاہیئے کیونکہ اصرار علی المعاصی کفر تک منجر ہوتا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اس کی صورت یہ بیان فرماتے ہیں کہ من تھاون بالنوافل تھاون بالسنن ومن تھاون بالسنن تھاون بالفرائض ومن تھاون بالفرائض سلب المعرفۃ ومن سلب المعرفۃ یقع فی الکفر یہاں جو حدیث ذکر کیگئی ہے اسکا ایک جملہ وقتالہ کفر ہے۔ اس سے مرجیہ پر رد ہے کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کے بعد آدمی جو چاہے کرتا رہے تو معلوم ہوا کہ یہ فقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی صراحۃً مخالفۃ کرتا ہے لہذا ابو وائل نے جو مرجیہ کے متعلق سوال کیا تھا اس کا جواب بھی مفہوم ہو گیا کہ یہ ایک ایسا فقہ ہے جو حضور کے قول کے خلاف کرتا ہے۔

وانہ تلاحی فلان وفلان فرفعت

چونکہ باب کے اندر اصرار علی التقاتل وغیرہ سے بچنے کا امر تھا تو اب یہاں سے تقاتل کی خرابی اور اس کا نتیجہ بتلاتے ہیں کہ اتنی بری شے ہے کہ لیلۃ القدر جیسی رفیع الشان چیز دو آدمیوں کے جھگڑنے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے اٹھالی گئی اگرچہ ان دونوں کو علم بھی نہیں تھا پھر بھی ان کے تنازع کی وجہ سے ایسی اہم چیز اٹھالی گئی لہذا اگر علم بھی نہ ہو پھر بھی گناہ سے اعمال حسنہ ضائع ہو سکتے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ فرفعت سے مراد شب قدر ہے کہ وہ اٹھالی گئی۔ اس حدیث پر مزید کلام میں آگے چل کر کروں گا۔

باب سوال جبرئیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری کا مقصود اس باب سے بھی ایمان کی ترکیب کو ثابت کرنا ہے کہ ایمان کے یہ سب اجزا ہیں احسان، علم، ساعۃ وغیرہ جن کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ آگے امام بخاری ایک جملہ لائے ہیں وما بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی ترکیب

Marfat.com

ثابت کردی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفد عبدالقیس نے چند اشیاء کا سوال کیا تھا تو آپ نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا تھا اور چار باتوں سے روکا تھا اس سے بھی معلوم ہوگیا کہ ایمان کے بہت سے اجزاء ہیں۔ نیز حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال کرنے سے ہر ایک کے متعلق الگ الگ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایمان، دین الگ الگ ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ حقیقتہً سب ایک ہیں اور ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوتا ہے صرف اعتباری فرق ہے کہ ظاہراً جو شے ہے وہ اسلام ہے اور وہی شے اگر قلب میں ہے تو ایمان ہے اور یہی دین ہے جیسے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا اس سے بھی معلوم ہوا کہ دین واسلام ایک ہی مرکب شے ہے دونوں الگ الگ نہیں۔

ما الایمان ایمان کا تعلق چونکہ قلب سے ہے اس لئے ما الایمان کے جواب میں ان امور کو بتلا دیا جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسلام کا تعلق جوارح سے ہے اس لئے ایسی چیزیں بتلا دیں جو جوارح سے متعلق ہیں۔

ان تعبد اللہ کانک تراہ یہ احسان کی تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کی جائے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو عابد دیکھ رہا ہے۔ یہاں پر حدیث پاک میں کانک فرمایا گیا ہے کیونکہ دنیا میں روئیت (باری تعالیٰ) تو محال ہے لیکن اب اعتراض یہ ہے کہ جب یہ محال ہے تو اس روئیۃ کا تصور کیسے کرے یعنی ہم تو یہ تصور نہیں کر سکتے کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ ہمارا دیکھنا اس کو محال ہے تو آگے اس کا طریقہ بیان فرمایا گیا کہ تو یہ تصور کر کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے اور جب تو یہ تصور کرے گا تو پھر عمل کے اعتبار سے ایسا ہو جائے گا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ جب مالک دیکھتا ہے تو کام بڑی توجہ سے ہوتا ہے لیکن صرف تم ہی اسے دیکھ رہے ہو وہ تمہیں نہ دیکھ رہا ہو تو اس میں وہ بات نہیں ہوگی جو پہلی صورت میں ہوتی۔ تو مطلب یہ ہوا کہ غایت توجہ سے عبادت کرو۔ یہ تشریح ہے اس پورے کلمہ کی۔ لیکن بعض دوسرے علمائے اس کے اندر دو درجے پیدا فرمائے ہیں کہ اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ تو اس کا تصور کرے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ تجھے دیکھے۔ حضرت صوفیا کرام یہاں ایک تیسری توجیہ بھی فرماتے ہیں کہ فان لم تکن تراہ میں فان لم تکن شرط اور تراہ جزاء ہے اے ان لم تکن تراہ یعنی اگر تو موجود نہیں رہے گا تو تو اس کو دیکھ لے گا۔ اس پر اشکال ہوا کہ تراہ اگر جزاء ہے تو مجزوم ہونا چاہیئے اس کا جواب دیا کہ تراہ اصل میں ہے۔ فبقلبك تراہ۔

اذا ولدت الامۃ ربتھا اس کی دو توجیہیں مشہور ہیں اول یہ کہ اولاد کی نافرمانی کی طرف اشارہ ہے کہ اتنی نافرمانی ہوگی کہ والدین اولاد کے تابع ہو جائیں گے۔ دوسری توجیہہ فقہاء کرام نے کی ہے کہ ام ولد کی کثرت بیع کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ام ولد اتنی کثرت سے ایک دوسرے کے ہاتھ فروخت ہوگی کہ چکر لگاتے لگاتے اسی کے گھر پہنچ جائے گی جہاں سے وہ ام ولد بن کر نکلی تھی اور اس کا ثمرہ جہالت ہے۔ آگے چل کر فرمایا اذا تطاول رعاۃ الابل آج کل تم خوب دیکھ رہے ہو کہ ان چرواہوں کے مکانات زیادہ اونچے اونچے ہیں۔

باب :۔ یہ باب بلا ترجمہ ہے اور بالکل مصداق ہے اس شعر کا ؎

Marfat.com

دوگونہ رنج وعذاب است جان مجنون را بلائے صحبت لیلیٰ وفرقت لیلیٰ

کیونکہ اول تو ترجمۃ الباب کی روایت سے مناسبت کرنی مشکل اور پھر جبکہ سرے سے ترجمہ ہی نہ ہو یہ اور مصیبت ہے کہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ اس جگہ حضرت شیخ الہندؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک باب گذرا ہے باب خوف المومن ان یحبط عملہ اور اب اس باب میں ہرقل کی حدیث کا وہ ٹکڑا ذکر کرتے ہیں جس کے اندر یہ ہے کہ ایمان کی بشاشت جب آدمی کے قلب میں آجاتی ہے تو ایمان کی تکمیل ہوجاتی ہے اور ایمان تام ہوجاتا ہے تو اس باب سے یہ بتلادیا کہ احباطِ عمل کا خوف اس وقت نہیں رہتا جب ایمان بشاشتِ قلوب میں گھس جائے۔ مگر مجھکو اس پر اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے باب خوف المومن میں اتنا زور باندھا ہے کہ کچھ حد نہیں ابن ابی ملیکہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ میں تیس صحابہ سے ملا ہوں ان میں سے ہر ایک اپنے اوپر نفاق کا خوف رکھتا تھا اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ انہی لوگوں میں سے جو نفاق سے ڈرتے تھے حضرت ابوبکر و حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہما بھی تھے تو اب میرا اشکال یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہ نفاق سے ڈرتے تھے تو کیا ایمان ان کے بشاشتِ قلوب سے مخالط نہیں ہوا تھا لہٰذا میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ باب سابق میں جو حدیث جبرئیل گذری ہے اس میں حضرت جبرئیل کے سوال سے ایمان، اسلام میں مغائرۃ معلوم ہوتی تھی تو اب اس باب سے ان دونوں میں اتحاد ثابت فرمارہے ہیں۔ یہ میں پہلے بھی بتلاچکا ہوں کہ یہ اشیاء گو مفہوم کے اعتبار سے الگ الگ ہیں لیکن معتبر و معتمد ہونے کے اعتبار سے ایک ہیں اور باہم ان میں تلازم ہے۔ اب یہاں اشکال یہ رہ جاتا ہے کہ یہ استدلال ایک کافر کے قول سے کیوں کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان نے مسلمان ہونے کے بعد اس کو بیان کیا اور حضرت ابن عباس روایت فرمارہے ہیں لہٰذا مراسیل صحابہ یا موقوفات صحابہ کے قبیل سے ہوئی اور یہ سب ہمارے نزدیک حجت ہیں۔

باب فضل من استبرأ لدینہ

اس سے مراد تقویٰ ہے کہ آدمی اپنے دین کے لئے پاکی حاصل کرے تو مصنف کا مقصود یہ ہے کہ تقوی و ورع بھی اجزائے ایمانیہ میں سے ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک باب گزرا ہے باب خوف المومن الخ اس میں مومن کو احباطِ عمل سے ڈرایا ہے اب امام بخاری اس باب سے ایسا طریقہ اور راستہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس کے اختیار کرنے سے آدمی حبط عمل سے بچ جائے اور وہ راستہ ہے اپنے دین کے لئے استبرا کرنا اور شبہات سے بچتے رہنا۔ استبرا کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے دین سے برأت یعنی تقوے حاصل کرے گا وہ کفر سے بھی بچ جائے گا جو کہ حابط عمل ہے جیسے جانور حمی سے بچا رہے تو حمیٰ میں داخل ہونے سے بھی بچا رہے گا اور اگر حمیٰ کے قریب ہوگیا تو حمی میں چلے جانے کا اندیشہ ہے۔

فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ

یہ روایت کتاب البیوع میں آئے گی مفصل کلام تو وہاں پر کروں گا کتاب البیوع میں اس لئے اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں کہ بیوع میں شبہات زیادہ پیش آتے ہیں۔ امام بخاری کا مقصد اس روایت سے یہ ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ متقی ہوجائے تو اسے شبہات سے بچنا چاہئے ؎

یعلم اللہ راہ خدا از دو قدم بیش نیست یکدم برنفس خود نہ دیگرے برکوئے دوست

Marfat.com

الاوان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہٗ یعنی یہ سب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ دل کی اصلاح ہو جائے اور صوفیا کی ضربیں بھی اسی قلب کے زنگ کے زائل کرنے کے ہوتی ہیں کیونکہ قلب کا یہ زنگ کوئی ظاہری شے تو ہے نہیں کہ اس کو دھو دیا جائے بلکہ وہ تو ایک عرض ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی معصیت کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو دُھل جاتا ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا تو باقی رہتا ہے اور پھر دوسرا گناہ کرنے پر دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو دُھل جاتا ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا تو باقی رہتا ہے اور پھر دوسرا گناہ کرنے پر دوسرے نقطہ لگ جاتا ہے اسی طرح ہر گناہ سے نقطہ لگتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کے قلب کو گھیر لیتا ہے۔ یہی وہ ران ہے جس کو اللہ نے کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون میں ذکر فرمایا ہے۔ اس باب کی یہ حدیث امام ابوداؤد کی ان چار احادیث میں سے ایک حدیث ہے جس کا اُنھوں نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کیا ہے۔

باب ادا الخمس من الایمان

امام بخاری رضی اللہ عنہ شعب ایمانیہ کو ذکر فرما رہے تھے یہ سب سے آخری شعبہ ہے جس کو امام بخاری نے ذکر کیا۔ اس باب کو باب اتباع الجنائز کے بعد اس وجہ سے لائے کہ عام طور سے شہید ہو جانے کے بعد ہی خمس وغیرہ تقسیم ہوتا ہے۔

عن ابی جمرۃ قال کنت اقعد

شراح وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابن عباس حضرت ابو جمرۃ کو جو اپنے پاس تخت پر بٹھایا کرتے تھے اور ان کے لئے وظیفہ مقرر فرما رکھا تھا یہ سب اکرام و اعزاز اس وجہ سے تھا کہ حضرت ابن عباس کے پاس فارس اور دوسرے ممالک سے جو وفود اور خطوط وغیرہ آیا کرتے تھے تو یہ ابو جمرۃ اُن کی ترجمانی کرتے تھے تو اس ترجمانی کی وجہ سے ان کا اعزاز و اکرام ہوا کرتا تھا چنانچہ بین السطور لکھا بھی ہے لانہ کان یترجم لہٗ بالفارسیۃ۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ بخاری کتاب الحج میں آگے چل کر صفحہ ۲۱۳ دوسو تیرہ پر شروع صفحہ میں تفصیل سے یہ روایت آرہی ہے کہ حضرت ابو جمرۃ کے شاگرد نے پوچھا تھا کہ آخر حضرت ابن عباس آپ کا اتنا اکرام کیوں فرماتے ہیں؟ تو اُنھوں نے جواب دیا تھا للرویا التی رأیت یعنی اس خواب کی بنا پر جو میں نے دیکھا تھا اور واقعہ اس خواب کا یہ ہے کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے اپنے زمانہ خلافت میں قران سے روکا کرتے تھے مگر لوگ کہاں ماننے والے تھے ان کی مخالفت کرتے تھے انہی مخالفت کرنے والوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے کہ اُنھوں نے قران کا احرام باندھ کر اعلان کر دیا تھا کہ میں اس کا احرام باندھتا ہوں جس کا جو جی چاہے کرے میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قران کا احرام باندھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب یہاں تم کو اشکال ہو رہا ہوگا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا احرام باندھا تھا تو حضرت عمر و عثمان اس کو کیوں منع کرتے تھے اس کا جواب اپنی جگہ پر کتاب الحج میں آجاوے گا۔ بہر حال حضرت عمر و عثمان کی اپنے اپنے زمانہ میں طوطی بول رہی تھی ان کے حکم کے خلاف اگر کوئی قران کا احرام باندھ لیتا تو اس پر فقرے کسے جایا کرتے تھے حضرت ابو جمرۃ نے قران کا احرام باندھا لوگوں نے فقرے کسے مگر وہ اپنے احرام پر رہے اسی دوران اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ حج مبرور و عمرۃ متقبلۃ ان کو بڑی خوشی ہوئی اور اپنا یہ خواب حضرت ابن عباس سے جا کر سنایا اُن کو بھی بہت خوشی ہوئی اور ابو جمرہ سے

Marfat.com

عقیدت پیدا ہوگئی۔ اسی عقیدت کی بنا پر اُن کو اپنے پاس بیٹھایا کرتے تھے اور وظیفہ مقرر فرما رکھا تھا دراصل قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی پر صلاح کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو اس سے لوگوں کو عقیدت ہو ہی جاتی ہے اور احترام کیا ہی جاتا ہے اِس بناء پر میرا خیال یہ ہے کہ ان کا احترام اس بزرگی کی وجہ سے ہوتا ہوگا ورنہ محض ترجمانی ایسی بات نہیں کہ جس کی وجہ سے اتنا احترام ہو۔

ان وفد عبدالقیس

حضرت ابوجمرہؓ حضرت ابن عباسؓ کے پاس دو ماہ ٹھہرے رہے اور ان حضرت کا یہی مشغلہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ایک دوسرے کو سُناتے چنانچہ ابن عباسؓ نے بھی ابوجمرہ کو بہت سی احادیث سُنائیں ان میں ایک حدیث یہ وفد عبدالقیس کی بھی ہے۔ یہ وفد عبدالقیس سنۃ الوفود میں ۹ھ ہجری کے درمیان آئے جیسا کہ محدثین اور مورخین کی رائے ہے اور میری رائے یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد سے حجۃ الوداع کے سال تک کسی دوران آئے ـــــ آب یہاں اشکال یہ ہے کہ غزوۃ الفتح کے بعد تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا بول بالا کر دیا تھا اور قبائل کے قبائل آکر مسلمان ہو رہے تھے پھر اس وفد عبدالقیس کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ یا رسول اللہ انا لا نستطیع ان ناتیك الا فی الشهر الحرام وبیننا وبینك هذا الحی من کفار مضر یا رسول ہم آپ کے پاس سوائے اشہر حرم کے نہیں آسکتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ کفار مضر کا قبیلہ حائل ہے۔ جو مکہ اور مدینہ آتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے اور لوٹ مار کرتا ہے۔ تو اعتراض یہ ہے کہ جب قبائل کے قبائل مسلمان ہو گئے تھے اور اسلام کا ڈنکہ بج رہا تھا تو ان کی مخالفت قبیلہ مضر سے کس طرح باقی رہ گئی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وفد عبدالقیس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں دو مرتبہ آیا ایک ۸ھ کے درمیان فتح مکہ سے قبل دوسرے ۹ھ کے درمیان۔ تو یہ واقعہ جو اس حدیث میں مذکور ہے وہ ۸ھ کا ہے نیز اس میں جو سوالات پوچھے گئے ہیں وہ بھی ۸ھ ہی کے ہیں۔ یہاں پر چونکہ مقصود صرف احکامات کو بتلانا ہے اس لئے اس کی ضرورت نہ سمجھی کہ یہ بھی بتلایا جائے کہ یہ کس سنہ کا واقعہ ہے

لما اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں بین السطور تمہارے محشی نے عام الفتح لکھ رکھا ہے عام الفتح ۸ھ کو کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ واقعہ ۶ھ کا ہے کیونکہ اس میں کفار مضر کے پریشان کرنے کا تذکرہ ہے اور یہ پریشان کرنا اور لوٹ مار ۶ھ ہی میں ہو سکتی ہے اگر اس ۶ھ کے قول کو نہ مانا جائے تو پھر قبیلہ مضر کا یہ شکایت کرنا غلط ہوگا یہاں اس حدیث میں اشہر حرم کا لفظ آیا ہے جو اہل مکہ کے یہاں بین الاقوامی مہینے تھے اس میں کوئی آدمی کسی کو نہیں چھیڑ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ باپ کے قاتل سے بھی کوئی تعرض نہیں ہوتا تھا۔ اشہر حرم سے مُراد ذی قعدہ، ذی الحجہ محرم اور رجب ہے۔

غیر خزایا ولا ندامی

رسوائی تو اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ تم لوگ خود بخود آگئے قید کر کے لانے کی نوبت ہی نہیں آئی اور ندامت اس بنا پر نہیں ہے کہ تم سے ہماری کوئی لڑائی نہیں ہوئی جس میں تمہارے اور ہمارے آدمی قتل ہوتے تو آج مُنہ دکھانا مشکل ہوتا اور باپ کا قاتل بیٹے کے سامنے آتا تو شرمندگی اور ندامت ہوتی بلکہ تم سب ان چیزوں سے محفوظ ہو سالوہ عن الاشربہ اس وفد نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے امر فیصل دریافت

Marfat.com

کیا تو آپ نے چار چیزوں سے منع فرمایا اور چار چیزوں کے کرنے کا حکم دیا چونکہ ان کے یہاں شراب کا بہت زور تھا اور مدینہ وغیرہ میں شراب کی حرمت مشہور ہو چکی تھی اس لئے اس کے متعلق ان لوگوں نے خاص طور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

فامرہم باربع ونہاہم عن اربع یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ جن چیزوں کا امر فرمایا گیا ہے وہ اجمال میں تو چار بتلائیں ہیں لیکن تفصیل میں پانچ ذکر کی گئی ہیں۔ شہادۃ، اقامۃ صلوۃ، ایتاء زکوۃ، صیام رمضان اعطاء خمس تو اجمال وتفصیل میں مطابقت نہیں رہی اس کا ایک جواب جیسا کہ تم مشکوۃ میں بھی پڑھ چکے ہو یہ ہے کہ پہلے چار یعنی شہادۃ وحدانیۃ ورسالۃ اور اقامۃ صلوۃ ایتاء زکوۃ اور صیام رمضان یہ سب شمار کے اعتبار سے ایک ہے اور تفسیر ہے الایمان باللہ وحدہ کی اور دوسرا غنیمت میں سے خمس ادا کرنا ہے اور بقیہ دو کو راوی نے اختصاراً یا سہواً چھوڑ دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقصد ان چار ہی کو بیان کرنا تھا اور پانچویں چیز ان کو خاص طور سے بغیر ان کے سوال کئے ہوئے بتلادی یعنی خمس کا ادا کرنا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جنگجو اور بہادر قسم کے لوگ تھے اور ان کے آس پاس کفار رہا کرتے تھے اس لئے مال غنیمت ملنے کی اُمید ہر وقت رہا کرتی تھی تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ اگر مال غنیمت کہیں سے مل جائے تو اس کا خمس ادا کر دینا یہی وجہ ہے کہ اس پانچویں حکم کا اسلوب بدل دیا اور وان تعطوا من المغنم الخمس کے الفاظ سے ذکر کیا لیکن اس جواب پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ خود بخاری میں صفحہ ایک اکیسو اٹھاسی ۱۸۸ پر یہی روایت پھر آرہی ہے وہاں شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ وعقد واحدۃ وارد ہوا ہے اور پھر ایتاء زکوۃ، اقامۃ صلوۃ۔ اعطاء خمس ان تین کا ذکر ہے جس سے پتہ چلا کہ اعطاء خمس خود ان چار میں سے ایک ہے لہذا اس حدیث کی بناء پر اعطاء خمس کو تد زائدہ اور امر خارجی سمجھنا غلط ہو گا۔ نیز اس صورت میں مصنف پر اعتراض ہوگا کہ جب اصل مقصود اول چار تھے اور اعطاء خمس خارجی امر ہے تو اس پر باب اداء الخمس من الایمان کا ترجمہ کیسے درست ہوا لہذا اب پہلا ہی جواب دیا جائے گا یہاں صرف دو امر مذکور ہیں بقیہ دو امور راوی نے اختصاراً یا سہواً چھوڑ دیئے۔ دوسرا اشکال اس حدیث پر یہ ہے کہ اس میں حج کو ذکر نہیں کیا گیا وہ بھی تو فرائض میں سے ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ بعض دوسری روایت میں حج کا بھی ذکر ہے مگر وہ روایات صحاح کی نہیں ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حج سب لوگوں پر فرض نہیں ہوتا اس لئے اس کو شمار نہیں فرمایا بعض لوگوں نے تیسرا جواب یہ دیا کہ حج اس وقت تک فرض ہی نہیں ہوا تھا یہاں تک تو وہ چار باتیں تھیں جن کے کرنے کا حکم ہے اور آگے جن اشیاء اربعہ سے منع کیا گیا ان میں سے ایک حنتم ہے حنتم کہتے ہیں مٹکے کو۔ مگر چونکہ عام طور سے شرابیں سبز مٹکوں میں بنتی ہیں اس لئے سبز مٹکے ہی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ جیسے بوتل عام ہے چاہے کسی بھی چیز کی ہو لیکن جب یوں کہیں کہ ذرا ایک بوتل دکان سے لادینا تو اس سے مراد سوڈے کی بوتل ہوتی ہے عرف کی وجہ سے اسی طرح یہاں بھی۔ دوسرا برتن دُبا ہے یہ آل کدو کا برتن ہوتا ہے اس کو خشک کر لیتے اور اندر سے بیج وغیرہ صاف کر کے برتن سا بنا لیتے ہیں کبھی میٹھے کدو کا بھی بنایا جاتا ہے۔ تیرنے والے اس کو بغل میں لے کر تیرتے ہیں۔ تیسرا برتن ہے نقیر نقیر تو ہر

Marfat.com

منقور یعنی کھدی ہوئی چیز کو کہتے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو کھجور کی جڑ میں کھود کر برتن سا بنا لیتے ہیں اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعض لکڑیاں خاص قسم کی ہوتی ہیں جن کو اندر سے کھود کر صاف کر لیا جاتا ہے والمزفت وربما قال النقیر۔ یہ چوتھا برتن ہے مزفت اور نقیر رال ملے ہوئے برتن کو کہا جاتا ہے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ ان برتنوں کے استعمال سے آپ نے اِس لئے منع فرمایا کہ یہ تمام برتن شراب کے لئے تھے اور شراب کے اثر سے بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں اگر تازہ تازہ نبیذ بھی ڈالی جائے تو وہ بھی بہت جلد خراب ہو جائے گی اس لئے خاص طور سے اِن چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا۔

باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ

یہاں امام بخاری اس چیز کو ثابت کر رہے ہیں کہ اللہ کی نیت کر کے اگر نماز پڑھے گا تو مقبول ہوگی ورنہ نہیں ایسے ہی ہر عمل میں اگر نیت خالص ہے تو مقبول ہے ورنہ مردود اور اسی کی تائید کے لئے فرماتے ہیں قل کل یعمل علی شاکلتہ یعنی جیسا کرنا ویسا بھرنا امام بخاری نے ترجمہ میں حسبتہ لاکر بتلا دیا کہ اس سے مجرد ارادہ مع الاخلاص مراد ہے یعنی اعمال صرف نیت اور حسبت و ثواب کی اُمید پر کئے جاتے ہیں اور ثواب کی اُمید اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اعمال خالصتہ لوجہ اللہ ہوں اس باب میں امام بخاری نے جو حدیث بیان کی ہے اس پر میں ابتداءِ کتاب میں کلام کر چکا ہوں اور وہاں میں نے حنفیہ و شافعیہ کے درمیان جو اختلاف ہے اس کو بھی بتلا دیا تھا کہ ہمارے نزدیک انما الاعمال بالنیۃ کا مطلب ہے ثواب الاعمال بالنیات اور شوافع کے یہاں اس کا مطلب ہے صحۃ الاعمال بالنیات میں امام بخاری کو زبردستی اپنی طرف کھینچ کر لانا نہیں چاہتا وہ مستقل مجتہد ہیں لیکن اس ترجمہ کو دیکھ کر میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ اس لئے کہ نیت کی تفسیر اُنھوں نے حسبۃ سے کی ہے اور حسبۃ واحتساب کہتے ہیں ثواب طلب کرنیکو تو معلوم ہوا کہ خود امام بخاری کے نزدیک انما الاعمال بالنیات کا مطلب انما ثواب الاعمال بالنیات ہے اور یہی حنفیہ بھی کہتے ہیں۔ فدخل فیہ الایمان یعنی اس ضابطہ اور کلیہ میں سارے اعمال داخل ہیں ایمان بھی اسی طرح ہے کہ اس میں اخلاص ملحوظ ہے کہ محض اللہ کے لئے ایمان لائے کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے ایمان نہ لائے۔

اذا انفق الرجل علی اھلہ

یہ روایت ترجمہ میں مختصر تھی یہاں تفصیل کے ساتھ ہے۔ میرے پیارو! دین کتنا آسان ہے کون نہیں جانتا کہ بیوی بچوں کا خرچ، شوہر کے ذمہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کتنی آسانی فرما دی کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو کچھ کھلا دے پلا دے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے مگر ان سب چیزوں میں اصل شرط اخلاص ہے اللہ کے لئے ہو ورنہ اگر دنیا کے لئے ہوگا تو وبال بنے گا۔ یہاں ایک بات یہ بھی سُن لو کہ حنفیہ کے نزدیک عدم نیت سے حکم تو ثابت ہو جائے گا _____ لیکن ثواب حاصل نہ ہوگا لہٰذا اگر کوئی اللہ کے لئے نفقہ نہ دے بلکہ ریا یا کسی خوف وڈر کی وجہ سے دے تو نفقہ تو ادا ہو جائے گا یعنی عدم نیت کی صورت میں حکم تو ثابت ہے لیکن ثواب نہیں۔ نیز احناف کے یہاں مقاصد میں نیت شرط ہوتی ہے وسائل میں نیت شرط نہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ

نصیحۃ کے معنی اخلاص کے ہیں۔ متاخرین کی ایک جماعت جس میں امام نووی وغیرہ شامل ہیں کی

Marfat.com

رائے یہ ہے کہ سارے دین کا خلاصہ صرف یہ حدیث ہے کیونکہ نصیحت کے معنی اخلاص کے ہیں اور یہی اخلاص تصوف کی جان ہے کیونکہ تصوف کہتے ہیں نیت کے خالص ہونے کو پھر اخلاص ونصیحت کی بہت سی صورتیں ہیں نصیحۃ اللہ یہ ہے کہ اللہ کے خالق ، مالک ، رب ہونے پر ایمان لاوے اس کے احکام مانے عبدیت کا اقرار اور اپنے کو غلام اور اس کو آقا سمجھنے کی کوشش کرتا رہے اور نصیحۃ الرسول یہ ہے کہ رسول کے لائے ہوئے اعمال اور اس کے خصائل اور اس کے اسوہ پر عمل کرے اور اس کے ہر عمل پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور جن اعمال کا تحمل نہ ہو جیسے جو کی روٹی کھانا وغیرہ ان کو دل سے پسند کرے اور اُن پر عمل کی خواہش رکھے ۔ اور درود شریف کا اہتمام رکھے نصیحۃ لائمۃ المسلمین یہ ہے کہ ان کے جو احکام شریعت کے موافق ہوں اُن کی پابندی کرے اور اُن کی معاونت کرتا رہے اگر وہ خلاف شرع کام کرنے لگیں تو اُن کو حسن تدبیر اور خوش اسلوبی سے سمجھانے کی کوشش کرے اور نصیحۃ لعامۃ المسلمین یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے وہ پسند کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے جس کی ترغیب حدیث لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ میں کی گئی ہے ۔ یہ حدیث تمام دین کا خلاصہ ہے اس وجہ سے اللہ کے ساتھ اخلاص میں تمام عبادات آگئیں اور رسول کے ساتھ اخلاص میں محبت رسول آگئی ائمہ مسلمین اور عام لوگوں کے ساتھ اخلاص میں تمام معاشرت آگئی ۔

بالبیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں نے پہلے حضرت عبادۃ بن الصامت کی روایت میں بیعت اسلام ، بیعت جہاد ، بیعۃ احسان تینوں کو بتلایا تھا وہاں میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جو لوگ بیعت صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو جاہل ہیں یا متجاہل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت لینا ثابت ہے ۔ بہرحال یہاں تم یہ سنو کہ بیعت کے الفاظ مشائخ کے یہاں حسب موقع اور حسب مکان ہوتے ہیں جہاں یہ صوفیہ بیعت کرتے ہیں وہیں ان کے قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی کے اندر کوئی خاص چیز ہوتی ہے تو اس پر خاص طور سے بیعت لیتے ہیں مثلاً بعض سے بیعت لیتے وقت عہد لیتے ہیں کہ تعزیہ نہیں بنائے گا یہ نہیں کرے گا وہ نہیں کرے گا ۔ صحابہ سے بھی ان کے احوال کے مطابق اور دوسرے بعض صحابہ سے ان کے احوال کے مطابق بیعت لی گئی ہے ۔ تو جس طرح نفس بیعت مشکوۃ نبوت سے ماخوذ ہے اسی طرح یہ طریقہ بھی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا گیا ہے چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت میں الفاظ عامہ کے ساتھ ساتھ الفاظ خاصہ سے بھی بیعت لی ہے بعض عورتوں سے اس پر بیعت لی کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی اسی طرح یہاں حضرت جریر سے نصیحت للمسلمین کی بیعت لی ، کیونکہ آپ نے ان کے اندر اس کی قوت دیکھی تھی۔

مات المغیرۃ بن شعبۃ

حضرت مغیرۃ بن شعبۃ حضرت معاویہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے ۔ حضرت مغیرہ کے انتقال کا وقت جب قریب آگیا تو انھوں نے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی کو اپنا قائم مقام بنا دیا اور یہ فرمایا کہ جب تک کوئی دوسرا امیر حضرت معاویہ کی طرف سے نہ آجائے تم امامت کے فرائض انجام دینا اس لئے کہ امارت کا معاملہ ہر شی سے مقدم ہونا بشرطیکہ حکومت اسلامی ہو یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے یہی امارت کا معاملہ طے کر لیا گیا تھا چنانچہ ان کی وفات کے بعد حضرت جریر نے تعزیت کے لئے

Marfat.com

جلسہ کیا اور اس میں تقریر فرمائی اور اُن کو وقار اور سکینہ کی تعلیم دی کہ پیارو تمہیں تو چاہیئے تھا کہ نہایت وقار سے رہتے مگر تم ہو کہ شور و شغب کر رہے ہو۔ حتّٰی یاتیکم امیر یعنی دارالخلافۃ سے کوئی امیر متعین ہو کر آجائے۔ فانما یاتیکم الآن۔ میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب دوسرا امیر مقرر ہو کر آجائے گا۔ بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ امیر سے مراد اُن کی اپنی ذات ہے۔ یہ میرے نزدیک صحیح تو ہے لیکن بعید ہے۔ استغفروا لامیرکم یعنی حضرت مغیرۃ بن شعبہ کے لئے جن کا انتقال ہو چکا ہے۔

ثم استغفر ونزل یہاں میرا اور حافظ کا معرکہ ہے حافظ کے نزدیک امام بخاری کتاب کے آخر میں کتاب کے ختم کی طرف اشارہ فرماتے ہیں تو گویا ثم استغفر سے بر عۃ اختتام کے طور پر کتاب کے ختم کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جب منبر سے اُتر آئے تو جو کچھ کہہ رہے تھے وہ ختم ہوا۔ اور میرے نزدیک کتاب کے اختتام کی طرف اشارہ نہیں بلکہ تیرے اختتام اور موت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ میں پہلے بھی ایک جگہ فکذلک اخرشان ھرقل کے تحت اس کو بیان کر آیا ہوں۔

Marfat.com

معروضات

۱ــــ حضرت شیخ دامت برکاتہم کی تقریر بخاری شریف کا حصۂ اول آپ کے ہاتھوں میں ہے، جو کتاب الایمان پر ختم ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً پوری تقریر ہزار صفحات سے زائد پر محیط ہوگی۔

۲ــــ چونکہ حضرت شیخ مدظلہم العالی کے علوم و افادات کو اہل اشتیاق تک پہنچانا مقصود ہے اس لئے انشاء اللہ بقیہ اجزاء مناسب وقفوں کے ساتھ جلد جلد شائع ہوتے رہیں گے۔ اگر شائقین حضرات اپنے نام درج کرادیں تو ان کی خدمت میں اطلاع کرنے اور کتاب بھیجنے میں سہولت رہے گی (رقم پیشگی نہ بھیجئے۔)

۳ــــ متعدد مصالح کی بنا پر کتاب کی تجلید کا اہتمام نہیں کیا گیا، تاکہ تمام حضرات اپنے اپنے ذوق کے موافق جلد بنوا سکیں۔

۴ــــ بذریعہ ڈاک منگوانے والے حضرات کی خدمت میں گذارش ہے کہ ایک روپیہ مزید ڈاک خرچ کی مد میں ارسال فرمائیں۔

محمد یحییٰ مدنی عفا اللہ عنہٗ
مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن، کراچی ۵

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com